خونی سایہ

تحریر : شاعرہ سحر

راجستھان ایک ریگستان میں بسی ہندوستان کی سب سے خوبصورت

ریاست۔ مختلف رنگوں سے سجی عمارتیں، صحرا میں چلتے اونٹ، پرانی قدیم

گھر اور محزب لوگ اور ان کے درمیان انوکھا پیار۔ جیلسمیر راجستھان کا

ایک مشعور و معروف شہر ہے جس کی آبادی تقریبا 19,000 ہے۔ یہ

کئی راجاؤں کی راجدھانی رہ چکی ہے اور کئی سیاحوں کی مندپسند تفرتح گاہ۔

یہاں کا آرکٹیکچر دینا میں اپنا الگ مقام رکھتا ہے۔ یہاں کی موسیقی

ہندوستان میں اپنی الگ مقام و مرتبہ رکھتی ہے۔ اسی ریگستان کی سرزمین پر

کئی خوف سے بند صندوقیں بھی ہیں۔ کئی دل دہلا دینے والی آوازیں۔اور ۔ ذہین کو سند کرنے والی ادھوری خواہشات کی بو

چھوٹی سی سڑک پر بچے کرکٹ کھیل رہے تھے۔دوپہر کا وقت تھا اور سورج پورے جوش میں تھا اور بچوں کے جسم کے پانی کو خشک کر رہا تھا۔ بچے بار بار اپنا پسینہ پوچھ رہے تھے۔گلی کے آخر میں ایک سفید رنگ کا کتا انہیں دیکھا رہا تھا اور ساتھ اس کی گہری کالی آنکھیں بنا پلکیں جھپکے ایک آہٹ کو بڑی آسانی سے محسوس کر رہی تھی۔جہاں بچے کھیل رہے تھے ۔ اس کے 10 قدم آگے ایک زرد رنگ کا مکان تھا

بجلی کی تاروں میں بندھا تین منزلہ عمارت جس کا رقبہ کسی کرین کے ڈبے جتنا تھا۔اس کا مرکزی دروازہ نیچے والی منزل پر تھا سامنے روڑ کے عین

مقابل دروازہ کھلتا تھا اور دروازے سے لگ کر پتھر کی سیڑھیاں تھیں۔ دروازے پر ایک ہاتھ جتنا تالا تھا اور دیوار کے کونے پر ایک لائٹ کا میٹر دیوار کے اوپری حصے میں ایک ٹوٹا بلب تھا اور کونوں میں صرف مکڑی کے جالے اور کیڑے۔ دوسری منزل پر ایک بہت زیادہ پتلی بالکنی اور اس کے اوپر برباد خستہ پودے جن میں پھول نہ پھل نہ کلیاں نہ کچھ اور بس ایک بھورے رنگ کی لکڑی جس پر لال رنگ کا دھاگا لپیٹا گیا تھا۔اسی کونے میں بے کار سامان لوہا ایک لکڑی کی سیڑھی رکھی گئی تھی جس کی مدد سے اگلی منزل پر جا سکتے تھے۔ دیواریں وقت کے ساتھ بے رنگ ہو چکی تھی اس کی مٹی روز زرہ زرہ نیچے گرتی مگر اتنے سالوں میں کئی طوفان آئے کئی کے گھر زمین برابر ریت میں سما گئے مگر ایک طاقت نے اس گھر کو تھامے رکھا۔

سفید ساڑھی میں ایک عورت ہاتھ میں چھڑی لئے بھاگتی ہوئی بچوں کے پاس آئی۔ چھڑی لے کر اسنے اپنے بچے پر برسانا شروع کر دیا۔ "کتنی بار کہا ہے یہاں مت کھیلو" وہ اپنے بیٹے کو تقریباً کھینچتی ہوئی اپنے بچے کو واپس لے گئی اس بچے کے جانے کے بعد تمام بچے مایوس ہو کر اپنے اپنے گھر میں چلے گئے۔ وہ گلی اک بار پھر سنسان ہو گئی۔ پھر سے ہواؤں میں خوف بہنے لگا۔ ہوا ایک دم سے بے حرکت ہو گئی جیسے اسے کسی نے اپنی مٹھی میں قید کر لیا ہو۔ ایک سایہ اس روشنی میں نظر آیا ایک بڑا لمبا خوفناک. پیڑ پر بیٹھا پرندہ بے جان سا ہو کر زمین بوس ہو گیا اس کا خون آہستہ آہستہ مٹی میں تحلیل ہونے لگا مگر اس پرندے کا پر ہوا میں اڑ کر اس گھر کے اجڑے پورے پر جا کر بیٹھ گیا۔ ہوائیں ایک دم سے حرکت کرنے لگی۔

ایک چھوٹا سا مکان جو بچوں کے شور سے بھرا پڑا تھا اس چھوٹے سے مکان میں 7 لڑکیاں اپنے اپنے کام میں مشغول تھی۔ دو لڑکیاں آپس میں ایک دوسرے کے بال کھینچنے میں دو لڑکیاں ان دونوں کو الگ کرنے میں دو اپنے کام میں مصروف تھی اور ایک سب تماشا بڑے مزے سے دیکھ رہی تھی ہاتھ میں چپس لے کر جیسے اس کے سامنے ٹی وی شو چل رہا ہو۔" روشنی دی انہیں روکو" ایک لڑکی نے اپنی بڑی بہن کو آواز دی جو اسی کمرے میں موجود کچن میں روٹی بنا رہی تھی وہ ان سب سے بے نیاز بے فکر اپنے کام میں لگی رہی روٹی بناتے وقت اس کے بالوں کی سرخ لڑیاں بازو سے لٹک رہی تھی اس کے کان خالی تھے اس کے کانوں میں موجود سوراخ

بجھنے کے لئے تیار تھی۔اس کی سفید کلائیوں پر آٹا لگا ہوا تھا اور اس کے انگلیوں کے درمیان جلنے کا نشان۔ گلابی فراک میں ان دو لڑکیوں کو الگ کرتی مصباح تھک چکی تھی۔ تھک ہار کر وہ روشنی کے پاس آئی چلتے وقت اس کی پونی جھول رہی تھی اور اس کی آنکھیں کسی انفیکشن کی وجہ سے سرخ ہو گئی تھی۔ "دی کچھ کرو" اسنے اپنی کوئل جیسی آواز میں کہا۔روشنی نے سبزی بناتی سمیرا کو جانے کا اشارہ کیا۔ سمیرا کالے فراک پر سفید ادپٹا ڈالے سبزی میں نمک ڈالتے ہوئے بے بسی سے سانس لی۔ "ان سے کہو میں آؤں گی تو ان لوگوں کو بہت ماروں گی" سمیرہ نے مصباح کو کہا تو وہاں سے چلی گئی۔ مصباح نے طوطے کی طرح وہ جملہ دہرایا۔ سمبل اور سمیہ سمیرہ کی دھمکی سے ایک دوسرے سے الگ ہوئی اور لمبی لمبی سانسیں لینے لگی۔ سنبل جو کہ سانولی رنگت کی بچی تھی اور سمیہ بہت خوبصورت اور پیاری

بچی تھی جس کو سنبل سے لڑنا بہت پسند تھا وہ ہر بار اس کے سانولے ہونے پر سنا کر ہنس دیتی جس سے سنبل کا خون کھول اٹھتا۔

کچن میں کھانا بناتی روشنی اور سمیرہ نے پر سکون کی سانس لی۔اس چھوٹے سے گھر میں سوئی بھی گرتی تو زلزلہ کا احساس ہوتا پھر تو یہ شور تھا۔ تھوڑا ہی سکون بڑی مشکل سے ملا کرتا کبھی کبھی وہ اس گھر سے بھاگ جانا چاہتے تھے مگر سرحدوں نے انہیں کبھی حد پار کرنے نہیں دیا۔۔ سنبل اور سمیہ کو خاموش دیکھ کر صبور کے پیٹ میں کیڑے مکوڑے پیدا ہونے لگے۔ صبوران ساتوں میں سب سے زیادہ خوبصورت جس کی پلکیں لمبی اور گھنی اور آنکھیں مچھلی کی طرح اور اس کا چہرہ کسی ستارے کا حصہ اس کا رنگ سفید میدے جیسا اس کی کلائی میں ایک چھوٹا سا بریسلٹ تھا جس کو اس نے

بڑی ضد سے حاصل کیا تھا۔"اتنی جلدی ہمت ہار گئی تم دونوں" صبور نے بجھی آگ میں زور سے پٹرول چھڑکا۔ایک بار پھر سمیہ اور سنبل کی نظریں ملیں نظروں سے ایک دوسرے کو مارنے کے منصوبے بتائے۔ سنبل نے غصے سے اپنی مٹھی بھینچ لی۔"صبورا گر تو نے پھر سے آگ لگائی تو میں تجھے آگ میں پھینک دوں گی۔روشنی نے ان لوگوں کی طرف بڑھتے ہوئے بولی۔ صبور کو دو قدم پیچھے لینا پڑا کیوں کہ اگر روشنی نے کہا ہے کہ وہ آگ میں پھینک دے گی وہ کرے گی ضرور۔روشنی جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی بے رحم تھی اس نے بہنوں کو مارنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی روشنی اور سمیرہ نے کھانا لاکر سب کو دیا اور خود بھی ان کے ساتھ کھانے لگی۔"ممی کب آئیں گی" سبزی تو دیکھ کر منہ بناتے ہوئے رمشا نے کہا رمشا سب سے شانت اور اچھی تھی۔"کیوں" سمیرہ نے جھڑکنے والے

انداز میں کہا۔" یاد آرہی ہے" رمشا رو ہانسی ہو کر بولی اس پر اگر کوئی ہلکا سا بھی چلا دیتا تو وہ رونے لگتی اس کی طبعیت اکثر خراب رہتی وجہ تھی کہ اسے AIDS (AIDS ایک ایسی بیماری ہے جو چھونے سے یا جنسی تعلقات اور بیمار انسان کے استعمال شدہ چیزوں کو استعمال کرنے سے پھیلتی ہے اور اس میں مبتلا شخص کی ایمونٹی بہت کمزور ہوتی اور اس بیماری کا کوئی پکا علاج نہیں ہے) تھا۔ سمیرہ نے مزید کچھ کہنا چاہا مگر روشنی نے روک لیا ۔"آجائے گی آج" روشنی صرف رمشا کے معاملے میں نرم پڑ جاتی۔ رمشا کھانے پر دوبارہ متوجہ ہو گئی کھانے کے بعد سب بچے کھیلنے چلے گئے اور سمیرہ اور روشنی گھر کی صفائی میں لگ گئے۔

جیسلمیر سے تقریباً 1042 کلو میٹر یعنی اندازہ 12 گھنٹے کی دوری پر

موجودہ شہر رام پور-ایک تفریحی مقام جو کہ سیاہوں کے لئے ایک کشش

مقام ہے۔ جو شاہی دور کا ایک عظیم شہر مانا جاتا ہے جہاں محلوں نے اپنی

جگہ ابھی بھی قائم رکھی ہے۔ رام پور میں موجود ستیم سینیما کے پاس

موجود ایک الیکٹرانک کی دوکان پر بیٹھا ایک پر کشش جسامت اور شکل و

صورت ء کھڑی اور اونچی بلند ناک ءماتھے پر ڈھیر و بل ء پیشانی وسیع. وہ

راج کمار تھا شکل سے اور وراثت سے۔ بال بکھرے ہوئے اور کالے اور

سفید چیکس کی شرٹ پر لگے تیل کے داغ-انگلیوں کے بیچ کالی سیاہی اور

آنکھوں پر کالا چشمہ -''ریوان یہ ٹھیک تو ہو جائے گا نہ '' ایک اس کے ہم

عمر کا آدمی ریوان کے ہاتھ میں فین کو دیکھ کر فکر سے پوچھنے لگا۔ ریوان فین

کے بولٹ میں ایک قسم کا تیل ڈالتے ہوئے مسکرایا۔ "جی شرما صاحب" اسے اپنے کام پر بہت یقین تھا۔ "تو نہ ہوتا تو ہمارا کیا ہوتا" شرما صاحب نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا ریوان نے پنکھا ٹھیک کر ان کے ہاتھ میں دے دیا۔ رانا صاحب اس کو پیسے دے کر اپنے گھر چلے گئے۔ ریوان کی دوکان بڑی شاپ تھی جس میں الیکٹریکل کا ہر سامان موجود تھا ریوان نے اپنی مدد کے لئے دو ملازم رکھے تھے۔ جو کام کے ساتھ سیکھ بھی رہے تھے

۔

ریوان اپنا چشمہ نکال کر باہر ایک چائے کی دوکان سے 3 چائے منگوائی۔ تبھی اسکا فون بجا فون پر اپنی بیوی کا نام دشا دیکھ کر وہ بے اختیار مسکرایا۔ "کیا کر رہے ہیں آپ" فون اٹھاتے ہی دشا نے پوچھا۔ "تجھے یاد کر رہا ہوں

پگلی"ریوان نے راجستھانی لہجے میں کہا۔" سنیے کسی کے ہاتھ آلو بجھوا دیں بچے آلو کی سبزی کی ضد کر رہے ہیں"اس کی بات پر ریوان نے بیزاری سے سانس لی۔" تمنے کچھ اور نہ آوے کیا ہر ٹیم کھانا سونا"اس نے سختی اور سنجیدگی سے کہا-"میں کیا کروں آپ کے بچوں کی مانگ ہی پوری کر رہی ہوں"اسنے خفگی سے کہا۔"ہاں ہاں میرے ہی بچے ہیں رکھ بجھوادوں گا" اسکا سارا موڈ خراب ہو گیا تھا اس نے اپنے ملازم کو کہہ کر اپنے گھر آلو بجھوا دیئے۔چائے پینے کے بعد وہ واپس کام پر لگ گیا۔ایک تو بیویاں ماں بننے کے بعد شوہر کو کیسے بھول جاتی ہیں۔

تقریباً 9 بجے وہ گھر آیا تھکا ہارا اسکا گھر ایک قدیم زمانے کی عمارت تھی وہ اپنے ساس سسر کے برابر ان ہی کے گھر میں کرائے سے رہا کرتا تھا۔اس

گھر کی دیواریں سفید اور اس پر رنگ برنگی پھول بنائے گئے تھے دروازے کے سامنے رنگولی بنائی گئی تھی اور دروازے پر دیوی کی تصویر- مرکزی دروازہ کھلنے پر ہال میں ریوان کے دو بچے دونوں بیٹے ہی تھے باپ کی آہٹ سن کر پڑھنے بیٹھ گئے تھے۔ گھر میں کوئی صوفہ نہیں تھا ہال کے کونے میں ایک ٹیبل اور اس پر سونے کے لئے بچھانا اور اوڑھنے کے لئے رکھا گیا تھا۔ ہال کی دائیں طرف کچن تھا۔ قدیم زمانے کی طرح گیس نیچے رکھا گیا تھا اور اس کے اعطراف مٹی کے اور پتھر کے شیلف بنائے گئے تھے اور زیادہ تر سامان مٹی کے تھے کچن کے کونے میں ایک فرتج- دشا چائے گیس پر پکنے کے لئے رکھ کر پانی کا گلاس لے کر ہال میں آئی۔ ریوان اپنے بچوں کے پاس دیوار سے ٹیک لگائے ان دونوں کا سبق سن رہا تھا۔

"یہ لو پانی" دشا اپنا گھونگھٹ اوپر کرتے ہوئے بولی-ریوان نے گردن اوپر کر کے اپنی بیوی کو دیکھا وہ سفید چادر سی رنگت آنکھوں میں کاجل اور سکون کا جام_ایسی آنکھیں جو شاعروں کو دنگ کر دے اور ہونٹوں پر لالی اور ان کے پاس ایک قاتل تل اور گلے میں منگل سوتر وہ راجستھانی لباس میں سر پر گھونگھٹ رکھے حیا کے دامن میں لپٹے اس کی طرف پانی بڑھا رہی تھی ریوان کی دن بھر کی تھکن پل میں غائب ہو گئی وہ بے اختیار مسکرایا۔اس نے پانی کے ساتھ اسکا ہاتھ پکڑ کر اپنے پاس بٹھا لیا۔"کیا کر رہے ہو بچے ہیں یہاں" اس نے اپنا ہاتھ کھینچتے ہوئے بولا۔ریوان نے بچوں کو دیکھا جو گردن جھکائے پڑ رہے تھے۔"نہ دیکھ رہے تو بیٹھ" وہ دشا کی گود میں سر رکھ کر لیٹ گیا دشا آہستہ آہستہ اس کے بال سہلانے لگی۔"کھانے کے بعد میں آپ کے سر میں مالش کروں گی" ریوان کے سوکھے بالوں کو

محسوس کرتے ہوئے کہا۔ "ہمم" ریوان نے بس اتنا کہا اور خاموش ہو گیا۔

بچوں نے اپنا ہوم ورک ختم کیا اور اپنے ماں باپ کی طرف متوجہ ہوئے۔

ان کا بڑا بیٹا روی جو کہ 8 سال کا تھا اور چھوٹا بیٹا کشن 4 سال کا۔ "ممی ہو گیا

" کشن نے اپنے ہونٹ چباتے ہوئے بولا- "جاؤ کھانا لگاؤ" ریوان نے آنکھ

بند کیئے ہوئے کہا- "جی پاپا" ریوان کی ایک بات پر وہ دونوں کچن میں چلے

گئے۔ ریوان نے اپنی آنکھیں کھولی۔ اور دشا کے مقابل بیٹھ گیا۔

"کل روی کے اسکول والوں نے بلایا ہے کوئی میٹنگ ہے"

"میں آجاؤں گا تو اور میں ساتھ چلیں گے" ریوان نے مدمم آواز میں کہا

اور اس کے ہاتھوں کو باری باری چومنے لگا۔ "تو میری جان ہے رے"

ریوان دن میں ایک بار تو یہ جملہ کہتا۔ جیسے کسی گناہ کی تلافی کر رہا ہو۔ دشا کو

وہ جب جب دیکھتا وہ خود کی نظروں میں گر جاتا۔ دشا اس کے ہر حکم کو مانتی

اس کی بہت عزت کرتی تھی اس بات سے بے خبر کہ اس کا پتی اس عزت اور محبت کے قابل نہیں ہے۔روی نے بلند آواز میں دونوں کو آواز دی تو دونوں کے نظروں کا تبادلہ ٹوٹا۔ریوان فریش ہونے چلا گیا۔اور دشا کچن میں چلی گئی۔بچوں نے سارا دستر خوان تیار رکھا تھا اور چائے کا کیس بھی بند کر دیا تھا دشا نے باری باری اپنے دونوں بچوں کے بالوں کو چوما "خوش رہو" اس نے ممتا سے ان دونوں کو دعائیں دی۔ریوان اپنی چھوٹی سی فیملی کے ساتھ کھانا کھانے لگا۔روی اور کشن دو ہونہار اور سلجھے ہوئے بچے تھے جو اپنے ماں باپ کی بات ایک پل میں مان لیتے۔دشا نے اپنے بچوں کی پرورش بہت اچھے سے کی تھی۔دشا اپنے بچوں کو کرشنا جیسا بنانا چاہتی تھی جس کی شروعات اس نے بچپن میں ہی کر دی تھی۔سچ کہتے ہیں ماں کی گود ہی بچے کی پہلی درس گاہ ہوتی ہے۔

رامپور، راجستھان کی ایک سنہری صبح تھی۔ سورج مشرق سے اپنی کرنیں بکھیر رہا تھا، اور اس کی روشنی ریت کے ذروں پر پڑتے ہی وہ سونے کی مانند چمکنے لگے۔ ہوا میں ہلکی سی گرمی تھی، مگر صبح کے وقت کی تازگی ابھی باقی تھی۔

گھروں کے آنگن میں پرانے کنوؤں سے پانی نکالنے کی آوازیں آ رہی تھیں۔ عورتیں رنگین گھاگھرا چولی پہنے، اپنے سروں پر مٹی کے گھڑے رکھے پانی بھرنے جا رہی تھیں۔ مرد اپنی لمبی پگڑیاں باندھے، اونٹ گاڑیاں تیار کر رہے تھے تاکہ بازار جا کر اپنا سامان بیچ سکیں۔

کسی دور گلی میں راجستھانی لوک گیت کی مدھم لے سنائی دے رہی تھی۔ بوڑھی عمریں چھتوں پر بیٹھے، صبح کی چائے کے ساتھ باتوں میں مصروف تھیں، جبکہ بچے ننگے پاؤں گلیوں میں کھیلتے پھر رہے تھے۔

مندر کی گھنٹیوں کی آواز ہوا میں گھل گئی، اور کچھ فاصلے پر ایک فقیر اپنی بانسری بجاتا نظر آیا۔ ایک طرف صدیوں پرانے حویلیوں کے بڑے دروازے سورج کی روشنی میں اور بھی شاندار لگ رہے تھے، ان کی جالی دار کھڑکیوں سے اندر کا نیم تاریک ماحول جھلک رہا تھا۔

یہ رمپور تھا——جہاں وقت اپنی مخصوص رفتار سے چلتا تھا، جہاں دن کی چمک دمک اور رات کی خاموشی میں ایک ان کہی داستان چھپی تھی۔

روز کی طرح ریوان اپنے دوکان پر کام میں مصروف تھا تب اسکا جیب میں رکھا فون تھر تھر آیا۔اس نے جیب سے نکال کر فون دیکھا تو اس پر اس کی ماں کا کال تھی۔۔ پچھلے دو سال میں پہلی بار اس کی ماں نے کال کیا تھا اس کے لیے باعث فکر تھا اس نے اپنے ماتھے کا پسینہ پونچھتے ہوئے کال ریسیو کی ۔کال ریسیو ہوتے ہی دوسری طرف رونے کی آوازیں آنے لگی ریوان کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔ذہن کی گلیوں میں خوف اترنے لگا۔اس نے اپنی بے ترتیب ہوتی سانسوں کو سنبھالنے کی ناممکن کوشش کی۔دور دراز کام کرتے ہوئے اس کے ملازم نے اسے پانی تھمایا۔وہ پانی کا گلاس ٹیبل پر واپس رکھ کر ایک بار پھر ہیلو بولنے کی کوشش کی۔دوسری طرف اس کی ماں ہچکیوں کے ساتھ رو رہی تھی۔"ماں جی سب ٹھیک ہے نا"اس نے

اپنے دل کو مٹھی میں قید کر کے کہا دوسری طرف سسکیاں کم ہونے لگی
۔"تمہارا باپ اب اس دنیا میں نہیں رہا" اس کی ماں کے جملے نے ریوان
کے سر پر سانسوں آسمان گرادیے۔اس کی ٹانگیں یکا ایک بے جان ہونے
لگی وہ کرسی پر بیٹھ کر ایک ساتھ ایک سانس میں پورا پانی پی گیا ایسے کہ جیسے
اگر وہ پانی نہ اتارتا اپنی حلق میں تو اس کی سانسیں آنا جانا بند کر دیتی۔"تو
جلدی آجا تیرے باپ کا انتم سنسکار کرنا ہے".

جس باپ کے کہنے پر وہ سب کچھ چھوڑ کر یہاں آیا تھا اس نے مرنے کے
بعد ہی اسے بلانا ضروری سمجھا کیا اتنا جلدی رشتے ختم ہو جاتے ہیں کیا اتنا
جلدی خون پانی کے برابر ہو جاتا ہے۔جب تک اس کے بابا زندہ تھے تب
تک اس نے ان کی کوئی بات نہیں مانی تھی جب وہ ماننا چاہتا تھا تو اس کے

باپ نے اس کی انگلی چھوڑ دی اب وہ اس باپ کی انگلی کے سہارے جیتا رہا اب جب اصل میں اس کا سہارا اٹھ گیا تو وہ بے بس ہو چکا تھا۔ "میں آ رہا ہوں ماں جی" اس نے بمشکل کہا اور فون رکھ دیا اس کے لیے ہر لمحہ ہر پل دشوار ہو رہا تھا جیسے ابھی وہ مرنے والا ہو اس کی آنکھوں کے سامنے اس کا پورا بچپن گھومنے لگا اس کا باپ کا ساتھ اس کے باپ کا سایہ اس کے باپ کا ہاتھ اس کا باپ کا چہرہ ل آخری بار اس کی لڑائی اپنے باپ سے ہوئی تھی تو وہ سب چھوڑ کر اپنے باپ سے رشتہ توڑ کر وہاں آیا تھا۔ اس نے اپنے بائیک کی چابی لی اور گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

جب وہ گھر پہنچا تو اس کی بیوی گھر کے صحن میں چاول صاف کر رہی تھی ۔ اس نے ریوان کے آنے پر بے یقینی سے دیکھا کیونکہ یہ اس کے آنے کا

وقت نہیں تھا۔ ریوان جلدی جلدی اندر گیا اور اپنے کپڑے پیک کرنے لگا ۔اس کے پیچھے اس کی بیوی آئی- "کیا ہوا ہم کہاں جا رہے ہیں" دشا نے پریشانی سے پوچھا۔ ریوان نے ایک نظر دشا کو دیکھا اور اس سے کہا کہ "تم جلدی پیکنگ کرو میں بچوں کو اسکول سے لاتا ہوں ہم ابھی کے ابھی جیسلمیر جا رہے ہیں۔" وہ وجہ بتائے بغیر گھر سے سکول کے لیے روانہ ہو گیا۔ دشا کپڑے اور ضروری سامان پیک کرنا سٹارٹ کیے۔

ریوان اپنے بیوی بچوں کے ساتھ ٹرین میں بیٹھا اپنے باپ کے بارے میں سوچنے لگا اس کے بچے بار بار اس کی بیوی سے پوچھ رہے تھے کہ وہ کہاں جا رہے ہیں۔ دشا نے بچوں کو چپ رہنے کا اشارہ کیا تو وہ دونوں چپ ہو گئے۔ ریوان کھڑکی سے لگ کر ماضی کے پنوں میں کھو گیا اس کی ایک

غلطی نے اس کی ساری دنیا اجاڑ دی تھی کچھ غلطیاں غلطیاں نہیں رہتی وقت کے ساتھ ساتھ وہ گناہ بن جاتی ہیں اور ہر وقت ہمیں ستاتی ہیں اور یہ احساس دلاتی ہے کہ ہم نے کیا کیا ہے اور کیا کھویا ہے اور کیا ہونے والا ہے

۔

وہ لمحے جو کبھی خوشیوں سے بھرے ہوئے تھے،اب صرف ایک تلخ یاد بن کر دل کے کسی کونے میں دبے ہوئے ہیں۔وہ قہقہے جو کبھی فضا میں گونجتے تھے،اب صرف خاموشی میں ڈوب چکے ہیں۔زندگی کا وہ موڑ جہاں سب کچھ مکمل لگتا تھا،در حقیقت وہیں سے بکھرنے کا آغاز ہوا تھا۔

وقت کا پہیہ آگے بڑھتا رہا، مگر کچھ زخم ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ مدھم ہونے کے بجائے اور گہرے ہو جاتے ہیں۔ کچھ وعدے جو کبھی سچ لگتے تھے، وہ دھوئیں کی مانند ہوا میں تحلیل ہو گئے۔ کچھ راستے جو ساتھ چلنے کے لیے چُنے گئے تھے، وہی ایک دن تنہائی کی طرف لے گئے۔

یہ دکھ، یہ پچھتاوے، یہ ادھورے خواب... سب کچھ اندر کہیں دفن ہے، مگر کبھی کبھی یہ یادیں شام کے سائے کی طرح پھیل جاتی ہیں، اندھیرے کی طرح چاروں طرف چھا جاتی ہیں۔ شاید کچھ درد ایسے ہوتے ہیں جو وقت کے ساتھ ختم نہیں ہوتے، بس انسان ان کے ساتھ جینا سیکھ لیتا ہے۔

گلی کے ایک کنارے پر پرانی اینٹوں کو جوڑ کر عارضی وکٹ بنائی گئی تھی۔ بچے جوش و خروش سے گلی کرکٹ میں مگن تھے۔ کسی کے ہاتھ میں پرانا بلا تھا، تو کوئی ٹیپ بال کو زور سے اچھالنے کے لیے تیار کھڑا تھا۔ جیسے ہی گیند باؤلر کے ہاتھ سے نکلی، بلے باز نے پورے زور سے شاٹ مارا، اور گیند سیدھی پڑوسی کے صحن میں جا گری۔

"اوئے! پھر گیند باہر پھینک دی!" ایک بچہ چیخا، جبکہ باقی سب ہنسی میں ڈوب گئے۔

ایک لڑکا دوڑ کر گیند لینے گیا، اور باقی سب اگلی گیند کا انتظار کرنے لگے۔ کچھ بچے جو بیٹنگ کے انتظار میں تھے، وہ دیوار کے سائے میں بیٹھ کر تبصرے کر رہے تھے، "آج تو یہ چھکا مار کر ہی دم لے گا!"

ان کی ماؤں نے انہیں ہزار بار منع کیا تھا لیکن باوجود اس کے وہ ہمیشہ یہاں آیا کرتے تھے کیونکہ یہ باقی جگہوں کے مقابل بالکل خالی اور ان کے کھیلنے کے لائق تھی۔ دو بچے اس ویران گھر کے سیڑھیوں پر بیٹھ کر چپس کھا رہے تھے اور باقی بچے بال سے کھیل رہے تھے۔ ان دو بچوں کے درمیان صرف ایک چپس کی پیکٹ تھی اور وہ دونوں بار بار لڑ رہے تھے۔ اس گھر

کے دیوار کے اس پار کسی کی ہنسنے کی آہستہ آہستہ اواز آنے لگی۔ وہ ہنسی کسی چھوٹی بچی کی تھی جیسے وہ چاہتی ہو کہ وہ دونوں اور لڑیں بچوں کے کانوں میں وہ پہ ہنسی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ کسی بچے نے بال کو زور سے کسی کے چھت پر پھینک دیا تو وہ دونوں اس طرف متوجہ ہو گئے اور دوسری پل جب ان کی نظر چپس کے پیکٹ پر پڑی تو وہ آدھا خالی ہو گیا تھا ایک بچے نے دوسرے بچے کو تیکھی نظروں سے دیکھا اور یہ سمجھا کہ وہ چپس اس نے کھائے ہیں اور دوسرے نے بھی سیم سمجھا۔ وہ دونوں چپس کا پیکٹ چھوڑ کر ایک دوسرے کا کالر پکڑ کر لڑنے لگے وہ دونوں ایک دوسرے کے چہرے پر مکے بازی کرنے لگے دوسری طرف دیوار کے اس پر ہنسنے کی آواز زور سے آنے لگی۔

۔ چپس کا پیکٹ دھیرے دھیرے ہوا میں اڑنے لگا چونکہ وہ بچے لڑنے میں اتنے مصروف تھے کہ وہ منظر دیکھ نہیں پائے چپس کے پیکٹ سے ایک ایک چپس کا ٹکڑا غائب ہونے لگا دھیرے دھیرے سارا چپس کا پیکٹ خالی ہو گیا اور وہ نیچے گر گیا۔ جب لڑائی حد سے زیادہ بڑھنے لگی تو بچوں نے انہیں الگ کیا اس لڑائی کے شور سے اس گھر سے تھوڑی دور موجود لوگ وہاں گئے اور ان دونوں کو غصہ کر کے ان کے گھر بھیج دیئے۔ وہ گلی ایک بار پھر سنسان ہو گئی اس گلی کے اوپر منزل پر موجود پودا ہلکی ہوا پر حرکت کرنے لگا اس سے لگا باندھا گیا دھاگا تھوڑا ڈھیلا پڑا۔ دروازے کے اس پار کسی کے چلنے کی آہٹ ہوئی اور پائل کی دھیمی اواز اس انسان سڑک پر گونجنے لگی۔

ان سات لڑکیوں کی ماں واپس آگئی تھی۔ان کے گھر میں آج بلا کا شور تھا۔ اس کی ماں ایک 40 سال کی اٹھی کٹھی عورت تھی جس کا دبدبہ پورے محلے میں تھا۔گھر میں وہ اپنے 7 بیٹیوں کے درمیان بیٹھی ان سب کو ان کے تحفے دے رہی تھی تحفے میں صرف کپڑے ہی تھے۔"کیسا لگا" رمشاہ کے علاوہ سبھی لڑکیوں کا منہ اداس ہو چکا تھا کیونکہ وہ کپڑے کاٹن کے نارمل لباس تھی جن میں نہ کوئی کاریگری تھی نہ کوئی چمک دھمک۔"بہت اچھے ہیں" رمشاہ پرجوش ہو کر اپنی ماں کے گلے لگ کر بولی۔روشنی نے بیزاری سے ان کپڑوں کو اپنی ماں کو واپس دے دیا اور اس کے ساتھ ساتھ باقی بہنوں نے بھی یہی عمل دہرایا۔رمشا کہہ رہے گا باقی چھ مہینے اوپر چلی

گئی۔ خوشی کا چہرہ ایک دم مرجھا گیا اس کے دل کو کچھ چبھا۔ اس کی باقی بیٹیاں اس کا درد کبھی سمجھ نہیں پائیں گے۔ خوشی نے اپنی خواہشوں کو دل کے ایک کونے میں قید کر رکھا تھا اور اس کی بیٹیاں ان خواہشوں کو بار بار زندہ کرنا چاہتی تھی اور کھل کر اپنی زندگی جینا چاہتی تھی مگر زندگی نہیں یہ موقع نہیں دے رہی تھی حالانکہ ان کی مالی حالات درست تھے اور وہ ہر خواہش پورے کرنے کے قابل بھی تھے مگر کوئی ایک چیز انہیں روک رہی تھی بہت ہی زیادہ کی خواہش۔ خوشی کا ماننا تھا وہ ایک ساتھ اپنی ساری خواہشیں پوری کریں گی پہلے بہت ساری آمدنی جمائیں گے اور اپنی خواہشات کو پورا کریں گے۔ مگر اس کی بیٹیوں کا ماننا تھا کہ جب موقع ہے تو خواہش پورا نہ کرنے کا کیا فائدہ ہو سکتا ہے کہ جب موقع ہو تو پیسے نہ ہو اسی لیے جب پیسے ہوں تب ہی خواہشات پوری ہوں۔ خوشی کی کئی بری

عادتوں میں ایک بری عادت تھی جمع کرنے کی پھر وہ چاہے پیسہ ہو یا پھر احساس یا جذبات۔

خوشی ایک خود پسند خود پرست انسان تھی جو کہ نہایت غیر معدب تھی اس کے محلے والے اس سے ہمیشہ پریشان رہتے۔اس کو لگتا تھا کہ یہ ساری دنیا اس کی وراثت ہے اور وہ اس کی حکومت کر رہی ہے وہ ہر چیز میں زبردستی گھسڑ تھی اور ہر چیز کو اپنی ملکیت سمجھتی۔اس کے جھگڑالوں مزاج سے ہر کوئی اس سے بات کرنے سے کتراتا تھا۔اس کی زبان میں صرف زہر تھا جو لوگوں پر اگلا کرتے تھے چاہے وہ اپنے ہوں یا پرائے ہوں۔اس کا شوہر باہر ملک میں اپنی تمام عمر خرچ کر چکا تھا اور اب بڑھاپے میں آکر بھی صرف اپنی بیوی اور بچوں کے لیے خوار ہو رہا تھا۔اس نے کئی مرتبہ جیسلمیر میں

ہی کاروبار کرنے کی کوشش کی مگر خوشی کے بڑے بڑے خواب اور خواہشات نے اسے وہاں ٹکنے نہیں دیا وہ ہر دو سال بعد اپنے گھر آتا اور کچھ دنوں کے لیے رہ کر واپس چلا جاتا اور روشنی کو ان سب کی عادت پڑ چکی تھی اب وہ اگر کچھ اور زیادہ دن وہاں رہتا تو وہ بیزار ہو جاتی۔

روشنی اوپر کمرے میں بیٹھی کوئی کتاب پڑھ رہی تھی تبھی اس کے کانوں میں کسی پرکشش انسان کی آواز پڑی اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہونے لگی۔ یہ آواز اسے پوری دنیا کی سب سے خوبصورت اواز لگتی ہے جسے وہ تاعمر سن سکتی تھی۔ وہ کتاب بیڈ پر پھینک کر باہر گیلری میں آکر ٹھہر گئی اور اس انسان کے دیدار کی حسرت لیے انتظار کرنے لگی مگر وہ شخص گلی کے اس پار اپنے دوست سے گفتگو میں مصروف تھا۔ اس کی باتوں سے لگ

رہا تھا کہ وہ کہیں گھومنے جانے والا ہے اور وہ اپنے دوست کو بار بار آنے کے لیے منا رہا ہے۔ گلی کے اس بار کھڑا شخص اپنی گفتگو کو ختم کر کے روشنی کے گھر کی جانب بڑھا۔ وہ سرمئی رنگ کے شرٹ اور پینٹ میں ملبوس بالوں کو ایک طرح سے سیٹ کیے ہوئے گردن جھکائے چل رہا تھا ۔روشنی کی نظر جب اس پر پڑی تو اس کی آنکھیں کسی زہرہ کے ستارے کی مانند چمکنے لگی۔ روشنی نے اس شخص کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لیے اپنے ہاتھ میں موجود چوڑیوں کو حرکت دی جس کی وجہ سے دوسرے ہی پل وہ شخص رک کر گردن اٹھا کر اوپر دیکھنے لگا۔ اس شخص کی نظر جب روشنی سے ملی تو ریگستان کے ہوائیں ایک دم سے پر سکون ہو گئی ریگستان میں گھومنے والے اونٹوں کے پیروں میں اچانک بریک لگ گیا اور روشنی کو اپنے اعتراف گردش کرنے والے دنیا ساکت لگنے لگی۔ نیچے کھڑا وہ

پر کشش شخص روشنی کی خوبصورتی سے دھنگ رہ گیا تھا روشنی کی وہ لمبی لمبی پلکیں اور گوری رنگت کسی کو بھی اس کا عاشق بنا سکتی تھی۔اس شخص کا بھی کچھ اس طرح حال تھا کہ اسے اپنا وجود ڈھلتا ہوا محسوس ہوا حالانکہ یہ پہلی بار نہیں تھا جب بھی ان دونوں کی نظریں ملتی ساری دنیا ہی یہ منظر دیکھ کر تھم جاتی کیونکہ جب دو پر کشش سیارے ٹکراتے ہیں تو زلزلے برپا ہوتے ہیں۔

وہ شخص ہلکا سا مسکرایا تو روشنی کے دل نے دھڑکنا بند کر دیا- گلی میں کچھ بچوں کی آمد ہوئی تو اس شخص کو اپنی نظروں کا تبادلہ روکنا پڑا اور آگے بڑھنا پڑا۔اس کے جانے کے بعد روشنی نے دل ہی دل میں ان کھیلتے بچوں کو بہت کوسا اور کئی دیر تک اسی جگہ کھڑی رہی جیسے وہ شخص ابھی بھی وہاں

ہوں۔کچھ دیر بعد جب سمیرا نے اسے پیچھے سے آواز دی تو وہ اندر چلی گئی ۔اندر آنے کے بعد سمیر نے اس کی حالت کا جائزہ لیتے ہوئے مسکرائی وہ روشنی کے دل کا حال جانتی تھی اور اسے یہ خبر تھی کہ وہ باہر کیوں گئی تھی۔"کیا وہ آیا تھا"اس کے سوال پر روشنی نے شرما کر اپنا سر اسبات میں ہلایا سمیرا نے آہستہ سے اسے اپنے پاس بلایا اور اپنے جذباتوں پر قابو پانے کی صلاح دی مگر روشنی نے اس کے جواب میں اس سے لڑائی کرلی اور کہا کہ "یہ میری زندگی ہے اور میں اس میں ایسے ہی رہنا پسند کرتی ہوں وہ شخص میرے لیے بہت اہم ہے یا یوں کہوں کہ وہ شخص میری زندگی ہے اس کے بنا مجھے اپنی ساری زندگی ادھوری لگتی ہے اسے پانا میرا واحد مقصد ہے۔"

خوشی کی سرد مہری دیکھ کر سمیرا کو کچھ دیر کے لیے خاموش رہنا پڑا۔ کچھ دیر تک وہ اپنے ذہن میں صحیح جملوں کی تلاش کرتی رہی جس سے نہ تو روشنی کو تکلیف پہنچے اور نہ ہی ان دونوں کے بیچ کوئی لڑائی ہو۔ بہت دیر بعد اس نے اپنا حلق صاف کرتے ہوئے کہا- "جو بھی ہو میں تمہارے ساتھ ہوں صحیح غلط کی پہچان تمہیں مجھ سے زیادہ ہے تم جو بھی کرو گی وہ تو سمجھ کر کرو گی مجھے تم پر پورا یقین ہے "اس کی بات سن کر کتاب پڑھتی ہوئی روشنی میں سمجھنے والے انداز میں سر ہلایا۔

عشاء کی اذان پر خوشی جگ میں پانی لے کر باہر سیڑھیوں پر آگئی اور وضو کرنے لگی اس سے بے خبر کہ اس کے سامنے کئی مرد حضرات نماز کو جا رہے ہیں اور ان کے پیروں پر اس وضو کا پانی گر رہا ہے۔ کئی مردوں نے

اسے نظر اٹھا کر ترش نظروں سے دیکھا مگر مجال ہے وہ کچھ کہتے۔ اگر وہ کچھ کہتے تو نماز کی جگہ جہاد ہو جاتا اور وہ اپنے محلے میں سکون کو قائم رکھنا چاہتے تھے۔ ان سارے مردوں کا ماننا تھا کہ اگر وہ اس سے لڑ لیں گے تو یہ ان کے ادب واخلاق کے خلاف ہے کیونکہ وہ ایک کیچڑ کی مانند ہے جس میں نقصان پتھر مارنے والے کا ہوتا ہے۔ وضو کرنے کے بعد خوشی اندر چلی گئی

۔

کمرے میں مدھم روشنی پھیلی ہوئی تھی۔ جائے نماز پر ایک عورت کھڑی تھی، اس کے ہونٹ آہستہ آہستہ حرکت کر رہے تھے، مگر اس کا دل کہیں اور بھٹک رہا تھا۔ وہ عشاء کی نماز پڑھ رہی تھی، مگر ہر رکعت کے ساتھ اس کے خیالات دنیا کے جھمیلوں میں الجھ رہے تھے۔

"کل جو زیور دیکھی تھی، وہ واقعی بہت خوبصورت تھا... شاید خرید لینا چاہیے؟" اس نے قیام میں آیتیں پڑھتے ہوئے سوچا۔

رکوع میں جھکتے ہی اس کے ذہن میں وہ بڑی کوٹھی آگئی جسے دیکھ کر وہ صبح سے خواب بُن رہی تھی۔ "کاش وہ گھر ہمارا ہوتا... بس تھوڑی اور دولت آ جائے تو سب بدل سکتا ہے!"

سجدے میں گئی تو دعا کے بجائے ذہن میں حساب کتاب چلنے لگا۔ "اگر میں اپنا کاروبار شروع کر لوں تو بہت فائدہ ہو گا... پھر لوگ میری عزت کریں گے، پھر کسی کے آگے ہاتھ نہیں پھیلانا پڑے گا۔"

نماز کا ہر رکن تو ادا ہو رہا تھا، مگر عبادت میں وہ یکسوئی نہ تھی جو ہونی چاہیے تھی۔ سلام پھیرتے ہی اس نے تیزی سے ہاتھ اٹھائے، مگر دعا بھی دنیاوی خواہشات سے بھری ہوئی تھی۔

"اللہ! مجھے زیادہ دولت دے، عزت دے، میری خواہشیں پوری کر دے..."

اس کے دل میں دنیا کے خواب جگمگا رہے تھے، مگر حقیقت میں وہ اپنی آخرت کو اندھیرے میں دھکیل رہی تھی۔

رام پور سے نکلی ٹرین اب جیسلمیر میں داخل ہو رہی تھی رات کا اندھیرا ساری ٹرین میں چھایا ہوا تھا اور تمام لوگ سو چکے تھے۔ کئی نوجوان کان سے ہیڈ فون لگایا ہے فون میں مصروف تھے تو کئی بوڑھی عورتیں ٹرین کی فرش پر چادر اوڑھے خراٹے لے رہی تھی جس سے پریشان لوگ اپنے کان میں روئی ڈال رہے تھے۔ ریل گاڑی کے اس ڈبے کے دروازے میں چائے والا آنکھیں بند کر کے لمبی لمبی سانسیں لے رہا تھا۔ ریوان کھڑکی میں سر دیے نیند کی آغوش میں تھا۔ ریوان نے اچانک اپنی آنکھیں کھولی کیونکہ

اسے اپنے چہرے پر کسی نرم چیز کے چھونے کا احساس ہوا۔ اس نے آس پاس نظر دوڑائی تو وہاں کوئی نہیں تھا۔ اس کے بچے اور بیوی بھی پر سکون سو رہے تھے۔ ٹرین ایک سنسان سٹیشن پر رکی۔ ریوان نے باہر دیکھا تو بورڈ پر کل دھرا لکھا ہوا تھا۔ جس کے متعلق یہ مانا جاتا ہے کہ اس گاؤں کو ایک رات میں خالی کیا گیا تھا۔ ریوان اپنی سیٹ سے اٹھ کر دروازے کے پاس آیا۔ دروازے کے پاس چائے والا دروازہ بند کر کے سویا ہوا تھا۔ اس نے اس دروازے کے مقابل کا دروازہ کھولا اور باہر قدم رکھا اس کے قدم رکھتے ہیں وہاں کی ہواؤں میں حرکت شروع ہو گئی جواب تک نہ ہونے کے برابر تھی۔ اس سٹیشن پر کوئی دکان نہیں تھی اور نہ کوئی لوگ۔

اسٹیشن کے کونے میں موجود پولیس اسٹیشن بھی بند تھا اور پولیس اندر سو رہا تھا اس کے سوا اس پورے علاقے میں کوئی نہیں تھا۔ وہ اپنی آنکھیں رگڑتا ہوا پانی کے نل تک آیا۔ وہ نل چالو کرنے کے لیے اپنے ہاتھ بڑھانے والا تھا مگر اس سے پہلے اس کے پیچھے سے ایک سایہ گزرا جس کی خوشبو انسانوں والی تھی اور یہ خوشبو سے وہ شاید واقف تھا۔ یہ خوشبو اس کے ذہن میں ہے سالوں پہلے قید ہو چکی تھی وہ چاہے دنیا بھر کی خوشبو کو محسوس کر لے مگر یہ خوشبو سب سے مختلف اور منفرد تھی۔ اس کی آنکھوں میں نیند ایک دم سے غائب ہو گئی اس نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں کوئی نہیں تھا اسے لگا کہ اسے نیند میں وہم ہوا ہے۔ اس نے گہری سانس لے کر نل چالو کیا تو نل سے سرخ پانی نکلنے لگا جس کو دیکھ کر ریوان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی ۔ اسٹیشن پر ایک عجیب سی آواز آئی شاید کئی جانوروں کی ایک ساتھ رونے

کی اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی تو وہاں پرندے کا بچہ تک نہیں تھا اس نے واپس مڑ کر نل کو دیکھا تو اس سے صاف شفا پانی نکل رہا تھا اس کی بے ترتیب چل رہی دھڑکن کو ایک دم سے حیرانی ہوئی اسے یہ یقین نہیں آرہا تھا کہ صرف پانچ منٹ کے وقفے میں اسے دو بار غلط فہمی یا وہم ہو سکتا ہے ۔ایک دم سے آوازیں آنا بند ہو گئی۔اس نے فوراً نل بند کر دیا۔اور اپنا سر کھجانے لگا وہ مسلسل اپنے بالوں کو نوچ رہا تھا تبھی اس کے کانوں میں ایک سریلی اور جانی پہچانی آواز پڑی کوئی اس کا نام لے کر آہستہ آہستہ بلا رہا تھا اس آواز میں درد وہ انتظار تھا۔جیسے کوئی بہت سالوں سے اس کا انتظار کر رہا ہو۔

اس نے اپنے گلے میں پڑے لاکٹ کو چھوا۔اس لاکٹ پر اس کی بیوی کا نام تھا اس کے کانوں میں پڑتی آواز ایک دم سے ڈراونی ہونے لگی اس سے پہلے کہ روان کا دل اس کے حلق میں آجاتا وہ ٹرین کے اندر بھاگ کر آگیا اور دروازہ بند کر لیا۔اس کے اندر قدم رکھتے ہی ٹرین چلنا شروع ہو گئی اس نے کھڑکی سے دیکھا اس نل سے ایک بار پھر سرخ پانی نکل رہا تھا اور دوسرے ہی لمحے جب اس نے پلک جھپکا کر وہاں دیکھا تو نل بند تھا اس نے فوراً وہاں سے اپنی جگہ جانے کا فیصلہ کیا۔جب وہ واپس اپنی سیٹ پر آیا تو اس کی بیوی بچے بڑے پر سکون سو رہے تھے۔ریوان اپنی بیوی کے بغل میں جا کر بیٹھ گیا اور اس کو اپنے سینے سے لگا کر اس کے بال چومنے لگا ایک بار پھر اسے اپنے گناہ کی یاد آئی۔دشا اس کے گرماہٹ سے اس کے مزید قریب ہو گئی۔وہ دشا کو سینے سے لگائے اس کی خوشبو محسوس کرنے لگا تب اسے اپنا

خوف غائب ہوتا محسوس ہوا ایک سکون کی لہر اس کے دل میں اٹھی اس نے اپنی آنکھیں بند کر لی اب جیسلمیر صرف 17 کلو میٹر دور تھا تو وہ سونا نہیں چاہتا تھا۔ اس کے فون پر ایک میسج آیا کہ اس کے بھائی اسٹیشن پر پہلے ہی منتظر ہیں اور وہ کوئی فکر نہ کریں۔

صبح کے 5 بج رہے تھے، جیسلمیر ریلوے اسٹیشن پر ہلکی سی خنکی تھی۔ رات کی تاریکی آہستہ آہستہ روشنی میں بدل رہی تھی، مگر اسٹیشن پر اب بھی نیند کا سا سماں تھا۔

پلیٹ فارم پر چند لوگ اپنی چادروں میں لپٹے، بینچوں پر بیٹھے اونگھ رہے تھے۔ کہیں کہیں ٹھنڈ سے بچنے کے لیے لوگ چائے کے اسٹال کے گرد

جمع تھے، بھاپ اڑاتی چائے کی خوشبو صبح کی خاموشی میں پھیل رہی تھی۔

ایک طرف ایک اخبار والا اخبار تہہ کر کے ترتیب سے رکھ رہا تھا، اور ساتھ ہی ریلوے کی دیوار پر لگے پرانے پوسٹر ہوا کے ہلکے جھونکوں سے تھوڑا تھوڑا ہل رہے تھے۔

دور سے ایک انجن کی سیٹی کی آواز سنائی دی، جیسے کسی سوئے ہوئے مسافر کو جگانے کی کوشش کر رہی ہو۔ کچھ مسافر اپنے کمبل سمیٹ کر اٹھ کھڑے ہوئے، سامان سنبھالا، اور پلیٹ فارم پر ایک دوسرے کو نیند بھری آنکھوں سے دیکھنے لگے۔

ریل کی پٹریاں شبنم سے ذرا سی چمک رہی تھیں، اور اسٹیشن کے زرد بلب اب بھی جل رہے تھے، جیسے رات کی آخری نشانی ہوں۔ اسٹیشن ماسٹر ہاتھ میں رجسٹر لیے آہستہ آہستہ چلتا ہوا، آنے والی ٹرین کے بارے میں عملے سے گفتگو کر رہا تھا۔

یہ جیسلمیر کا ریلوے اسٹیشن تھا — جہاں وقت تھوڑی دیر کے لیے ٹھہرتا تھا، مگر پھر ہر ٹرین کے ساتھ کہیں آگے نکل جاتا تھا۔

جب ٹرین جیسلمیر پہنچی اس کے بھائیوں نے اسے ٹرین سے سامان اتارنے میں مدد کی اور اس کی بیوی بچوں کو لے کر اسٹیشن کے باہر آئے۔ صبح چار بجے اسٹیشن کا ماحول بہت ہی سنسان اور شانت تھا۔ ریوان اور اس کی بیوی

بچے اس کے بڑے بھائی دیوان کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔ روی اور کشن اپنی ماں کی گود میں سو رہے تھے۔ سٹیشن سے اس کا گھر تقریبا1510 منٹ کی دوری پر تھا دشا بچوں کو لے کر پیچھے بیٹھی تھی اور وہ اپنے بھائی دیوان کے ساتھ آگے بیٹھا تھا۔ صبح صبح سردی کی وجہ سے دیوان نے کار کی ساری کھڑکیاں بند رکھی تھی۔ مگر باوجود اس کے ریوان کے کان میں ہوا کے آہستہ آہستہ آواز آرہی تھی۔ ریوان نے اس آواز کو کو مکمل طور پر نظر انداز کیا کیونکہ وہ اب پورے ہوش میں تھا اور اپنے حواسوں پر قابو پا رہا تھا اب وہ کسی ان دیکھی چیز پر خود کی دماغی حالت کو خراب نہیں کرنا چاہ رہا تھا۔

15 منٹ بعد وہ لوگ گھر پہنچے۔ ریوان ایک رانا خاندان سے تعلق رکھتا تھا ۔وہ پرتاب رانا کا چھوٹا بیٹا تھا اور ان کے خون کا سب سے نافرمان قطرہ۔ان کا گھر ایک گھر نہیں تھا ایک قدیم زمانے کی آرکیٹیکٹ میں بنائی گئی وہ ایک شاندار حویلی تھی جس کی دیواریں سفید پتھر کی تھیں اور اس کا وسطی دروازہ کسی قیمتی لکڑی جیسے صندل یا شیشم کا تھا۔ ریوان نے کشن کو اپنے گود اٹھایا اور دشاروی کو۔حویلی کے باہر انتم سنسکار کے تیاری کی جا رہی تھی ایک مٹکے کو رسی سے باندھا جا رہا تھا اور چتا کی لکڑیاں جمع کی جا رہی تھی ۔حویلی کے ایک کونے میں زرد رنگ کے پھولوں کا انبار پڑا تھا اور ایک طرف لکڑیوں کے اوپر سفید کپڑا چڑھایا جا رہا تھا۔ باہر موجود لوگوں نے ریوان کو باری باری سلام کیا اور ان سے اس کے باپ کے گزر جانے کا افسوس کیا۔وہ اپنی بیوی بچوں کو لے کر اندر داخل ہوا۔ گھر کے اندر داخل

ہوتے ہی ہال میں صوفے کے قریب بیٹھ کے اس کی ماں نیند کی آغوش میں تھی۔

دروازہ کھلنے پر ان کی آنکھیں کھلی وہ 50 سال کی عورت سفید ساڑھی میں سر پر پلو اوڑھے اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی کھڑی ہوئی اس عورت کے بال سفید ہو گئے تھے۔اور اس کی آنکھوں کے گرد گہرے ہلکے پڑ گئے تھے اس کی پلکیں نہ ہونے کے برابر تھی اس کی پوری جوانی ان بالوں کے ساتھ جھڑ گئی تھی _ ریوان اپنی ماں کو دو سال کے بعد دیکھ رہا تھا۔وہ بوڑھی عورت آہستہ آہستہ قدم بڑھاتی اس کے عین مقابل کھڑی ہو گئی۔اس بوڑھی عورت کو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا۔اس نے دو تین بار اور اپنی آنکھیں صاف کی جب اسے یقین آیا کہ اس کے سامنے اس کا بیٹا ہی ہے وہ

رونے لگ گئی۔ ریوان کے چہرے کو اپنے ہاتھ میں لے کر اپنی بے یقینی دور کرنے لگی۔ وہ بوڑھی عورت ریوان کے سینے سے لگ کر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی اپنے سینے پر اپنے ماں کے آنسوں کو محسوس کرتا ریوان ذرہ ذرہ اپنی انا کے کنویں میں ڈوب رہا تھا یہ اس کی انا تھی جو اسے اتنا عرصہ اپنے ماں باپ اور بھائی سے دور رکھی ہوئی تھی۔ اتنا عرصہ وہ خود کو صحیح سمجھتا رہا اور باقی سب کو غلط - پھر وقت نے اسے آئینہ دکھایا تو اس دنیا کا سب سے غلط انسان وہ خود لگا کیونکہ نہ وہ خود کا ہو پایا اور نہ ہی اپنے گھر والوں کا وہ تو اس عورت کو بھی دھوکہ دے بیٹھا تھا جو اس کے لیے ہر سال بھوکی رہتی اس کی لمبی عمر کی دعا کرتی رہتی اس کے بچوں کو کسی وراثت میں ملے خزانے کی طرح حفاظت کرتی اس کے گھر کو جنت بنانے کا کام کرتی ہے وہ جب تھک کر آتا تو وہ اسے سکون دیتی۔ ریوان اپنی ماں کے بالوں پر ہاتھ

رکھ کر اسے تسلی دینے کی کوشش کرنے لگا جب کہ دشا دور کھڑی یہ منظر دیکھ کر غمزدہ ہو رہی تھی۔ کچھ دیر بعد حویلی کی بڑی بہو سادہ لباس میں اس کے پاس آئی۔ اور اسے بچوں کے ساتھ لے کر اندر چلی گئی۔

سورج ڈھلنے کو تھا، ہوا میں گنگا کے پانی کی ہلکی سی خنکی گھلی ہوئی تھی۔ شمشان گھاٹ کے ارد گرد سنّاٹا طاری تھا، بس لکڑیوں کے جلنے کی آواز اور کبھی کبھار کوئی ٹوٹا ہوا سسکیوں کا سلسلہ ماحول کو بوجھل کر رہا تھا۔

چتا کے قریب ایک شخص خاموش کھڑا تھا، آنکھوں میں آنسو مگر چہرے پر ضبط کی پرتیں جمی ہوئی تھیں۔

(چلے جا میری نظروں سے دور)

پجاری نے ہاتھ میں گنگا جل لے کر آخری رسم ادا کرنے کا اشارہ کیا۔ (میں

اب آپ کے بلانے پر ہی آؤں گا یہ ضد ہے میری)

قریب کھڑے رشتہ داروں نے اپنے آنسو پونچھے، مگر آنکھوں میں دکھ کی شدت برقرار رہی۔ (مجھے ریوان پر سب سے زیادہ یقین ہے وہ مجھے دنیا میں سب سے زیادہ عزیز ہے۔) صرف جسم جلا تھا یادیں اور پچھتاوا پرواز پر تھا۔

لکڑیوں پر لیٹا بے جان جسم اب بھی ایسا لگ رہا تھا جیسے نیند میں ہو، مگر حقیقت اس سے کہیں زیادہ تلخ تھی۔ جیسے ہی آگ کے شعلے بلند ہونے لگے، ایک عورت کی چیخ گونجی، جو شاید سب کچھ بھول کر ایک آخری بار اس چہرے کو دیکھ لینا چاہتی تھی۔ مگر اب واپسی کا کوئی راستہ نہ تھا۔

دھوئیں کے بادل آسمان کی طرف اٹھ رہے تھے، ہوا میں گیلی لکڑیوں اور گھی کی مہک گھل گئی تھی۔ ایک طرف بیٹھے بزرگ منتر پڑھ رہے تھے، اور دوسری طرف کچھ نوجوان چپ چاپ زمین پر نظریں جمائے کھڑے تھے۔

یہ زندگی کی سب سے تلخ حقیقت تھی—جو آیا ہے، اسے جانا ہے۔ ایک وجود راکھ میں بدلنے لگا، اور پیچھے صرف یادیں، آنسو، اور چند بکھری ہوئی آہیں رہ گئیں۔

انتم سنسکار کے بعد سب لوگ حویلی واپس آ گئے تھے دور سے آئے لوگوں کے لیے باہر صحن میں کھانے کا انتظام کیا جا رہا تھا اور گھر کے اندر مہمانوں کو

چائے ناشتہ دیا جا رہا تھا۔روی اور کشن نیند سے جاگ کر اپنی ماں کو ڈھونڈتے ہوئے ہال میں آ پہنچے۔ہال کا پس منظر کچھ یوں تھا کہ ریوان اور دیوان ایک ساتھ صوفے پر گردن جھکائے خاموش بیٹھے تھے اور ان کی ماں ان دونوں کو زندگی بھر کی غلطیاں انہیں یاد دلا رہی تھی ان ساری شکایتوں میں ریوان کا راز راز رکھا گیا اور دیوان کو اس سے کوئی پریشانی نہیں ہوئی ۔پوری حویلی میں کستوری دیوی کی آواز گونج رہی تھی دونوں بچے اپنی ماں کو دیکھتے ہی اس سے لپٹ گئے ان دونوں کو ہال میں اس طرح آنا کستوری دیوی کو بالکل پسند نہیں آیا۔دشا کستوری دیوی کی اس ناپسندگی سے نامعلوم تھی وہ چپ چاپ اپنے بچوں کے بالوں کو سہلانے لگی۔

"ریشمی اور دشا بچوں کو اندر لے جاؤ اور انہیں کچھ کھلاؤ کل سے بھوکے ہیں
"کستوری دیوی کی بات پر ریشمی اور دیش ایک ساتھ وہاں سے اٹھے اور
بچوں کو لے کر کچن کی اور بڑھے۔اب ہال میں بس کستوری دیوی اور ان
کے دو بیٹے تھے۔وہ کچھ دیر پہلے والی کستوری دیوی نہیں تھی جو اپنے پتی
کے غم میں بے جان سی زمین پر پڑی تھی اب وہ اس حویلی کی مالکن کی
طرح بات کر رہی تھی۔دیوان من ہی من میں سوچ رہا تھا کہ اس کا باپ
ابھی راکھ بھی نہیں ہوا اور اس کی ماں اس کی حکومت سنبھال رہی ہے
۔"ریوان اب تم واپس نہیں جاؤ گے تم یہیں رہ کر اپنے بڑے بھائی کی مدد
کروں گے" کستوری دیوی کے اس فیصلے سے ریوان کو بڑی حیرانی ہوئی اس
نے بے یقینی سے اپنی ماں کو دیکھا پھر نفی میں سر ہلا دیا یہ اس کے لیے
ناممکن تھا کہ وہ وہاں رہے اور روز اپنے گناہ کو دیکھے اس کو یہ ڈر تھا کہ اس کا

سچ کہیں اس کی بیوی نہ دیکھ لے وہ اپنی بیوی سے بے پناہ محبت کرتا تھا وہ ہر سچ کو چھپانا چاہتا تھا جو ان دونوں کو الگ کر دیتا۔

رات میں کھانے کے بعد وہ اپنے کمرے میں آ گیا۔ روی اور کشن سو چکے تھے انہیں یہ حویلی بہت پسند آئی تھی۔ کشن کا یہ پہلی بار تھا مگر روی یہاں پہلے بھی آ چکا تھا اس لیے وہ ہر جگہ پہچان رکھتا تھا وہ اپنے تمام دوستوں کو بڑی شوخی سے کہتا کہ اس کی بہت بڑی حویلی ہے اور اس کے دادا ایک راجہ ہے اور وہ اس سلطنت کا شہزادہ ہے کیونکہ دیوان کو کوئی اولاد نہیں تھی خاندان کا وارث روی تھا اور یہی بات ریشمی کو بہت پریشان کرتی۔ دشا دونوں بچوں کو سلا کر ایک بڑی سی کھڑکی کے پاس کھڑے ریوان کے پاس آئی۔ کھڑکی کے سامنے بیٹھنے کے لیے کچھ جگہ تھی تو دشا نے ریوان کا ہاتھ

تھام کر اسے اپنے ساتھ وہاں بٹھالیا اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی آنکھوں کو پڑھنے کے ناممکن کوشش کی اس نے یہ کوشش اتنے سالوں میں کئی بار کی تھی اسے ہمیشہ ایسا لگتا کہ ریوان اس سے کچھ چھپا رہا ہے مگر ہر بار وہ ریوان کی محبت کے آگے ہار جاتی اور کوشش کرنا ترک کر دیتی۔ مگر آج یہ کوشش اس نے ایک بار کرنی چاہیے مگر ناکام رہی ریوان کی سب سے بڑی بات یہ تھی کہ وہ خود کو کسی کو پڑھنے نہیں دیتا وہ لائبریری میں رکھی اس کتاب کے مانند تھا جو ہمیشہ بند رہتی اگر اسے کوئی پڑھتا بھی تو سمجھ نہ پاتا۔

ریوان نے چہرہ موڑ کر دشا کو دیکھا جو اس کی ایک نظر کے لیے بے قرار تھی جب ان دونوں کی نظریں ملی تو ہواؤں میں گڑ بڑ مچ گئی۔ حویلی کے اعتراف

لگائے گئے پیڑ پودے پوری شدت سے حرکت کرنے لگے ہمیں لکھے باہر طینات کتا زور زور سے بھونکنے لگا دشا اور ریوان نے ایک ساتھ باہر دیکھا ۔ باہر صرف تنہائی تھی اور چاند کی چاندنی زمین پر اپنا عکس چھوڑ رہی تھی اور وہ روشنی جہاں تک نظر جاتی وہاں تک وہ موجود تھی۔ دشا وہاں سے اٹھ کر ریوان کو کرسی پر بیٹھنے کے لیے کہا اور کھڑکی بند کر دی۔ کمرے میں ایک بار پھر شانتی چھا گئی اور بچے پر سکون سونے لگے۔ دشا ریوان کے برابر کرسی پر بیٹھ کر اس سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگی مگر ریوان کا دماغ اس پل وہاں نہیں تھا۔ اس کا دماغ اس وقت کسی گلی میں کسی پودے میں دھاگے کے ساتھ بندھا ہوا تھا اس کے کانوں میں اس کا نام سنائی دے رہا تھا جس سے وہ چاہ کر بھی نظر انداز نہیں کر پا رہا تھا۔ اس کی محبت اس کے سامنے تھی مگر وہ اپنی کسی غلطی کا خمیازہ بھگت رہا تھا۔ دشا نے جب اس کو

خود پر غیر متوجہ پایا تو اس نے توجہ حاصل کرنے کے لیے اس کے سینے سے لگ گئی۔

دشا کے سینے سے لگتے ہی ریوان کا دل و دماغ واپس اس کمرے میں آ گیا۔اس گلی سے اس کمرے تک کا سفر برق رفتاری سے ہوا تھا اور اس کے کانوں میں جو سرگم سی آواز آ رہی تھی وہ ایک دم سے بند ہو گئی۔دشا اس کے سینے سے لگ کر اس کی آہستہ آہستہ چلتی سانسوں کو سننے لگی۔"آپ بار بار کہاں کھو جاتے ہیں" ریوان اس کا جواب دینے کے بجائے اس کے بالوں کو سہلانے لگا اور اس کو یہ تسلی دینے لگا کہ وہ ٹھیک ہے مگر صرف وہی جانتا تھا کہ اس شہر کا خیال بھی اسے کتنا بے چین کر دیتا ہے۔وہ یہاں کا

شہزادہ ہونے کے باوجود کسی غیر زمین پر جا کر کوئی عام سی دکان پر کیوں کام کر رہا ہے یہ تو صرف وہ اور خدا جانتا تھا۔

رات کا تیسرا پہر تھا۔ چاندنی اپنی پوری آب وتاب سے زمین پر پھیلی ہوئی تھی، لیکن اس کے باوجود فضا میں ایک عجیب سی وحشت تھی۔ درختوں کے پتوں کی سرسراہٹ اور کہیں دور کسی الو کی منحوس آواز ماحول کو مزید بھیانک بنا رہی تھی۔

نیم تاریک گلی میں قدموں کی آہٹ گونج رہی تھی۔ راستہ سنسان تھا، مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی چھپ کر تعاقب کر رہا ہو۔ ہر قدم کے ساتھ دل کی

دھڑکن تیز ہوتی جا رہی تھی۔ ہر بار پلٹنے پر صرف سائے دکھائی دیتے، لیکن محسوس ہو رہا تھا کہ کچھ ہے... کوئی ہے جو ساتھ ساتھ چل رہا ہے۔

اچانک——

"رُک جاؤ..."

یہ سرگوشی ہوا میں گونجی، جیسے کسی نے کان کے بالکل قریب آ کر کہا ہو۔

سانس رکنے لگی، اور جسم پسینے سے بھیگ گیا۔

قدموں کی رفتار تیز ہونے لگی، مگر راستہ جیسے لمبا ہوتا جا رہا تھا۔ تبھی پیچھے سے کسی کے بھاری سانس لینے کی آواز سنائی دی۔ پلٹنے پر ایک سایہ تیزی سے قریب آیا، جیسے جھپٹنے ہی والا ہو۔ چیخ گلے میں اٹک گئی۔

مگر چند لمحوں بعد، جب آنکھیں کھولیں، تو کچھ نہ تھا۔ سنسان گلی، خاموش دیواریں، اور ہوا میں کسی کی موجودگی کا احساس۔

بے اختیار قدم گھر کی طرف بڑھ گئے۔ دروازہ کھولا، اندر داخل ہوتے ہی آئینے میں نظر پڑی—

وہی عکس تھا، مگر چہرے پر ایک عجیب، غیر انسانی مسکراہٹ...!

اندھیرے میں سانس پھول رہی تھی، دل بے تحاشہ دھڑک رہا تھا۔ ماتھے پر پسینے کی بوندیں چمک رہی تھیں۔ اچانک، آنکھ کھل گئی—شدید گھبراہٹ کے ساتھ۔ کمرے میں ہلکی زرد روشنی پھیلی ہوئی تھی، مگر ذہن اب بھی اس تاریکی میں پھنسا ہوا تھا جہاں ابھی کچھ لمحے پہلے تھا۔

دل میں اب بھی وہی خوف بیٹھا تھا، وہی منظر، وہی خوفناک لمحہ—جیسے حقیقت ہو۔ ہاتھ تھوڑا کانپ رہے تھے، پورا جسم پسینے سے تر تھا۔ آنکھوں میں نیند کا کوئی نام و نشان نہیں تھا، بس ایک انجانی وحشت تھی جو چاروں طرف سے گھیرے ہوئے تھی۔

سانس بحال کرنے کے لیے بستر پر سیدھا بیٹھا، دونوں ہاتھوں سے چہرہ تھام لیا۔ ارد گرد دیکھا، سب کچھ اپنی جگہ تھا، کچھ بھی بدلا نہیں تھا، مگر اندر ایک بے چینی تھی، ایک عجیب سا ڈر جو اب بھی رگوں میں دوڑ رہا تھا۔

دیوار پر لٹکی گھڑی رات کے تین بجنے کا اعلان کر رہی تھی۔ باہر سناٹا تھا، مگر ایسا لگ رہا تھا جیسے کوئی موجود ہو، جیسے خواب کی حقیقت ابھی مکمل ختم نہیں ہوئی۔

کمرے کی کھڑکی کی طرف نظریں اٹھیں—وہاں کچھ نہیں تھا، صرف ہوا کے ہلکے جھونکے پردے کو ہلا رہے تھے۔ مگر اندر کا خوف اتنا گہرا تھا کہ ہر سایہ کسی چھپی ہوئی حقیقت کا پتہ دیتا محسوس ہو رہا تھا۔

پانی پینے کے لیے ہاتھ بڑھایا، مگر گلاس تھامتے ہی احساس ہوا کہ انگلیاں ہلکی سی لرز رہی ہیں۔ ایک گہرا سانس لیا، خود کو یقین دلایا: "یہ بس خواب تھا... بس ایک خواب!"

مگر دماغ ماننے کو تیار نہ تھا، کیونکہ وہ خواب... حقیقت سے زیادہ حقیقی لگ رہا تھا۔ یہ شروعات تھی...

جیسلمیر گورنمنٹ ہاسپٹل میں رات کے اس پہر بہت خاموشی تھی باہر
کچھ بلی کچرے کے ڈبے سے بریڈ نکال کر کھا رہی تھی اور اس ہاسپٹل کی
چھت پر ایک کالا کوا آسمان کو بڑی نفرت سے دیکھ رہا تھا کیونکہ اس سیاہ
رات میں چاند اپنی روشنی بکھیر رہا تھا اور اس چھت پر بیٹھا ہوا سفید رنگ
سے نفرت کرتا تھا چونکہ وہ کالا تھا اور اس کا مذاق بنایا جاتا تھا اس نے سفید
رنگ سے دشمنی پالی۔ہاسپٹل کے اندر مریض سو رہے تھے اور ڈاکٹرز کھانا
کھا رہے تھے۔ہاسپٹل کے فارمیسی میں کچھ گولیوں کی گرنے کی آواز آئی
کھانا کھاتے ہوئے ڈاکٹرز نے چوکیدار کو اواز دی کہ کہیں کوئی باہر تو نہیں
ہے تو چوکیدار نے جواب دیا کہ باہر کوئی نہیں ہے شاید کوئی بلی ہو گی مگر
جب ایک نرس اٹھ کر فارماسی ڈیپارٹمنٹ کی طرف آئی تو ایک دم سے
روشنی چلی گئی اس نے اپنی جیب میں پڑا فون نکالا اور ٹارچ ان کی ان لوگوں

کو ان سب کی عادت ہو چکی تھی وہ ایک گورنمنٹ ہاسپٹل تھا یہاں سہولیات اس کم ہوتی تھی۔ وہ نرس ٹارس لے کر فارمیسی میں داخل ہوئی۔ اس نے ٹارچ کو چاروں طرف گھمایا وہاں کوئی نہیں تھا نہ بلی نہ چوہا اس نے گہری سانس لی اور پلٹ گئی اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے باہر قدم رکھتی اسے کسی کی سانسوں کی آواز آئی۔

اس کے دل کی دھڑکن برق رفتاری سے چلنے لگی جیسے اس کا دل ابھی اس کے حلق میں آنے والا تھا اس نے ہمت کر کے ایک بار پھر اپنی نظروں کا دورہ کیا اور آخری کونے میں اسے سفید آنکھیں نظر آئی۔ وہ آنکھیں اتنی وحشی تھی کہ وہ چیخ اٹھی اس کی چیخ سے سارے ڈاکٹرز اچھل کر بیٹھ گئے تب ہی روشنی آئی۔ سارے ڈاکٹرز وہاں پہنچ گئے تھے وہ نرس زمین پر

گھٹنوں کے بل بیٹھی پھوٹ پھوٹ کر رو رہی تھی رونے کے درمیان کہہ رہی تھی مجھے بچاؤ مجھے بچاؤ ڈاکٹرز نے ایک بار چاروں طرف نظر دوڑائی وہاں کوئی نہیں تھا۔ "اٹھو یہاں کوئی نہیں ہے" ایک ڈاکٹر نے اسے اٹھایا وہ نرس روتے ہوئے چاروں طرف دیکھنے لگی سچ میں وہاں کوئی نہیں تھا اسے حیرانی ہوئی اس نے کئی بار اپنے کولیگ سے وہاں ہونے والے ڈراونے کی قصے سنے تھے۔ "یہاں کوئی تھا سر" وہ نرس بہت مشکل سے بول پائی۔ ڈاکٹرز نے اس کی بات کو یہ کہہ کر نظرانداز کر دیا کہ یہ اس کا وہم ہے یا دن بھر کے تھکاوٹ سے وہ لاچار ہو گئی ہے اسی لیے اسے کچھ بھی نظر آ رہا ہے۔ وہ واپس ان ڈاکٹرز کے ساتھ آ کر کھانا کھانے لگی۔

ایک 8 سال کی بچی سفید فراک میں اچانک بیڈ سے اٹھی۔فرش پر اس کی ماں سو رہی تھی اس بچی نے اپنے گلے پر ہاتھ رکھا شاید اسے پیاس لگ رہی تھی اس نے اپنے آس پاس پانی دیکھا مگر وہاں پانی نہیں تھا تو اس نے سوچا کہ وہ خود جا کر اپنی بوتل بھر کے لائے گی۔اسی مقصد سے وہ باہر اپنی بوتل پکڑے باہر آئی۔آہستہ آہستہ قدم لیتی ہوئی پانی کی ٹینک کے پاس پہنچی اور نل کھول کر اپنی بوتل بھرنے لگی تب ہی اسے کسی بچی کی ہنسنے کی اواز آئی ۔وہ آواز اس کے بہت قریب تھی اس نے دائیں طرف پلٹ کر دیکھا تو اس کی آنکھیں حیرت کے مارے بڑی ہو گئی کیونکہ سامنے ایک بہت معصوم سی بچی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی اس اٹھ سال کے بچی کو لگا کہ وہ بھی اس کی طرح پانی پینے آئی ہے۔اس نے اپنی بوتل اس بچی کی طرف بڑھایا اگلے ہی سیکنڈ وہ بچی ایک خوفناک شکل میں بدل گئی وہ بچی چیخ کر جاگی۔اس کی چیخ

سے آس پاس کے مریض جاگ گئے۔ وہ بچی اب اپنی ماں کے سینے سے لگ کر رو رہی تھی کہ اسے کتنا ڈراؤ سپنا آیا ہے۔ اس کی ماں اسے پانی پلا کر اپنی گود میں لے کر سو گئی۔

دوسرے دن جیسلمیر میں ایک سنہری صبح کی آمد ہوئی۔ جیسلمیر کی صبح—ریت کا سنہری جادو۔ صبح کا پہلا پہر تھا، جب آسمان ہلکے نیلے سے نارنجی ہونے لگا۔ سورج کی پہلی کرن جیسے ہی جیسلمیر کے سنہری قلعے پر پڑی، وہ کسی سونے کے محل کی طرح چمک اٹھا۔ ہلکی خنکی میں ریت کے ذرے نرم ہوا کے ساتھ اڑ رہے تھے، جیسے صحرائی زمین کوئی پراسرار کہانی سنا رہی ہو۔

گڈیسر جھیل کے کنارے خاموشی کا راج تھا، بس کبھی کبھار پانی پر اڑتی چڑیوں کی آواز ماحول میں مدھرتا گھول رہی تھی۔ جھیل کے ساکن پانی میں طلوع ہوتے سورج کا عکس لرز رہا تھا، جیسے کسی مصور کی تازہ تخلیق ہو۔

قلعے کے اندر گلیوں میں آہستہ آہستہ زندگی جاگ رہی تھی۔ کہیں کسی گھر سے چولہے میں لکڑیوں کے جلنے کی خوشبو آ رہی تھی، تو کہیں مندر کی گھنٹیوں کی مدھم آواز فضا میں گھل رہی تھی۔ مقامی لوگ اپنے روایتی لباس میں نظر آنے لگے، کوئی اپنی چھت پر کھڑا صحرائی ہوا کا مزہ لے رہا تھا، تو کوئی بازار میں اپنی دکان کے دروازے کھول رہا تھا۔

ریت کے ٹیلوں پر بھی ایک الگ جادو بکھرا ہوا تھا۔ سورج کی کرنوں نے ریت کو سنہری بنا دیا تھا، اور دور اونٹوں کی قطار چلتی دکھائی دے رہی تھی۔ اونٹوں پر بیٹھے راہگیر، اپنے مخصوص انداز میں سفر کرتے، جیسے وقت سے ماورا کسی اور ہی دنیا کا حصہ ہوں۔

یہ جیسلمیر کی صبح تھی — پرسکون، سنہری، اور خوابناک۔ ایک ایسی صبح جو صدیوں سے ویسی ہی تھی، اور شاید ہمیشہ ایسی ہی رہے گی، ریت کے ہر ذرّے میں ایک کہانی لیے ہوئے۔

صبح صبح وہاں کے لوگ مندر میں پوجا کرنے جاتے اور حویلی کے لوگ حویلی میں ہی پوجا کرتے اسی روایت کو رانا خاندان کے لوگ سالوں سے

نہاتے آئے تھے۔ دشا اور ریشمی نہا دھو کر مندر میں پوجا کر رہے تھے اور کستوری دیوی باورچی کھانے میں ناشتے کی تیاری کر رہی تھی دیوان اور ریوان صبح صبح کھیتوں کی طرف گئے ہوئے تھے اور روی اور کشن باہر کھیل رہے تھے آرتی کے بعد دشا اور ریشمی باورچی خانے میں آئے۔ باورچی خانے میں ناشتہ تیار ہو چکا تھا ملازم ناشتہ لے کر ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہے تھے اور دشا ریشمی ان لوگوں کی مدد کر رہے تھے۔ کستوری دیوی اپنی سفید ساڑی سنبھالتی ہوئی ڈائننگ ہال پر مرکزی کرسی پر آ کر بیٹھ گئ۔ اتنے میں ریوان اور دیوان زمینوں کو دورہ کر کے واپس آ چکے تھے۔ ریوان نے دونوں بچوں کو آواز دے کر اندر بلایا اور سب کے ساتھ ناشتہ کرنے بیٹھ گئے۔

ناشتہ کرتے ہوئے مکمل خاموشی تھی۔ "کیا سوچا تم نے ریوان "ناشتے کے دوران کستوری دیوی نے روان کو مخاطب ہو کر کہا- ریوان نے کچھ دیر سوچا اور پھر ایک نظر اپنی بیوی دشا کو دیکھا جو نہ سمجھی کہ عالم میں ناشتہ کر رہی تھی جیسے وہ اس کے ہر فیصلے سے راضی ہو۔ "ماں جی بچوں کے اسکول وہاں ہیں میں یہاں نہیں رہ سکتا" ریوان نے بڑی سادگی اور پر سکون انداز میں کہا مگر کستوری دیوی کے ہاتھ سے چمچ چھوٹ گیا جیسے وہ اس جواب کے توقع نہیں رکھتی تھی انہیں لگا تھا کہ وہ بنا بحث کرے ان کی بات مان لے گا مگر وہ شاید ریوان کی فطرت کو بھول گئی تھی جسے روان نے بڑی اچھی طرح یاد دلایا تھا۔ "مدرسے یہاں بھی ہے تم یہاں داخلہ کروا دوان کا" کستوری دیوی نے بڑی آسانی سے کہا- "میں نے بہت سالوں سے اور بڑی مشکلوں سے وہاں اپنا نام اور کام بنایا ہے ایسے کیسے سب چھوڑ کر یہاں آجاؤں "

تمہیں اس شہر میں ایک چھوٹی سی دکان میں کام کرنے کی کوئی ضرورت نہیں تم یہاں کے مالک ہو اپنے بھائی کے ساتھ زمین کا کام دیکھو"

اس چھوٹی سی دکان میں مجھے سکون ملتا ہے اور یہ زمین میرے سکون کی جگہ نہیں"

"تم بھول رہے ہو تم کس سے بات کر رہے ہو"

"مجھے یاد ہے کہ میں کستوری دیوی سے نہیں بلکہ اپنی ماں سے بات کر رہا ہوں" ریوان کا لہجہ کاٹ دینے والا تھا۔ یہ ایک دم سے ڈائننگ ٹیبل پر گرم ماحول ہو گیا بچے ایک دوسرے کا منہ دیکھنے لگے اور دشا حیرانی سے اپنی پتی کو چپ رہنے کا کہہ رہی تھی مگر ریوان کستوری دیوی پر تیر برسا رہا تھا۔

"ماں جی ابھی تو آیا ہے کچھ دیر رہنے دیں یہاں اس کے بعد اس بارے میں بات کریں گے" دیوان نے بات سنبھالتے ہوئے کہا-ناشتہ ختم ہونے

تک ٹیبل پر مکمل خاموشی ہو گی بچے چپ چاپ ناشتہ کر کے اپنے اپنے کام میں لگ گئے اور دشاہ اور ریشمی ملازم سے بات چیت کرنے لگی۔

خوشی کے گھر میں آج مہمان آنے والے تھے۔ یہ تقریب روشنی کے لیے رکھی گئی تھی۔ خوشی نے روشنی کے لیے رشتہ دیکھا تھا لڑکا ڈاکٹر تھا اور اچھا خاصا دکھتا اور کماتا تھا سب سے خاص بات یہ تھی کہ وہ اپنے ماں باپ کا اکلوتا بیٹا تھا۔ صبح سے گھر میں نئے نئے قسم کے کھانے بنائے جا رہے تھے۔ اور اوپر کمرے میں سمیرا روشنی کو منا رہی تھی۔ مگر روشنی اس کی ایک بات

ماننے کو بھی تیار نہیں تھی وہ منہ پھلائے ایک کونے میں بیٹھی خفا لگ رہی تھی۔ سمیرا اپنے ہاتھ میں نیا جوڑا لیے اس کے پاس آ کر بیٹھی۔ "دیکھو ممی کی یہ بات مان لو بعد کی بات بعد میں دیکھ لیں گے" اس نے روشنی کو سمجھانے کی کوشش کی مگر اس کا روشنی پر کوئی اثر نہیں پڑا۔ "آخر تم چاہتی کیا ہو" سمیرا اسے منع کر تھک چکی تھی۔

"میں کیا چاہتی ہوں تم سے بہتر کوئی نہیں جانتا"

"جو تم چاہتی ہو وہ ہماری پہنچ سے بہت دور ہے"

"لیکن وہ میرے بہت قریب ہے"

"یہ پاگل پن چھوڑ دو روشنی"

"نہیں چھوڑ سکتی سمیرہ نہیں پاگل پن نہ یہ محبت نہ اسے" روشنی اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیے اپنے پاگل پن کا اظہار کر رہے تھے وہ جب

جب اس شخص کے بارے میں بات کرتی اس کی آنکھیں عجیب طرح سے چمکنے لگتی۔ سمیرا نے بے بسی سے اسے دیکھا۔"اب کیا کریں گے ہم" آخر کار اسے ہار مارنی پڑی۔ "کیا تم میری جگہ یہ شادی کرو گی" روشنی کے بات پر سمیرہ کے چہرے کا رنگ اڑ گیا اس نے فورا اس کا ہاتھ چھوڑ دیا یہ اس کی پاگل پن کی نشانی بنتا جا رہا تھا۔"تم سچ میں پاگل ہو گئی ہو"

"سمیرا میری بات سن. ! دیکھو تم کسی کو چاہتی بھی نہیں ہو اور یہ لڑکا تمہارے قابل بھی ہے تم دونوں کی اچھی بنے گی"

"میرا اچھا سوچنے کے لیے میں ہوں تم اپنا دیکھو میں ایسا کچھ نہیں کرنے والی. جلدی سے تیار ہو جاؤ مہمان آنے والے ہیں" اس نے دوٹوک انداز میں کہا اور اس کے گود میں جوڑا پھینک کر وہاں سے چلی گئی۔ روشنی کے لیے اب ہر راستہ بند تھا اب تو اس کا صرف خدا تھا اسی لیے اس نے آسمان کو

دیکھ کر خدا سے دعا کی کہ یہ شادی نہ ہو ہو وہ اس شخص کی بنی رہے مگر رب کو کچھ اور منظور تھا۔ خدا بندے کے لیے جو فیصلے لیتا ہے بھلے ہی وہ ہمیں غلط لگے لیکن وہ ہمارے لیے بہترین ہوتے ہیں یہ بات انسان جتنی جلدی سمجھ جائے بہتر ہوتا ہے۔

کچھ دیر بعد مہمانوں کے پہنچنے سے پہلے خوشی کی بہن نے اسے کال کیا اور کہا کہ وہ روشنی کو نہیں بلکہ سمیرا کو دیکھنے آ رہے ہیں ایک چھوٹی سی غلط فہمی ہوئی تھی جواب صحیح ہو گئی ہے۔ خوشی کو ایک شاک لگا اس نے تو سب روشنی کے لیے سوچ رکھ رہا تھا لیکن وقت نے پلٹی مار دی۔ مہمانوں کے آنے سے کچھ دیر پہلے روشنی نے سمیرہ کو تیار ہونے کے لیے کہا سمیرا اپنی ماں کی بات پر حیران ہوئی۔ "مگر کیوں" یہ سوال اس نے 10 بار پوچھا تھا

آخر میں تنگ آکر خوشی کو اس کے سوال کا جواب دینا پڑا۔ "کیونکہ لڑکے کو تم پسند ہو روشنی نہیں" خوشی نے بلند آواز میں کہا یہ آواز روشنی کے کانوں میں پڑی تو اچھل کر ناچنے لگی اسے لگا کہ اللہ تعالی نے اس کی دعا قبول کر لی ہے اور اسے اپنی قسمت اور محبت پر رشک آنے لگا۔ "یہ کیسے ہو سکتا ہے وہ مجھ سے زیادہ خوبصورت ہے اور مجھے ابھی شادی نہیں کرنی" سمیرا نے صاف صاف منع کر دیا مگر اس کی ماں نے اسے مستقبل میں ملنے والی شہرت کا لالچ دیا اب دولت اور شہرت سے بھلا کون منہ پھیر سکتا ہے

ایک لمحے کے اندر سمیرا کا دل بدل گیا اس نے دل ہی دل میں اپنے ارمانوں کا محل بنا لیا کیونکہ خوشی نے اس کے تصور کو اس لڑکے کی زندگی بنا دی چونکہ وہ لڑکا اکلوتا جائیداد کا مالک اور ڈاکٹر ہے اور اچھا خاصا دکھتا بھی ہے وہ

اسے ہر آرائش دے گا۔اور سمیرہ کو صرف پیسوں کی خواہش تھی وہ دنیا گھومنا چاہتی تھی وہ اس چھوٹے سے گھر میں قید ہو کر نہیں رہنا چاہتی تھی اسے نئے نئے کپڑے پہننا تھا اسے عیش و عشرت سے جینا تھا بالکل اپنی ماں کی طرح مگر ماں اور بیٹی میں ایک فرق تھا کہ ماں پونجی کو جمع کر مستقبل کے خواب دیکھتی اور بیٹی آج میں مستقبل کو جیتی۔ سمیرا خاموشی سے تیار ہو گئی وہ زرد رنگ کی ساڑی میں بہت خوبصورت لگ رہی تھی روشنی نے اس کے ہاتھوں میں میچنگ چوڑیاں پہنائی تھی اور اس کا میک اپ کیا تھا مگر پھر بھی وہ روشنی سے کم ہی خوبصورت لگ رہی تھی حالانکہ وہ تو ایک سادہ لباس میں تھی۔

کچھ دیر بعد مہمان آ گئے۔ مہمانوں نے بے یقینی سے اس گھر کو دیکھا وہ ان کے تصور سے کچھ زیادہ ہی چھوٹا تھا مگر پھر بھی اب یوں واپس جانا غیر معدب لگتا اسی لیے انہوں نے ایک بار لڑکی کو دیکھنے کا فیصلہ کیا۔ خوشی نے ان کا استقبال بڑی عزت سے کیا۔ رمشا اور صبور نے مہمانوں کو چائے اور ناشتہ دیا وہ گھر بہت چھوٹا تھا اس لیے شروع ہونے سے پہلے ختم ہو رہا تھا اوپر سمیہ اور سنبل کے لڑنے کی آواز آ رہی تھی۔ کچھ دیر بعد وہ آوازیں بھی آنا بند ہو گئی کیونکہ روشنی نے ان دونوں کو چپ کروا دیا تھا۔ لڑکے نے خوشی سے سمیرہ کو لانے کے لیے کہا- خوشی نے سمیرا کو آواز دی وہ اپنی ساڑی سنبھالتی ہوئی نیچے اتری اس کے ساتھ سنبل اور سمیہ بھی آئے . سمیرا اس لڑکے کے سامنے کرسی پر بیٹھ گئی چونکہ گھر بہت چھوٹا تھا کچھ ایک ہاتھ کا فاصلہ تھا ان دونوں کے بیچ اور آس پاس سارے مہمان بیٹھے

تھے تو یہ لڑکے کے لیے تھوڑا انکمفرٹیبل تھا مگر پھر بھی وہ زبردستی مسکرا رہا

تھا اسے سمیرا ایک نظر میں پسند آ گئی تھی مگر وہ گھر اسے بالکل پسند نہیں آیا

تھا وہ جدید زمانے کا لڑکا تھا اسے بڑے بڑے گھروں میں رہنے کی عادت

تھی اس نے اپنے مستقبل کو اپنے ذہن میں اتارنے کی کوشش کی جہاں وہ

اپنے سسرال میں ایک ماچس کے ڈبے میں خود کو پایا اس نے اپنی ذہن میں

آتے خیالوں کو جھٹکا اور چائے کا ایک گھونٹ اپنے اندر بھرا۔ لڑکے کی ماں

اور بہنوں نے سمیرا سے کچھ سوال پوچھے جس کا جواب وہ بڑے اعتماد سے

دیتی رہی اس کی آواز میں کوئی لکنت نہیں تھی۔

لڑکے کی ماں نے سمیرہ کو لڑکے کو دیکھنے کے لیے کہا سمیرا نے اپنی

خوبصورت آنکھیں اٹھا کر لڑکی کو دیکھا وہ لڑکا سانولے رنگ کا خوبصورت

نوجوان تھا۔ سمیرا کے دل میں وہ لڑکا کسی طوفان کی طرح آیا اور اس کے دل کو چرا کر لے گیا دوسرے ہی پل اس نے اپنی آنکھیں نیچے کر لی لڑکے نے اپنی ماں کو وہاں سے چلنے کا اشارہ کیا اس کی ماں نے اسے کچھ دیر اور بیٹھنے کی منت کی مگر وہ لڑکا بار بار کسی ایمرجنسی کا کہہ کر وہاں سے جانے کا بہانہ ڈھونڈ رہا تھا یہ خوشی کے لیے فکر کا باعث بن رہا تھا اس کی مسکراہٹ دھیرے دھیرے غائب ہو رہی تھی اس کا دل اسی کسی ان ہونی کا اندیشہ دے رہا تھا اس نے مہمانوں کو کھانے کے لیے روکا مگر لڑکے نے ضد کی کہ اسے کوئی ارجنٹ کام ہے اسی لیے ان سب کو وہاں سے جلدی جانا پڑا مہمانوں کے جاتے ہی پورا گھر ایک بار خاموش ہو گیا شاید یہ طوفان سے پہلے کی خاموشی تھی۔

سمیرا کپڑے بدلنے کے لیے اوپر کمرے میں چلی گئی۔ سمیرہ اوپر کمرے میں کپڑے بدلنے کے بعد بیڈ پر اداس ہو کر بیٹھ گئی اس کا ذہن اسے کسی غلط بات کا اندیشہ دے رہا تھا۔ نیچے خوشی گم سم بیٹھی ہوئی تھی تبھی اس کے پاس روشنی آئی۔ اسے اپنی ماں کی ناراضگی سے کوئی فرق نہیں پڑتا تھا مگر پھر بھی اسے یہ ڈھونگ کرنا تھا۔ وہ اپنی ماں کے عین مقابل بیٹھ گئی اور اس کو دلاسہ دینے کی کوشش کرنے لگی کہ سب صحیح ہو جائے گا۔ وہ اپنی ماں کے ساتھ کچھ دیر یوں ہی بیٹھی رہی اس کے بعد وہ یہ کہہ کر باہر چلی گئی کہ اسے اپنے کسی دوست سے ملنا ہے چونکہ خوشی اس حالت میں نہیں تھی کہ اس سے کچھ سوال کرتی وہ چپ چاپ گھر سے باہر نکل گئی۔

ریگستان کے درمیان ریت میں دھنسا ہوا وہ کھنڈر نما گھر میں کسی کی چلنے کی آواز آ رہی تھی۔ کوئی بے چین سا یہاں سے وہاں چل رہا تھا روشنی مسکرا کر اندر داخل ہوئی کیونکہ اندر اس کا من پسندیدہ شخص تھا اس نے اس شخص کو دیکھتے ہی گلے لگا لیا مگر اس شخص نے اسے دور رہنے کے لیے کہا دوسرے پل روشنی کی آنکھوں میں بے یقینی امڑ آئی۔ "کیا ہوا ہے آپ کو" وہ ایک بار پھر اس کے قریب جاتے ہوئے بولی وہ شخص دو قدم پیچھے ہوا۔ "کیا تو شادی کر رہی ہے" وہ آدمی روشنی کی شادی کی خبر سن کر ہڑبڑا چکا تھا اس کو روشنی کا کسی اور کا ہو جانا گوارا نہ تھا حالانکہ وہ خود بھی اس کا نہیں تھا۔ اس کی ہڑبڑاہٹ دیکھ کر روشنی قہقہ لگا کر ہنسنے لگی اسے اس شخص کی آنکھوں میں خود کو کھونے کا ڈر دیکھ کر بے حد خوشی اور سکون ملا تھا وہ ہنستے ہوئے اس کے قریب آئی اور اس کے گلے کے اعتراف اپنے بازو حائل کرتے

ہوئے اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی۔" بالکل نہیں میں ایسا کبھی نہیں ہونے دوں گی میں صرف آپ کی ہوں" روشنی اپنی مدھم آواز میں اس کے کان میں سرگوشی کرتے ہوئے بولی دوسرے ہی پل اس شخص نے روشنی کو اپنی باہوں میں بھینچ لیا اور اس کے بالوں کو چومنے لگا اس کے بالوں میں سر دیے اس کی خوشبو کو محسوس کرنے لگا اس کے بالوں کی خوشبو اس شخص کی سب سے پسندیدہ خوشبو تھی جسے وہ کبھی کھونا نہیں چاہتا تھا۔

کچھ دیر بعد روشنی نے اپنے بازو سوئے اس شخص پر نظر ڈالی اس کی آنکھوں میں شرارت امڑ آئی اس نے اپنے بالوں کو اس شخص کے چہرے پر پھیرا اپنے چہرے پر کچھ چبھتا محسوس ہونے پر وہ شخص ہلکا سا جاگا جب اس نے

روشنی کو اس شرارت کے پیچھے پایا تو دوبارہ اس کو اپنی باہوں میں کھینچ لیا اگلے کئی منٹوں تک وہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ گلے لگے رہے اس کھنڈر نما گھر میں ایک بار پھر روشنی کی سسک اٹھی حالانکہ سسک بے درد تھی اسے ایسے زخموں کی خواہش اور محبت تھی اسے اس شخص کے لیے ہر تحفے سے محبت تھی بھلے ہی وہ درد ہی کیوں نہ ہو۔ باہر آسمان میں دھیرے دھیرے رات کی سیاہی پھیل رہی تھی اور چرندے پرندے اپنے گھر کو واپسی پر روانہ ہو رہے تھے۔ مگر خوشی کا سب سے خوبصورت پرندہ کسی کی آغوش میں پرسکون سویا ہوا تھا۔ باہر شام کی آرتی کی آواز سے وہ جاگی اور اس شخص سے الگ ہوئی۔ وہاں سے وہ کھڑے ہو کر اپنے کپڑے صحیح کرنے لگی اور ایک نظر باہر دوڑائی باہر ریت میں کوئی نہیں تھا لیکن اس

علاقے کے مندر کی روشنی اور آواز وہاں تک بہت آسانی سے پہنچ رہی تھی روشنی کے الگ ہونے سے وہ شخص جاگ گیا اور اس کے ساتھ باہر آیا۔

اس علاقے سے باہر آتے وقت دونوں کے راستے الگ الگ ہو گئے روشنی بار بار مڑ کر اس شخص کو دیکھنے لگی مگر وہ شخص اسے ایک بار بھی دیکھے بغیر اپنی منزل کے اور روانہ ہو گیا۔روشنی جب گھر پہنچی تو گھر کا ماحول بہت گرم تھا عادت کے برخلاف سارے بچے خاموش تھے اور کچن میں خوشی روتے ہوئے کھانا بنا رہی تھی اور اس کے آنسو اس سبزی کے پتیلے میں گر رہے تھے اس کے بازو سمیرا گھٹنوں میں سر دیے خود کو کوس رہی تھی کہ اس نے اپنی ماں کی بات کیوں مانی۔روشنی اپنا گلا صاف کرتے ہوئے سمیرا کے برابر آکر بیٹھ گئی۔"کیا ہوا ہے"کئی گھنٹوں کی خاموشی کو توڑتے

ہوئے روشنی نے کہا اس کی آواز پر سب سے پہلے اس پر سمیرا متوجہ ہوئے اسے ترش نگاہ سے دیکھ کر وہ اوپر کی طرف پیر پٹکتے ہوئے چلی گئی. اس کے جانے کے بعد کئی دیر تک روشنی قدرے حیرانی سے اس سمت دیکھتی رہی اس کی نظروں کا ارتکاز تب ٹوٹا جب اس کے کانوں میں اس کے ماں کی آواز پڑی۔ "لڑکے کو شادی نہیں کرنی ہے" روشنی کے چہرے کا رنگ غائب ہو گیا اس نے بے یقینی سے اپنی ماں کو بنا پلکیں جھپکائے کئی سیکنڈز دیکھا۔ "مگر کیوں۔" خوشی گیس بند کر کے پانی کے مٹکے کے پاس آئی اور اس سے ایک گلاس پانی نکال کر ایک سانس میں پی گئی۔ "کیونکہ لڑکے کو ہمارا گھر پسند نہیں آیا" خوشی گلاس کو مٹکے کے اوپر پٹکتی ہوئی بولی اور روشنی کی سمت بڑی روشنی کی سانسیں یک دم سے بے ترتیب ہونے لگی اسے اس وقت اپنی ماں کوئی انسان نہیں لگ رہی تھی۔

"شادی کا گھر سے کیا تعلق" اس نے کندھے اچکا کر کہا۔ اس کی لاپرواہی دیکھ کر روشنی نے اس کے اوپر بیلن سے حملہ کر دیا جس سے وہ بچ بچا کر اوپر کمرے میں سمیرہ کے پاس آگئی۔ سمیرا اس کو مکمل طور پر نظرانداز کرتے ہوئے خود پر بستر ڈال کر سونے کا ناٹک کرنے لگے کیونکہ وہ اس وقت کچھ ایسا نہیں کہنا چاہتی تھی جس سے اس کو بعد میں پچھتانا پڑے۔

وہ تینوں ہنستے ہوئے املی کھا رہی تھی اور صبور کی واہ واہ کر رہی تھی۔ وہ تینوں املی کھاتے ہوئے رکے جب ان کی نظر ایک مندر کے پاس کھڑے شخص پر پڑی جو حلیے سے وہاں کا نہیں لگ رہا تھا اور وہ ایک گورا تھا یعنی فرنگی جس نے آسمانی رنگ کے چیکس کا شرٹ پہنا تھا اور نیچے براؤن کلر کی شارٹس

پہنے تھے ہاتھوں میں کیمرہ لیے وہ اس مندر کی تصویریں بنا رہا تھا اور اس کے گلے میں راجستھانی ہی پتھروں کے ہار تھے۔ ان تینوں بہنوں کو اس سے بات کرنے اور ملنے کا ارمان ہوا وہ تینوں اس شخص کی جانب بڑھی۔ وہ تینوں اس شخص کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔ وہ فرنگی ان تینوں کی طرف متوجہ ہوا اور انہیں دیکھ کر اپنا کیمرہ نیچے کر لیا اس فرنگی کی نیلی نیلی آنکھیں دیکھ کر ان تینوں بہنوں کی آنکھیں حیرت کے مارے بڑی ہو گئ۔ "ہیلو" اس کی رنگی نے سنبل کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا سنبل نے چونک کر اپنے دونوں بہنوں کو دیکھا اور پھر اس سے ہاتھ ملا لیا۔ "کیا تم مجھے بتا سکتی ہو کہ یہاں گھومنے کے لائق کون سی جگہیں ہیں تا کہ میں وہاں جاؤں" اس شخص نے انگریزی میں کہا جو ان تینوں بہنوں کے سر کے اوپر سے چلا گیا وہ

تینوں ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگی پھر ایک گہری سانس لے کر اس شخص کی طرف اپنی انگلی بڑھائی اور انہوں نے مندر کے اندر لے گئی.

وہ شخص اب مندر میں موجود اس مورتی کو دیکھ رہا تھا جو سونے سے لت پت تھی اور اس مورتی کے کاریگری دیکھ کر وہ تھوڑا حیران ہوا اندر کی دیواروں میں سنسکرت زبان میں شلوک کند تھے۔اس نے باری باری سب کی تصویر بنائی۔ وہ آدمی تشکر انداز میں ان تینوں کو خود کی تصویریں بنانے کے لیے پوچھا ان دنوں میں بنا جھجک کے اسے اپنی تصویریں بنانے کی اجازت دے دی۔اب وہ پھر ہوں گے مندر کے دیگر جگہوں پر ان تینوں کی تصویریں بنا رہا تھا۔ وہ تینوں اپنی تصویریں دیکھ کر بے تحاشہ خوش ہوئی اور اسے ایک بار اور ملنے کے لیے کہا تا کہ وہ اسے اور کئی جگہ پر لے

جائیں۔ یہ ساری گفتگو ٹوٹی پھوٹی انگلش اور ہندی میں ہوتی رہی یا پھر اشاروں میں۔

وہ فرنگی امریکہ کے شہر نیویارک سے آیا ہوا تھا وہ ایک موضوع کے سلسلے میں انڈیا آیا تھا وہ ایک علم نفسیات کا استاد تھا اور اپنی ایک ریسرچ پر کام کر رہا تھا۔ اس نے اپنی پڑھائی کے دوران کچھ دماغی مریضوں سے دوستی کر لی جن کو مینیا (Mania) جس میں انسان بہت زیادہ پر جوش ہوتا ہے۔ اس کے دوست میں حد سے زیادہ اور لمحہ در لمحہ اس کا مزاج اور انداز بدل جاتا۔ کچھ دیر کے لیے اس کا رونے کا من کرتا تو اگلے ہی لمحے اسے زور زور سے ہنسنے کا دل کرتا اور وہ کبھی سائیکل کا شوقین ہو جاتا تو کبھی رائڈنگ کا۔

اس کا فرینڈ سرکل ایک غیر مذہبی تھا جس کو مذہب میں کوئی انٹرسٹ نہیں تھا بلکہ وہ مذہب کے خلاف ہونے والی کاروائیوں میں حصہ لیتے اور ان میں خود کو شامل کرتے۔ ڈیوڈ ہمیشہ سے ہی ایک مذہب پرست انسان رہا تھا بہت کم عمری میں اس نے اپنے گھر کو چھوڑ کر ہاسٹل میں رہ کر اپنی پڑھائی کی اور اپنا خرچہ خود اٹھایا لیکن جیسے جیسے وہ بڑھتا گیا دنیا نے اس کے ذہن میں ایسی ایسی باتیں ڈالی جس کی وجہ سے اس کا مذہب اور خدا پر بھروسہ اٹھ گیا۔

اس کے فرینڈ سرکل کی وجہ سے وہ ایک شرابی اور جوا کھیلنے والا بن گیا۔ مگر باوجود اس کے وہ کبھی اپنے مقصد اور پڑھائی سے دور نہیں ہوا۔ الیگزینڈر جو کہ اس کے ساتھ ایک یونیورسٹی میں اس کا کولیگ تھا۔ اس نے اسے اپنی

ایک پارٹی میں دعوت دی اس نے اس دوستی کو آگے بڑھانے کے لیے اس کی دعوت کو قبول کیا اور وہاں جانے کا اور اپنا فرینڈ سرکل بڑھانے کا ارادہ کیا۔

نیویارک کی رات

نیویارک... ایک ایسا شہر جو کبھی نہیں سوتا، جہاں روشنیوں کا سمندر بہتا ہے، اور جہاں ہر لمحہ ایک نئی کہانی جنم لیتی ہے۔ فلک بوس عمارتوں کے بیچ، سڑکوں پر رواں دواں بے شمار لوگ، چمکتی ہوئی گاڑیاں، اور کہیں دور ٹائمز اسکوائر کی رنگین روشنیاں، سب کچھ جیسے کسی خواب کا حصہ لگتا ہے۔

رات کے اس پہر بھی شہر زندہ تھا۔ سڑکوں پر ٹیکسیوں کی قطار، پیدل چلنے والوں کی بھیڑ، اور ہر طرف بے شمار اشتہاری بورڈز جگمگا رہے تھے۔ آسمان کی سیاہی کے نیچے، روشنیوں کا یہ جنگل اپنی پوری آب و تاب سے چمک رہا تھا۔ برُوکلین برج کے نیچے سے بہتا دریا، جس کی سطح پر روشنیوں کے عکس لرز رہے تھے، جیسے کوئی پوشیدہ راز بیان کر رہے ہوں۔

ہوا میں تازہ کافی کی خوشبو گھلی ہوئی تھی، جو کسی قریبی کیفے سے آ رہی تھی۔ سڑک کنارے فنکار اپنی موسیقی سے مسافروں کے دل بہلا رہے تھے، اور کہیں کوئی مصور، کینوس پر نیو یارک کے ہی رنگ بکھیر رہا تھا۔

ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ کی چوٹی پر جگمگاتی روشنی نیچے کی دنیا کو دیکھ رہی تھی، جیسے ایک خاموش گواہ ہو اس شہر کی ہر کہانی کا۔

یہاں ہر چہرہ مصروف تھا، ہر قدم کسی نہ کسی خواب کی جستجو میں تھا۔ کچھ لوگ اپنے موبائل میں مگن، کچھ جلدی میں، کچھ محبت میں گم، اور کچھ بس اس شہر کی چکاچوند میں کھوئے ہوئے۔ نیویارک کی رات میں ایک جادو تھا، ایک ایسی بے قراری، جو نیند سے زیادہ خوابوں کو زندہ رکھتی ہے۔

ڈیوڈ نیلے کلر کے فارمل کپڑوں میں اس پارٹی کے ایونٹ میں پہنچا وہ پارٹی ایک پرائیویٹ فارم ہاؤس پر ہو رہی تھی دروازے پر ہی اسے الیگزینڈر نے استقبال کیا اور اسے اپنے دوستوں سے ملنے لگا۔ الیگزینڈر اسے اپنے

دوستوں کے ساتھ بات کرتا ہوا چھوڑ کر کہیں دوسری اور بات کرنے چلا گیا کیونکہ وہ اس کی برتھ ڈے پارٹی تھی تو وہ سب کو پرسنلی اٹینشن دے رہا تھا۔ اس کے دوستوں میں کئی دوست لڑکیاں بھی تھی اور لڑکے بھی تھے اور کچھ ٹرانسجینڈر کے بھی تھے ان سے بات کر کے انہیں پتہ چلا کہ وہ کس طرح سے اس شہرت کے مالک بن گئے ہیں جس کو وہ کبھی ایک حلال طریقے سے نہیں پا سکتے وہ جیسے جیسے ان کی کہانیاں سنتا گیا اس کا دماغ ایک ڈائمنشن سے نکل کر کسی اور ڈائمنشن میں چلا گیا تھا وہ اب ذہن کے ہر سرحد کو توڑ کر کسی اور دنیا میں جانا چاہ رہا تھا اس کے دل میں اس دنیا میں جانے کی چاہ ہوئی جس دنیا میں اسے بنا محنت کے سب حاصل ہو جاتا۔

چارلی نام کے ایک بندے نے اسے ایک جگہ آنے کی صلاح دی جہاں پر اس کے سارے سوالوں کا جواب اسے مل جائے گا اس نے فوری طور پر اس کے ہاتھ سے اس کارڈ کو لے لیا اور اس کا تشکر کرنے لگا۔ کئی دیر تک وہ پارٹی میں بے مقصد انجان لوگوں سے ملتا رہا اور ان کے خیالوں کو اپنے خیالوں سے ملانے کی کوشش کرنے لگا وہ ان کے ساتھ شراب پینے لگا اور سامنے ہونے والی ایک ڈانس پروگرام کو بھرپور انجوائے کرنے لگا۔ سٹیج پر اک نوجوان لڑکی اپنا جسم عیاں کر کے ناچ رہی تھی اور وہاں بیٹھے سب لوگوں میں سے کچھ مرد حضرات اس پر پیسے پھینک رہے تھے اور کھلم کھلا فحاشی کر رہے تھے۔ یہ پارٹی کوئی عام پارٹی کی طرح نہیں تھی بلکہ اس پارٹی میں ہونے والی ہر کاروائی مذہب کے خلاف تھی اس پارٹی میں عجیب عجیب

طرح کے جادو ہو رہے تھے اور ایسی ایسی چیزیں کھائی جا رہی تھی جو انسانی جسم اور مذہب دونوں کو نقصان پہنچاتی۔

پارٹی ختم ہونے کے بعد الیگزینڈر نے اسے ذاتی طور پر ڈیوڈ گھر چھوڑنے کا فیصلہ کیا ایک عالی شان کار میں وہ بیٹھے ہوئے اس کار کا معائنہ کرنے لگا ایسی مہنگی کار میں وہ پہلی بار بیٹھا تھا اس نے سوچا کہ ایک نارمل نوکری سے وہ اس کار کو تو حاصل نہیں کر پائے گا وہ خاموش سا سامنے کی طرف دیکھنے لگا تبھی اس کی سوچ کا ارتکاز ٹوٹا "کیسی لگی تم ہی پارٹی" الیگزینڈر کی مردانہ اواز اس کے کانوں میں پڑی اس نے مسکرانے کی کوشش کی اور پھر کہا کہ "بہت اچھی تھی مجھے تمہارے دوستوں سے مل کر بہت اچھا لگا" ڈیویڈ نے بڑی اسانی سے اور سکون سے کہا حالانکہ اس کے دل کا حال بالکل

مختلف تھا۔ "اور ایسی پارٹی میں آنا چاہو گے" الیگزینڈر نے کار کو اس کے گھر کے سامنے روکتے ہوئے بڑی سنجیدگی سے اسے سوال کہا جوابا اس نے سر اسبات میں ہلا دیا۔ دونوں رسمی الوداعی کلمات کے بعد اپنے اپنے گھر چلے گئے۔ گھر کے اندر داخل ہوتے ہی وہ صوفے پر لیٹتے ہوئے سیلنگ کو گھورنے لگا اس نے انکھیں بند کی تو وہ الیگزینڈر کی شان و شوکت کی دنیا میں کھو گیا اسے وہاں موجود عالی شان گھر کار پیسہ بہت عزیز لگنے لگا۔ اس نے اس دنیا میں اپنا کردار بھی ایڈ کیا اسے یہ تصور کر کے بہت خوشی مل رہی تھی کہ وہ بھی اس دنیا کا مالک ہے۔

ڈیوڈ اپنے کچھ دوستوں کے ساتھ ان کے مریض کے دوران ان کے ساتھ رہا وہ مریض دھیرے دھیرے اب پیرانو میل ایکٹیوٹی میں آ گئے تھے وہ

راتوں کو بے مقصد ہنسا کرتے اور کسی کو بھی نقصان پہنچا سکتے تھے باوجود اس کے انہوں نے کبھی ڈیوڈ کو نقصان نہیں پہنچایا کیونکہ ڈیوڈ نے کبھی ان کے سامنے ایک مذہب پرست ہونے کا دعوی نہیں کیا تھا اور نہ ہی وہ کبھی یہ جتاتا کہ وہ کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے وہ ان لوگوں کی پیرانامل ایکٹیوٹی کو نارمل کہتا شاید اسی لیے وہ لوگ اسے نقصان نہیں پہنچایا کرتے تھے۔آج بھی وہ ایک دماغی ہاسپٹل میں اپنے دوست کے ساتھ رات میں قیام پذیر تھا۔اس کا دوست ایک وی ائی پی روم میں آرام کر رہا تھا اور اسی کمرے میں موجود صوفے پر وہ بھی لیٹا ہوا تھا اور اس کے سینے پر ایک نفسیاتی بیماری کی کتاب تھی جسے وہ پڑھتے پڑھتے سو گیا تھا۔رات کے درمیانی پہر میں اس کی آنکھ کھلی وہ انکھ رگڑتا ہوا اپنے دوست پر متوجہ ہوا مگر اس کا دوست بیڈ کی بجائے دیوار کے اوپر زمین کی سمت منہ کیے الٹا لٹک

رہا تھا اس نے اپنے ذہن پر قابو پانے کی کوشش کی مگر اس پل اس کے ذہن نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا اور اس نے ایک نارمل انسان کی طرح بیہیو کرنا سٹارٹ کیا۔ اس کا دل کسی ٹرین کی رفتار کی طرح چلنے لگا اور اس کی آنکھیں خوفزدہ ہونے لگی ڈر کے مارے اس کے پورے جسم میں پسینہ آنے لگا اور اس کا حلق خشک ہونے لگا۔

اس کے دوست نے گردن موڑ کر اسے دیکھا اس نے ڈیوڈ کو دیکھ کر مسکرایا لیکن اس کے دوست کی شکل بدل چکی تھی اس کے دوست کے دانتوں میں خون لگا ہوا تھا اور اس کے بال سفید ہو رہے تھے اس کے کان میں ایک دم سے خون نکلنے لگا اور اس کی انکھیں سفید ہونے لگی۔ اس کا دوست کسی برق رفتاری سے نیچے آیا اور اس کے عین مقابلہ کر کھڑا ہو گیا اس کے

دوست نے ہنستے ہوئے بڑے خوفناک اور حیوانیت سے اس کے چہرے پر ہاتھ پھیرا اس کی آواز بدل چکی تھی۔ "تو بھی ہماری دنیا کا حصہ ہے بس تیرا جسم یہاں کا ہے تو ساری سرحدیں توڑ کر ہماری اس دنیا میں آ جا۔" اس کی دوست کی زبان سے ایک لڑکی کی آواز آ رہی تھی۔ شاک کے مارے ڈیوڈ کی آواز ہی چلی گئی۔ اس کا دوست اس کی مزید قریب اکر اس کے کان میں سرگوشی کرنے لگا "مجھے اپنی روح بیچ دے" شیطانی آواز میں اس کے دل کی دھڑکنوں کو بند کرنے کی کوئی کسر نہیں چھوڑی تھی مگر اگلے ہی پر اس کا دوست بے ہوش ہو گیا اور اس کے اوپر گر گیا اپنے دوست کو واپس بیڈ پر لٹا کر وہ پانی کا جگ لے کر ایک سانس میں سارا پانی پی گیا اس نے پہلی بار خوف سے روبرو ہو کر اس کی آواز سنی تھی لیکن اب وہ بھاگنا نہیں چاہتا تھا وہ اس طاقت سے ملنا چاہتا تھا۔

نیویارک میں وہ اسی طرح جیتا رہا اس کے دماغ میں ایک جملہ ہمیشہ گونجتا رہا "مجھے اپنی روح بیچ دے" وہ اس سوال کے پیچھے کا مطلب سمجھنا چاہ رہا تھا اس نے اس طرح کے لوگوں سے اپنا سوال کیا تو انہوں نے اسے کئی طرح کے جواب دیے اور وہ کسی بھی جواب سے مطمئن نہیں ہوا ایک دن وہ لائبریری میں بیٹھے اپنے مضمون کے متعلق پڑھائی کر رہا تھا اس کے تھیسس میں ایک بار شامل تھی ہندوستان میں کس طرح بھوت پریت کو الگ کیا جاتا ہے اس سے یہ بات بہت دلچسپ لگی۔اس کے بعد اس نے ہندوستان کے متعلق پڑھنا شروع کیا یہاں کے کلچر مندر مسجد کے تعویز دھرم لوگ سب اس کے تھیسس میں شامل ہو گیا۔اس نے سوچا کہ وہ ایک بار ہندوستان کو دورا کرے گا۔انڈیا آنے سے کچھ دن پہلے اس کی

ملاقات الیگزینڈر سے ہوئی وہ دونوں ایک چرچ کے باہر اتفاقاً ٹکرائے تھے۔ان دونوں کو وہاں ایک دوسرے کو دیکھنے کی توقع نہیں تھی۔"او ہائے کیسے ہو تم" الیگزینڈر نے سنبھلتے ہوئے سامنے سے سلام کیا اور دوسری طرف ڈیوڈ بھی سمبھل چکا تھا۔

تھوڑی دیر بعد بات چیت کے بعد وہ دونوں ایک کیفے میں بیٹھ کر بات کرنے لگے باتوں کے درمیان کافی پیتے ہوئے الیگزینڈر نے ڈیوڈ کو بہت غور سے دیکھا اور اپنا حلق صاف کرتے ہوئے اس سے کہا" تمہارے سوالوں کا جواب چارلی کے پاس ہے" الیگزینڈر کے اچانک تبصرے پر ڈیوڈ کے 24 طبق روشن ہوئے اس نے بے یقینی سے الیگزینڈر کو دیکھا پھر کافی

کا کپ نیچے رکھ کر اپنا منہ صاف کرنے لگا۔ "تم کیسے جانتے ہو کہ میں کیا سوچ رہا ہوں "اس نے اپنے حلق میں قید الفاظوں کو آزاد کیا۔

"کیونکہ میں بھی ایک وقت تمہاری طرح الجھا ہوا تھا اپنے خیالوں سے لڑ رہا تھا پھر اس کے بعد مجھے راہ ملی وہ راہ مجھے چارلی نے دکھائی وہی طاقتیں مجھے تمہارے اندر کیا چل رہا ہے بتا رہی ہیں" یہ پہلی مرتبہ تھا جو الیگزینڈر نے اتنے اسان لفظوں میں اپنی بات رکھی تھی ورنہ وہ ہر بار لفظوں کی جلیبی بنا کر پیش کرتا۔ "میرے سمجھ نہیں پا رہا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو" الیگزینڈر نے اس کے جواب پر قہقہ لگا کر ہنسنا شروع کر دیا وہ جانتا تھا کہ سامنے بیٹھا شخص بڑی آسانی سے جھوٹ بول سکتا ہے۔ "ڈیوڈ میرے یار آج رات تم چارلی کے پاس جانا اس کے پاس جا کر یہ ناٹک کرنا تمہیں اچھا خاصا فائدہ ہو گا-" اس نے طنزیہ انداز میں کہا اور جیب سے پیسے نکال کر ٹیبل پر رکھ

دیے اور جاتے ہوئے ڈیوڈ کے شانے تب تباہ ہونے لگا جیسے وہ ہمت دے رہا ہو۔

الیگزینڈر کے کہنے کے مطابق وہ رات کے تقریبا 10 بجے چارلی کے گھر پہنچا گھر کا مرکزی دروازہ اس کے بیل بجانے سے پہلے ہی کھل گیا اور اندر سے اجازت دی گئی۔ وہ آہستہ آہستہ قدم لیتا اندر کی اور بڑا اندر مکمل طور پر اندھیرا تھا روشنی کے نام پر بس ایک موم بتی جل رہی تھی اور وہ بھی ختم ہونے والی تھی اس نے اپنی جیب سے رومال نکال کر اپنے ماتھے پر آنے والے پسینے کو پوچھا اور آگے کی جانب بڑھا آگے قدم رکھتے ہیں وہ کسی چیز سے ٹکرایا، ٹکرانے پر وہ چیز حرکت کرتی ہوئی وہاں سے بھاگ گئی شاید وہ کوئی بلی یا چھوٹا کتا تھا۔ دائیں طرف سے اسے ایک آواز آئی وہ اس آواز سے

واقف تھا یہ آواز چارلی کی تھی اس نے ہمت کر کے دائیں طرف قدم رکھا کچھ قدموں کے بعد وہ چارلی کے سامنے تھا۔ چارلی راکنگ چیئر پر جھولتا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا اس کے آنے پر اس نے کتاب بازو موجود ٹیبل پر رکھ دی اس نے ایک اشارہ کیا اور ایک دم سے اندھیرا غائب ہو گیا وہ اندھیرا میں دھسا گھر ایک دم سے ایک روشندان محل بن گیا روشنی کے آتے ہی ڈیوڈ نے چاروں طرف نظر دوڑائی ہر طرف صرف روشنی تھی۔

اس کی نظریں گردش کرتے ہوئے واپس چارلی کے اوپر آئی اس کی نظر حیرت کے مارے ایک بار پھر کھل گئی وہ دو قدم کو پیچھے ہوا مگر سامنے کھڑا شخص اسے دیکھ کر ہنستا چلا گیا یہ ہنسی انسانوں والی نہیں تھے چارلی بالکل برہنہ حالت میں اس کے آگے بڑھ رہا تھا اور اسے ایک جگہ رکنے کے لیے

اشارہ کر رہا تھا۔ڈیوڈ پیچھے چلتا ہوا دیوار سے ٹکرا گیا اس کی آنکھیں خوف سے بھری ہوئی چارلی سے ملی چارلی کی نظروں نے اس کی روح کو اپنی مٹھی میں کر لیا اور اس رات ڈیوڈ نے پورے علم اور اپنی مرضی سے اپنی روح کو شیطان کے حوالے کر دیا۔

اب واپس آتے ہیں راجستھان میں اس لارج کے سیاہ کمرے میں جہاں وہ بیڈ پر لیٹا سلنگ کو گھورتے ہوئے ان تینوں بہنوں کو سوچ رہا تھا ان تینوں میں اس کی سوچ صرف ایک لڑکی پر اٹک گئی تھی اور وہ تھی سانولی رنگت کی سنبل جس کی آنکھوں میں اس نے اپنے جیسی خواہشات پائی تھی اس نے ان خواہشات کو پورا کرنے کے لیے اس کی مدد کرنے کا سوچا اس نے سوچا کہ شیطان خواہشات پورا کر سکتا ہے جبکہ شیطان تو انسان کا کھلا ہوا

دشمن ہے یہ یہ صرف اسلام نہیں کہتا بلکہ دنیا کا ہر مذہب کہتا ہے مگر ہم اپنے نفس کے آگے بک جاتے ہیں اور اسی کو اپنا دوست مان لیتے ہیں۔ دوسرے دن اس کی سوچ کے مطابق وہ تینوں بہنیں اس کے پاس آئی۔ ڈیوڈ نے تینوں کو سب سے پہلے آئس کریم کھلائی اور ان کے ساتھ یہاں وہاں کی باتیں کرتا گھومنے لگا۔

باتوں کے درمیان صبور نے اسے بتایا کہ ایک مندر کے باہر بھوتوں کو بھگایا جاتا ہے ڈیوڈ اس بات سے کافی زیادہ خوش ہوا کیونکہ یہ اس کی تھیسز کو مکمل کر سکتا تھا۔ وہ تینوں ڈیوڈ کے ساتھ ایک جگہ آئس کریم کھاتے ہوئے بیٹھ گئی لیکن ان چاروں کو ایک ستون الگ کر رہا تھا جس کے ایک طرف صبور اور سمیہ تھے اور دوسری طرف سنبل اور ڈیوڈ۔ سنبل نے اپنے آئس

کریم ختم کر کے ڈیوڈ کو دیکھا ڈیوڈ نے اسے مسکرا کر دیکھا اور اس کے سر پر ہاتھ رکھ دیا۔ ''کیا تم میری دوست بنو گی'' اس نے ٹوٹی پھوٹی ہندی میں اس سے پوچھا جوابا سنبل نے ہاں کہا اور اس سے ہاتھ ملا لیا.

شام کا وقت تھا، مہاتما گاندھی گورنمنٹ اسکول، جیسلمیر، سنّاٹے میں ڈوبا ہوا تھا۔ دن بھر کی گہما گہمی کے بعد اب وہاں خاموشی کا راج تھا۔ بڑے سے آہنی گیٹ پر ایک پرانی زنجیر جھول رہی تھی، جو ہلکی ہوا کے ساتھ ہلتی اور مدھم سی کھڑکھڑاہٹ پیدا کر رہی تھی۔

اسکول کے صحن میں پیلے پتوں کی تہہ بچھ چکی تھی، جو راجستھان کی خشک ہوا کے ساتھ کبھی اِدھر تو کبھی اُدھر اڑتے جا رہے تھے۔ میدان میں وہی پرانی لکڑی کی بینچیں رکھی تھیں، جہاں دن میں بچے بیٹھ کر ہنستے اور باتیں کرتے تھے، مگر اب وہ تنہا نظر آ رہی تھیں۔

کلاس رومز کی کھڑکیاں آدھی کھلی تھیں، جیسے کسی نے جاتے ہوئے بند کرنا بھول دیا ہو۔ ایک بلب کسی کمرے میں مدھم روشنی بکھیر رہا تھا، جس پر کیڑے منڈلا رہے تھے۔ بلیک بورڈ پر ابھی تک کسی استاد کی لکھی تحریر باقی تھی، مگر اب اس پر گرد کی ایک ہلکی تہہ جم چکی تھی۔

۔ کچھ دور اسکول کے پیچھے لگے نیم کے درخت کی شاخیں ہوا میں سرسرا رہی تھیں، اور کبھی کبھی کسی پرندے کے پروں کی پھڑپھڑاہٹ اس خاموشی میں ہلکی سی لرزش پیدا کر دیتی۔

یہ وہی اسکول تھا جہاں صبح کو بچوں کی ہنسی گونجتی تھی، اساتذہ کی آوازیں سنائی دیتی تھیں، اور بستوں کی کھٹکھٹاہٹ ہوتی تھی۔ مگر اب... اب بس سائے تھے، خاموشی تھی، اور وقت جیسے رک سا گیا تھا۔

مہاتما گاندھی گورنمنٹ اسکول میں ہر طرف خاموشی تھی اس تین منزلہ عمارت میں ہر دروازہ بند تھا سوائے سٹاف روم کے وہاں سے کسی کے رونے کی آواز آرہی تھی۔ ایک مردانہ اوازاس اسکول کے فضا میں

گونجی۔"اگر تم میری بات نہیں مانو گی تو میں تمہیں فیل کردوں گا" یہ اواز سائنس کے ٹیچر رگھوناتھ کی تھی جو ایک اڑھیر عمر کا شخص تھا۔ مصباح نے روتے ہوئے اسے منع کیا اور باہر کی طرف دوڑی اس سے پہلے وہ دروازے تک پہنچتی رگھوناتھ نے اس کے یونیفارم کا کالر پکڑ کر اسے روکا ۔مصباح کے رونے میں اضافہ ہوا رگوناتھ نے اسے زبردستی کھینچ کر بینچ کی طرف لایا اور اس کی طرف جھکا اس سے پہلے وہ اسے چھوتا مصباح نے بینچ کے اندر پڑے پین کو نکال کر اس کی ٹانگ پر مار دیا اور وہاں سے برق رفتار اس سے باہر آئی اور دروازہ بند کر دیا۔

اندر رگھوناتھ درد کے مارے چیختا چلاتا رہا مگر وہ اپنا بیگ لے کر باہر جا چکی تھی۔ وہ گیٹ کی طرف پہنچ کر ایک دم سے رک گئی اس نے دور سے اپنی

ماں کو آتے ہوئے دیکھا اس نے جلدی جلدی اپنا چہرہ صاف کیا اور اپنے کپڑے صحیح کیے اور مسکرانے کی کوشش کی۔ خوشی اس کے قریب پہنچتی ہے اسے غور سے دیکھنے لگی۔ "کیا ہوا تم اکیلی کیوں ہو یہاں ابھی تک کیوں ہو یہاں پر" اس نے بلند آواز میں سختی سے کہا اور اس کا بازو پکڑ کر اسے کھینچ کر چلنے لگی مصباح کے بازو پر خوشی نے اپنے گرفت بہت مضبوط رکھی تھی اس کے باوجود مصباح کو اس درد کا احساس نہیں ہوا کیونکہ اس کا دماغ اپنا زخم بھلا نہیں پا رہا تھا اسے اس حادثے سے بہت خوف آ رہا تھا اس نے فیصلہ کیا کہ وہ یہ بات کسی کو نہیں بتائے گی۔

گھر آتے ہی خوشی نے مصباح کو بہت ڈانٹا مگر وہ چپ چاپ ایک کونے میں بیٹھی رہی اس کا ذہن اس ڈانٹ کو نہیں سن رہا تھا۔ اس کے ذہن میں

مستقبل میں ہونے والی یا ہو سکتی تھی کاروائیوں کو تصور کرنا شروع کیا اور وہ ان کاروائیوں میں کس طرح کارد عمل کرے گی اسے سمجھ نہیں آرہا تھا جو وہ کل اسکول جائے گی تو کس طرح کارد عمل کرے گی۔ تھوڑی دیر بعد خوشی چلا چلا کر اپنے اپ خاموش ہو گئی اور اس کو کھانے کے لیے پلیٹ میں روٹی اور سبزی نکال کر دی لیکن مصباح صاف انکار کر دیا۔ وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

وہ گھر کے باہر آ کر چپ چاپ سمیہ کے برابر بیٹھ گئی سمیہ وہاں بیٹھی اپنا ہوم ورک کر رہی تھی اسے خاموش دیکھ کر وہ کچھ چونکی اس نے اپنی کتابیں بیگ میں رکھ کر اس سے مخاطب کیا۔ "کیا ہوا ہے" اس نے بالکل نرم لہجے میں اس سے کہا۔ سمیہ نے محسوس کیا کہ مصباح کے دل کی دھڑکن ہی

بہت زور سے چل رہی ہے اور اس کی آنکھیں نم ہیں اس نے اندازہ لگایا کہ یہ خوشی کی ڈانٹ کا نتیجہ نہیں ہے کیونکہ ان ساتوں کو اس کی ڈانٹ کی عادت تھی جسے وہ ہمیشہ نظر انداز کیا کرتے تھے اور کبھی غم منایا نہیں کرتے تھے۔ "مجھے سمجھ میں نہیں آرہا ہے کہ میں آگے کیا کروں گی "مصباح کی بات پر سمیہ کو مزید حیران کر دیا اس نے نا سمجھنے والے انداز میں اسے دیکھا اس کو اپنی طرف متوجہ کیا "مصباح تم مجھے بتا سکتی ہو کیا ہوا ہے میں ممی کو نہیں بتاؤں گی اور تمہارا ساتھ دوں گی بھلے ہی تم اس میں غلط ہو یا صحیح مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا۔ "مصباح نے اپنی بہن کی آنکھوں میں دیکھا اس نے نہ چاہتے ہوئے بھی اس پر اعتبار کر لیا اور اسے پوری بات بتائی۔

سمیہ کی آنکھوں میں خون اترنے لگا اس نے غصے سے اپنی مٹھی بھینچ لی اس کے تعاثرات بہت سخت اور سنجیدہ تھے۔ جیسے وہ ابھی رگھوناتھ کا قتل کرنا چاہ رہی ہو۔ سمیہ نے اس سے کہا کہ "تم نے وہ پین اس کے گلے میں کیوں نہیں مارا مر جاتا وہ" مزبہ اس کے سینے سے لپٹ کر شدت سے رونے لگی اس نے اپنا سارا خوف ان آنسو کے ساتھ بہا دیا اسے اب ہلکا اور پر سکون محسوس ہو رہا تھا مگر اس کے بر عکس سمیہ اپنے ذہن میں رگھوناتھ کے قتل کا پلان بنا رہی تھی۔ ۔ سمیہ کے دل میں ایک خواہش جگی کہ وہ رگوناتھ کے جسم کے ٹکڑے ٹکڑے کرے اور ان ٹکڑوں کو اسی اسکول کی زمین میں دفن کر دے۔

سفید دیواروں پر بھورا رنگ پینٹ کیا جارہا تھا اس کی دیواروں میں لگی کھڑکیوں کے شیشوں کو صحیح کیا جارہا تھا وہ گھر اعتراف سے ملازموں سے گھرا ہوا تھا۔ سامنے موجود باغیچے میں مالی نئے نئے پودے لگوا رہا تھا اور پرانے پودوں کو پانی دے رہا تھا اور ان کی مرمت کر رہا تھا۔ گھر کے اندر آؤ تو وہ گھر اندر سے بے حد خوبصورت تھا پتھر کی دیواروں میں پینٹ نہیں کیا گیا تھا بلکہ وہاں وال پلیٹس لگائے گئے تھے اور کچھ مختلف ساخت کے شیشے لگائے گئے تھے کوئی دائرے والا تو کوئی مربے والا تو کوئی مستطیل نما تو کوئی مخمس۔ ہال میں چاروں طرف لمبے لمبے پتے والے پودے رکھے گئے تھے اور صوفے اور کرسیوں پر سفید چادر چڑھائی گئی تھی۔ اس ہال کی وسطی دیوار پر آیت کلمہ لکھا جارہا تھا اور اس کے نیچے اور اعتراف ار ٹیفیشل

پھولوں کو لگایا جا رہا تھا۔ بائیں طرف تین کمرے دائیں طرف تین کمرے اور اس وسطی دیوار کے اس پر ایک بڑا وسیع کچن۔ کچن میں آؤ تو کچن ماڈرن زمانے کا تھا گیس کو کچن کاؤنٹر کے اندر ہی نصب کیا گیا تھا اور پورا فلور سفید چمکتی ٹائلس سے سجایا گیا تھا برتن رکھنے کے لیے کچن کاؤنٹر کے نیچے ہی محراب بنائے گئے تھے جو کہ لکڑی کے تھے اور ان کے دروازے بھی تھے کچن کاؤنٹر کے اوپر ایک بڑی سی کھڑکی تھی اور اس کے سامنے عام کا پیڑ کچن کے کونے میں ڈبل ڈور فریزر کھا گیا تھا اس کچن میں ضرورت کا ہر سامان موجود تھا جیسے مائیکرو وے ٹوسٹر گرائنڈر مزید۔

"ویسے کون آرہا ہے" دیوار پر کیل ٹھوکتے ایک ملازم نے دوسرے ملازم سے پوچھا" دوسرا ملازم ٹیبل پر گلدان میں پھول رکھتے ہوئے مسکرایا"

عیسی امین سر آرہے ہیں" پہلے ملازم نے نہ سمجھنے والے انداز میں دوسرے ملازم کو دیکھا جیسے کہہ رہا ہو کون عیسی امین. "اس علاقے کے ڈی ایس پی صاحب ہیں ان کا یہاں ٹرانسفر ہوا ہے. وہ اپنی بیوی کے ساتھ یہی رہیں گے" دوسرے ملازم نے تفصیلی طور پر پہلے ملازم سے کہا پہلے ملازم نے سمجھنے والے انداز میں اپنی شانے اچکا دیے اور ہتھوڑی لے کر کچن میں چلا گیا۔ دو دن تک اس گھر کی مرمت اور چیزوں کو رکھا اور سجایا جا رہا تھا۔ دو دن بعد ملازموں کو گاڑی کے ہارن کی آواز ائی سب ایک جٹ ہو کر باہر کی طرف آئے۔" وہ سر میں یہ رنگ کے کوٹ میں کالے چمکدار شوز کو زمین پر رکھتے ہوئے گاڑی سے اترا اور اپنے آنکھوں پر موجود چشمے کو نکال کر اپنی جیب میں رکھ لیا اس کے چہرے پر اس گھر کو دیکھتے ہی ایک دلفریب مسکراہٹ آئی اس کی آنکھیں ہلکی سی سرمئی تھیں اور اس کی ناک کسی

بادشاہ کی سلطنت جیسی خوبصورت تھی ہلکی سی داڑھی اور مونچھیں اسے مزید خوبصورت بنارہی تھے ان ملازموں کے لیے وہ دنیا کا سب سے خوبصورت آدمی تھا۔ وہ گاڑی سے اتر کر دوسری طرف چل کر آیا اور اپنی بیوی کے لیے دروازہ کھولا۔ اس کی بیوی نے عیسی امین کے بڑھائے گئے ہاتھ پر اپنا ہاتھ رکھا اور کار سے اتری وہ سفید ساڑی پر سرخ گلاب بنائے گئے یہ لباس میں کوئی افسر لگ رہی تھی اس نے اپنے بال ایک جوڑے میں بند رکھے تھے اور اس کی کالی گہری آنکھیں اس گھر کو دیکھ کر بے ساختہ مسکرائیں۔ ریم امین نے چاروں طرف نظر دوڑائی اسے ہر چیز وہاں پرفیکٹ اور خوبصورت لگی اس نے مسکرا کر اپنے شوہر کو دیکھا۔ عیسی امین نے اس کے کندھے پر اپنا رکھ کر اندر قدم بڑھایا جوں جوں آگے چلتا گیا سارے ملازموں سے سلام کرتے گئے جوابا وہ بھی اسی محبت اور عزت سے ان کے

سلام کا جواب دیتا رہا گھر کے اندر داخل ہوتے ہی ان دونوں کو ملازموں نے فریش جوس صاف کیا۔اس کی بیوی نے دیوار پر لگی آیت کلمہ پر نظر ڈالی۔"اچھا ہے نا"عیسی نے اسے مخاطب کیا اس ایت کلمہ سے نظر ہٹائے ہوئے اگر ریم نے بڑے نرم لہجے میں اس آیت کلمہ کی تعریف کی اس کو جس نے بھی بنایا تھا وہ بہت ماہر تھا وہ سفید دیواروں پر کالے رنگ کی کیلیگرافی میں لکھا گیا آیات کلیمہ کسی کو بھی پر سکون کر سکتا تھا یا یوں کہوں کہ وہ اس گھر کا دل تھا۔"مجھے بہت اچھا لگا یہ گھر میں داخل ہوتے ہی اگر خدا کی یاد آجائے تو اس سے بہتر جگہ کوئی اور نہیں"ریم اس شاہکار سے مسحور ہو گئی تھی۔"مجھے تو تمہیں دیکھ کر بھی خدا کی یاد آتی ہے کہ اس نے مجھ جیسے انسان کو تمہیں کیسے سونپ دیا تم تو کوئی جنت کا عجوبہ لگتی ہو"عیسی نے ریم کو اپنی طرح متوجہ کر کے اس کے لٹوں کو کان کے پیچھے کرتے

ہوئے بولا جوا باریم سرخ ہوئی اس کے چہرے پر چھائی سرخی دیکھ کر عیسی بے ساختہ مسکرایا ریم فوراً اس کے سینے سے لگ گئی۔ وہ دونوں پورا گھر دیکھنے لگے اوپری منزل پر عیسی نے ایک کمرے کو کتابوں سے سجایا تھا اور ان کتابوں میں زیادہ تر دین کی کتابیں تھی جو اس کی بیوی کی پسندیدہ تھی۔ ایک اور کمرے کو اس نے کھیلنے کے لیے بنایا تھا کیونکہ وہ ٹیبل ٹینس کا شوقین تھا اور وہ اکثر ریم کے ساتھ کھیلا کرتا۔ چھت پر آؤ تو وہاں ایک سفید پھولوں سے سجایا گیا جھولا تھا اور اس کے سامنے گول میز جس کو دھاتوں سے بنے پھول اور پتے رکھے گئے تھے۔ وہ دونوں جھولے پر آ کر بیٹھے اور اپنے گھر کی تعریف کرنے لگے تبھی فضا میں ظہر کی اذان گونجی تو دونوں خاموش ہو کر اذان کو سننے لگے اذان کے بعد دونوں نے دعا کی۔ "میں نماز

پڑھ کر آتا ہوں تم ہی نے پڑھ لینا" وہ جھولے سے اٹھتا ہوا بولا ریم نے اس بات میں سر ہلایا اور اس کے ساتھ نیچے آ گئی۔

نیچے کمرے میں نماز پڑھ رہی تھی اور اس کے آواز پورے گھر میں گونج رہی تھی گھر کی دیواریں اس کی آواز سے زندہ ہو رہی تھی اور رب کی ثنا میں پر سکون ہو رہی تھی نماز کے بعد اس نے قرآن کی تلاوت کی۔ تلاوت کے بعد وہ ہال میں آئی اس نے اپنا حجاب نہیں اتارا تھا۔ وہ ملازموں کو کھانے کے متعلق ہدایتیں دے رہی تھی تبھی عیسی ہاتھ میں پھول لیے اس کی طرف بڑھا۔ عیسی کے ہاتھ میں سرخ گلاب دیکھ کر ریم کھل کھلا کر ہنسی اور ہنستے ہی چلی گئی اس کے برابر بیٹھ کر عیسی اسے فرصت سے ہنستے ہوئے دیکھ رہا تھا اس کی ہنسی اسے ہمیشہ ایک نئی زندگی بخشتی تھی اس نے پھول اس کی

طرف بڑھائے اور اس کے ہاتھ کی پشت کو چوما۔ "آپ کو یہ پھول کہاں سے مل جاتے ہیں" وہ کئی دیر ہنسنے کے بعد پھولوں کی خوشبو سونگھتے ہوئے بولی وہ پھول جتنے خوبصورت نظر آتے تھے اتنی اس کی خوشبو تھی۔ "اللہ نے دیے ہیں آپ کے لیے اللہ نے کہا کہ اپنے پھول کے لیے میری طرف سے پھول لے جاؤ تو میں لے آیا" اس کے بعد پر وہ ایک بار پھر ہنسنے لگی۔

"تو مجھے اللہ کا شکریہ ادا کرنا چاہیے"

"بالکل تمہیں اللہ کا شکر گزار ہونا چاہیے کیونکہ اس نے اس پھول کے ساتھ تمہیں مجھے دیا ہے" عیسی خود کے شانے خود ہی تھپتھپاتے ہوئے بولا. ریم نے گردن اٹھا کر دیکھا اور دعا کے لیے ہاتھ جوڑے "شکریہ اللہ کہ تو نے مجھ پر ہمیشہ کرم کیا ہے" دعا کے بعد اس نے اپنے برابر بیٹھے عیسی کو بغور دیکھا وہ اس کی آنکھوں میں اپنا عکس دیکھ رہی تھی اور اس کے دل

میں اپنی جگہ. شادی کے چھ سال بعد بھی وہ اسے اسی طرح چاہتا تھا جس طرح وہ پہلے دن چاہتا تھا اس کی محبت دن بدن بڑھ رہی تھی.

تھوڑی دیر بعد وہ دونوں کھانے کی میز پر کھانا کھا رہے تھے اور ساتھ ہی عیسی اسے اپنے بزی شیڈیول کے بارے میں بتا رہا تھا۔ ریم اسے بہت دھیان سے سن رہی تھی اسے اندازہ ہوا کہ عیسی بہت مصروف ہے اور رات میں بھی اسے اکیلے رہنا ہو گا۔ عیسی نے اسے بتایا کہ رات میں اس کے ساتھ ایک ملازمہ رہے گی اور دن میں تو سارے ملازم رہیں گے۔ ویسے ریم بے خوف تھی اسے اکیلے رہنے سے کوئی پرابلم نہیں تھی۔ مگر پھر بھی عیسی نے کوئی بھی رسک لینے سے پرہیز کیا۔ کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے

کمرے میں آئے تبھی عیسی کو پولیس اسٹیشن سے کال آئی اس نے بات ختم کی اور ریم کی طرف متوجہ ہوا جو اون سے کچھ بنا رہی تھی۔

"تمہارا سر نہیں درد ہوتا یہ دن بھر کر کے "عیسی اس کے پیروں کے پاس بیٹھتا ہوا بولا-

"نہیں ہوتا بلکہ یہ میرا ریلیکسنگ کام ہے"

"اچھا میں پورے اسٹیشن جا کے آتا ہوں کچھ کام ہے تم اپنا خیال رکھنا "عیسی بیڈ سے اتر کر ریم کے بالوں کو چومتا ہوا بولا-ریم نے اثبات میں سر ہلا یا اور اسے جانے کے لئے کہا-اس کے جانے کے بعد وہ کمرے میں اکیلی رہ گئی۔اس کے جانے کے کئی دیر تک وہ اون سے کچھ بناتی رہی پھر اسے جمائی آنے لگی تو اس نے اون اور اس کی سوئی کو بازو میز پر رکھ دیا اور لیٹ گئی-

اس کی جب آنکھ کھلی تو باہر دھوپ ڈھل چکی تھی اور سورج دھیرے دھیرے غروب ہو رہا تھا۔ وہ آنکھیں رگڑتی ہوئی کھڑکی کے پاس آئی کھڑکی کھول کر اس نے باہر سے آتی ہوا میں ٹھنڈی سانس لی۔ اللہ آپ کے نظام کی بات ہی کچھ اور ہے ایک منٹ سانس لو تو ساری تھکان دور ہو جاتی ہے "اس نے آسمان کو دیکھ کر کہا. عصر کی اذان پر وہ وہیں بیٹھ کر غور سے اذان سننے لگی اس کا ہر لفظ زیر لب دہرانے لگی اور دل ہی دل میں اپنے اور عیسی کے لیے دعا مانگنے لگی۔ اذان کے بعد وہ حمام میں وضو کرنے کے لیے چلی گئی ٹھنڈے پانی سے وضو کرتے ہوئے اس کی ناک سرخ ہو رہی تھی عیسی نے بتایا تھا کہ ابھی ہیٹر کا انتظام نہیں ہوا ہے تو اسے مجبوراً ٹھنڈے پانی سے وضو کرنا پڑا۔ پانی کو کہنیوں تو لے جاتے ہوئے اس نے ایک بار پھر

ہاتھ نل کی طرف بڑھایا تو اسے فوراً ہاتھ پیچھے کرنا پڑا کیونکہ پانی کھول رہا تھا۔ اتنا کہ دو سیکنڈ کی وجہ سے اس کے ہاتھ کی پشت سرخ ہو گئی تھی اس نے وہ نل بند کر دیا اور دوسرا نل چالو کر کے وضو کرنے لگے۔ باہر آتے ہیں اس نے حیرانی سے سوچا کہ ایسے کیسے گرم پانی آسکتا ہے۔ "شاید دھوپ کی وجہ سے ہو گیا ہو گا" اس نے اپنے دماغ میں آتے بے تکی باتوں کو جھڑکتے ہوئے کہا. اس نے نماز کے لیے نیت باندھی اور شہد جیسے آواز میں نماز پڑھنے لگی اسے عادت تھی بلند آواز میں نماز پڑھنے کی باہر ملازم اس کی قرات سے مسحور ہو رہے تھے۔ "مالکن کے آنے سے گھر میں کتنا نور آیا ہے۔" ایک ملازم نے کہا دوسرے ملازم نے اس کے بعد سے متفق ہو کر اسباب میں سر ہلا دیا. تشہد میں بیٹھے ریم نے محسوس کیا کہ اس کے پیچھے کوئی ہے مگر پھر بھی وہ نماز پڑھتی رہی اس نے اپنے دل میں خوف کو آنے

نہیں دیا اس نے سوچا کہ کوئی ملازم ہو گا۔ سلام پھیرنے کے بعد اس نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو کوئی نہیں تھا بلکہ گھر کے اندر کوئی نہیں تھا سب ملازم باہر بیٹھے ہوئے تھے۔اس نے جانے نماز سے تسبیح اٹھائی۔ تسبیح کرتے وقت ایک بار پھر اسے کسی کے آہٹ ہوئ. اس نے بلند آواز میں کرسی دہرائی اس نے محسوس کیا کہ کوئی اس گھر سے بہت دور جا رہا ہے۔

عصر سے پہلے کی ہلکی سنہری دھوپ ہر چیز پر نرمی سے بکھر رہی تھی۔ خوبصورت گھر کے سامنے موجود باغ ایک دلکش منظر پیش کر رہا تھا۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی، جو درختوں کی پتوں کو آہستہ آہستہ جھلا رہی تھی۔ رنگ برنگے پھولوں پر دھوپ کی کرنیں چمک رہی تھیں، اور ان سے اٹھنے والی مہک فضا میں ایک تازگی گھول رہی تھی۔

باغ کے بیچوں بیچ ایک فوارہ تھا، جس سے پانی کے قطرے ہلکی دھوپ میں چمک رہے تھے، جیسے چھوٹے چھوٹے ہیرے بکھر گئے ہوں۔ گھاس پر نرمی سے پڑتی روشنی اسے اور بھی مخملی بنا رہی تھی۔ ایک طرف جھولا آہستہ آہستہ ہل رہا تھا، شاید ہوا کی سرگوشیوں کا جواب دے رہا تھا۔

چند تتلیاں پھولوں کے گرد محوِ رقص تھیں، اور قریب ہی کچھ چڑیاں چہچہا رہی تھیں، جیسے عصر کی اذان سے پہلے اللہ کی حمد و ثنا میں مصروف ہوں۔ باغ کے کنارے ایک بوڑھا درخت تھا، جس کی ٹھنڈی چھاؤں میں لکڑی کی ایک خوبصورت بینچ رکھی تھی، جہاں بیٹھ کر کوئی بھی اس منظر کے حسن میں کھو سکتا تھا۔

یہ منظر نہ صرف دل کو سکون بخش رہا تھا، بلکہ قدرت کی خاموش مگر پر اثر خوبصورتی کا گواہ بھی تھا—— ایسا منظر جو دل کو تازگی اور روح کو راحت عطا کرتا ہے۔

وہ گھر کے باہر آکر ملازموں کے ساتھ بیٹھ گئی ایک ملازم نے اسے چائے کا کپ پکڑایا اور اپنے کام میں لگ گیا ریم ان سے یہاں وہاں کی باتیں اور اس جگہ کے بارے میں بات کرنے لگی۔ وہ ایک نرم مزاج کی خاتون تھی اونچ نیچ کا فرق کیے بغیر سب کے ساتھ رہا کرتی اس کی نظر میں خدا کا بنایا ہر بندہ یکساں تھا نہ کوئی غریب نہ کوئی امیر ہے نہ کوئی ہندو نہ کوئی مسلم۔ حالانکہ اس گھر کے زیادہ تر ملازم ہندو تھے۔

سٹیشن میں آتے ہی عیسی کا استقبال پھولوں سے کیا گیا اور اسے باقی تمام افسران سے ملایا گیا۔ عیسی اپنے کیبن میں بیٹھا کچھ کیسز کے بارے میں پڑھ رہا تھا اسے پچھلے پانچ چھ سالوں میں عجیب سے کیسز پڑھنے کو ملے جو ایک عام انسان یا کوئی کریمنل نہیں کر سکتا تھا۔ ان فائلوں میں ایک فائل کستوری دیوی کے خلاف تھی جس کے اوپر صرف اور صرف دھول تھی جس سے لگتا تھا کہ اس کیس کو زبردستی دفنایا گیا ہے اس نے وہ فائل الگ رکھ دی اب وہ یہ جاننا چاہتا تھا کہ یہ کستوری دیوی بھی ہے کیا اور کیسی ہے۔

ریوان کی لاکھ منع کرنے کے باوجود اس کے بھائی نے اسے مزید کچھ دن رکنے کے لیے کہا حالانکہ وہ روی اور کشن کے اسکول سے دو ہی دنوں کی

چھٹی لے کر آیا تھا اب وہ فون پر ان دونوں کے پرنسپل سے بات کر رہا تھا کہ وہ کچھ دن اور نہیں آئیں گے۔ پرنسپل سے اجازت لینے کے بعد اس نے اپنی دکان کے ملازم کو فون کر کے دکان کا خیال رکھنے کے لیے کہا۔ روی اور کشن باہر صحن میں اس حویلی کے پالتو کتے کے ساتھ کھیل رہے تھے ان دونوں کو یہ حویلی بہت پسند آئی تھی اور وہ یہاں سے نہیں جانا چاہتے تھے اب ریوان انہیں کیا بتاتا تھا کہ وہ وہاں کیوں نہیں رہنا چاہتا اور اس کے رہنے سے وہاں مزید کیا کیا ہو سکتا ہے۔ وہ اپنے بچوں کو کھیلتا دیکھ مسکرایا مگر اگلے ہی پل اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔ جس کتے کے ساتھ روی اور کشن کھیل رہے تھے وہ بے جان سا زمین پر پڑا تھا اور یہ سب اچانک ہوا تھا۔ وہ بھاگ کر اپنے بچوں کے پاس گیا اور انہیں اس کتے سے دور کیا۔ ریوان نے آواز دے کر باقی ملازموں کو بلایا۔ ریوان کے دونوں بچے

اس سے لپٹ کر رو رہے تھے ملازمہ نے اس کتے کو غور سے دیکھا مگر انہیں موت کی کوئی وجہ نہیں ملی اس کتے کی موت بے وجہ ہوئی تھی یا شاید ایسی وجہ تھی جو کوئی عام انسان نہ سمجھ پاتا نہ دیکھ سکتا۔ اس کتے کی موت ہے ریوان کو بھی اداس کر دیا تھا کیونکہ یہ کتا اس کے باپ کا دوست تھا۔ پیچھے سے دیش اور ریشمی نے اس منظر کو دیکھ کر اپنی انکھیں بند کر لی دشا کچھ دیر کے بعد روی اور کشن کو اندر لے کر چلی گئی اور ملازم اس کتے کا وہاں سے اٹھانے لگے اب وہ کتا اس حویلی کا رکھوالا نہیں بلکہ ایک لاش تھا جیسے کسی کوڑے دان میں پھینکا جانے والا تھا.

ملازم کتے کی لاش کو لیے باہر کے اور بڑھ رہے تھے مگر ان کے قدموں کو کسی کی آمد نے روک لیا۔ وہ ایک پولیس کی گاڑی تھی۔ کچھ ملازم بھاگتے

ہوئے اندر کی طرف بھاگے اور ریوان اور دیوان کو باہر بلایا۔ پولیس کی جیب سے عیسی اترا اور ریوان اور دیوان کی طرف بڑھا مگر اس کتے کی لاش کو دیکھ کر وہ رک گیا اس نے اپنا چشمہ نکال کر غور سے اس کو کتے کو دیکھا۔ "یہ کیسے مرا" عیسی نے کتے کو دیکھ کر ملازم سے سوال کیا. "پتہ نہیں صاحب جی اچانک ہی مر گیا" ملازم کے جواب پر عیسی کو چونکا پھر اس نے ملازم کو کتے کو لے جانے کے لیے کہا. عیسی اگے بڑھ کر دونوں بھائیوں سے مصافحہ کرنے لگا. "میں عیسی امین ہوں اس علاقے کا ڈی ایس پی" عیسی نے مسافر کے بعد کہا. "آپ یہاں کیوں آئے ہیں" دیوان نے سوال کیا. "لوگوں سے بہت سنا ہے آپ کے بارے میں آپ یہاں کے رئیس زادے ہیں تو سوچا مل آیں" عیسی نے بڑی سادگی سے کہا اس کے پیچھے دو حوالدار کھڑے ہوئے تھے. "اندر نہیں بلائیں گے آپ" کچھ دیر

یوں ہی کھڑا رہنے کے بعد عیسی نے کہا. "جن لوگوں سے آپ نے ہمارے بارے سنا ہے کیا انہوں نے نہیں بتایا کہ حویلی میں خاکی وردی والوں کا آنا منع ہے" دیوان کا لہجہ سخت عیسی کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ آئی اس نے ایک نظر ریوان پر ڈالی جو اسے دیکھ رہا تھا. "اپ کون ہیں" عیسی نے ریوان کو بغور دیکھتے ہوئے کہا اس کے نقوش بتا رہے تھے کہ وہ وہاں سے کتنا بیزار رہے عیسی کے سوال پر اس نے چونک کر باری باری عیسی اور دیوان کو دیکھا پھر اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا "میں ان کا چھوٹا بھائی ہوں" دیوان نے اپنا خوف چھپاتے ہوئے کہا. " چلیں میں چلتا ہوں آپ نے تو اپنی حویلی میں ہمارا استقبال کیا نہیں لیکن جب موقع ملے گا ہم اپنے تھانے میں آپ کا استقبال ضرور کریں گے "عیسی نے طنزاً کہا اور دیوان کے شانے تھپتھپانے لگا جیسے اسے وہ چیتاونی نہیں دے رہا ہو سنبھل

جانے کی۔ عیسی کے جانے کے بعد دونوں بھائی اندر آئے۔ ہال میں مرکزی کرسی پر کستوری دیوی بیٹھی ہوئی تھی۔ وہ سفید ساڑی میں ملبوس عورت ہاتھوں میں چاندی کے کڑے اور گلے میں سونے کی باریک چین چہرے پر دنیا بھر کی کمینیت لیے اپنے بیٹوں کو اپنے پاس بیٹھنے کے لیے کہا۔ "کون آیا تھا"

"نیا ڈی ایس پی آیا ہے"

"کیا کہہ رہا تھا"

"پتہ نہیں کیا کہہ رہا تھا مگر اس کے باتوں اور اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اس کا نشانہ ہم ہے"

"دیوان تم سب سنبھال لینا ایسا نہ وہ کہ وہ ہماری ناک کے نیچے سے ہمارے راز چرا لے" ریوان ان دونوں کی گفتگو کو بڑی خاموشی سے سن رہا تھا۔

"جی ماں جی آپ فکر نہ کریں" دیوان نے ایک فرمانبردار بیٹے کی طرح اس کے حکم کو مانا کچھ دیر وہ یوں ہی زمینوں کی باتیں کرتے رہے.

رات کے درمیانی پہر میں دیوان کی آنکھوں کھلی۔اس کا گلا خشک ہو رہا تھا اس نے ہاتھ بڑھا کر جگ لیا مگر وہ خالی تھا۔اس نے مارے افسوس کے ایک لمبی سانس لی اس نے بازو سوئی ریشمی کو جگانا چاہا مگر وہ بہت گہری نیند میں سوئی تھی اس لیے وہ خود ہی پانی لانے کے لیے چلا گیا۔ وہ آہستہ آہستہ قدم لیتا نیچے اترا پوری حویلی کسی شمشان گھاٹ کی طرح خاموش اور ویران تھی۔نہ گھر کے باہر کوئی آواز تھی نہ گھر کے اندر ایسی تنہائی چھائی ہوئی تھی کہ کوئی بھی گھبرا جاتا مگر دیوان کو اس کی عادت تھی وہ پانی کا جگ ہاتھ میں لیے آگے بڑھا کچن میں پہنچ کر اس نے ایک گلاس پانی پیا اور پانی کا جگ بھر

کر اپنے کمرے کی اور بڑھا۔اوپر سیڑھیاں چڑھتے ہوئے وہ اچانک رک گیا اس نے محسوس کیا کہ اس کے عین پیچھے کوئی کھڑا ہے اور اس کے کانوں میں گھنگرو کی آواز آرہی تھی۔ وہ جوں ہی پلٹا اس کے پیچھے کوئی نہیں تھا اس نے ایک لمبی اور گہری سانس خارش کی وہ کچھ مطمئن ہوا۔اس سے پہلے وہ واپس پلٹتا اسے مرکزی دیوار پر کوئی نظر ایا۔ وہ ہرے رنگ کے کپڑوں میں بالوں کی لمبی چوٹی بنائیں انکھوں میں گہرا کالا کاجل اور گلے میں مصنوعی چمک رکھنے والی ایک چین۔ دیوان اسے جانتا تھا۔ وہ اس کا گناہ تھی وہ اس کا ماضی تھی دیوان کی آنکھوں میں یک دم سے خوف گھبراہٹ اترنے لگا اس کی رگوں میں دوڑتا خون یک دم سے ٹھنڈا پڑنے لگا اس کے قدم چلنا بھول گئے اور اس کی دل کی دھڑکنیں رکنا بیک وقت اس کے پیر کانپنے لگے سامنے کھڑی وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی جیسے کہہ رہی ہو

"مجھے قید کرنے کا کوئی فائدہ نہیں میں تو کوئی ہوا ہوں جو تجھ تک بڑی آسانی
سے پہنچ سکتی ہوں "اس نے چیخنا چاہا مگر اس کی زبان کھینچ لی گئی تھی سامنے
کھڑا ہوا جود ہوا میں اڑتا ہوا کسی کاغذ کی مانند اس کی اور بڑھ رہا تھا اور دیوان کا
دل پھٹنے کے لیے تیار تھا اس سے پہلے کہ موت اس کو اپنا بنا لیتی دیوان نے
اپنے کندھے پر کسی کا ہاتھ محسوس کیا. "اس نے جیسے ہی پلٹ کر دیکھا وہاں
اس کی بیوی تھی "ریشمی کی جب انکھ کھلی تب اس نے اپنے برابر کی جگہ کو
خالی پایا تبھی وہ دیوان کی تلاش میں وہاں آئی تھی لیکن دیوان کو اس طرح
ساخت کھڑا دیکھ وہ حیران ہوئی. "کیا ہوا اپ کو آپ یہاں ایسے کیوں
کھڑے ہیں "اپنی بیوی کی اواز سن کر دیوان کی جان میں جان آئی جانا ہے زندگی نے
ایک بار پھر اس کے حلق سے سفر کرتے ہوئے اس کے جسم میں گھل گئی
اس نے پلکیں جھپکائے جیسے خود کو یقین دلا رہا ہو کہ وہ زندہ ہے۔ "وہ یہاں

تھی ریشمی وہ یہیں تھی" اس نے خوف کے عالم میں اپنی بیوی سے کہا. "رات میں انسان کو اپنا سایہ بھی ڈراؤنا لگتا ہے" اس کی بیوی نے اس کے بعد کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے کہا اور اس کے ہاتھ سے جگ لے لیا اور اپنے کمرے کی اور بڑھ گئ. دیوان نے ایک بار پھر پیچھے مڑ کر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا وہ خاموش اس کے پیچھے چلنے لگا اور اپنے کمرے میں آ کر سو گیا یہ رات واقعی اس کے لیے ایک خوفناک رات تھی کچھ منٹوں کے منظر نے اس کے دل کو بند ہونے کی قطار پر لا کر کھڑا کر دیا تھا. حویلی کی دیواریں خون سے آلودہ ہونے لگی پھر اپنی حالت میں واپس آ گئی۔

دوسرے دن جب ریم کی آنکھ کھلی تو اس نے اپنے بازو عیسی کو نہ پا کر وہ اچانک سے بیڈ سے اٹھی اور آنکھیں رگڑتی ہوئی ائینی کے سامنے آئی ائینے

پر ایک چٹ پر لکھا ہوا تھا۔ "السلام علیکم میں تمہارا شوہر لکھ رہا ہوں ملکہ حسن کو میری طرف سے معذرت مجھے ایک ضروری کام آگیا ہے اسی لیے مجھے جانا پڑ رہا ہے آپ کی شان میں میں نے آملیٹ بنایا ہے اگر آپ کھالیں گی تو یہ غلام خوشی سے ہوا میں اڑنے لگے گا" عیسی کا نوٹ پڑھ کر ریم کے لب اپنے آپ مسکرانے لگے۔ وہ نوٹ کو واپس ڈراؤ میں رکھ کر پلٹی اور نہانے کے لیے واش روم میں گھس گئی۔ نہانے کے بعد وہ ڈائننگ ایریا میں آئی کھانے کی میز پر پھل اورنج جوس اور اس کے ساتھ پلیٹ میں آملیٹ رکھا گیا تھا۔ وہ سرخ نائیٹی میں ملبوس ڈائننگ ٹیبل اپ پر آکر بیٹھی اس نے آملیٹ کا پہلا لقمہ اٹھایا اور اس کا دل باغ باغ ہو گیا بے شک اس کا شوہر ایک ماہر شیف تھا جس کے ہاتھ کا آملیٹ بڑا فینس تھا۔ اس نے بڑے

مزے سے ناشتہ کیا اور فون پر عیسی کو ایک میسج لکھ کر سینڈ کیا" ملکہ آپ کی نوازش سے خوش ہوئی" میسج بھیج کر وہ اپنے آپ مسکراتی رہی.

وہ ٹہلتے ہوئے باہر آئی باغیچے میں آکر دیکھا تو مالی پودوں کو پانی دے رہا تھا وہ وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گئی۔ایک ملازم سبزی لاتا ہوا اسے دیکھ کر سلام کرنے لگا اور اندر چلا گیا۔ملازمہ گھر کے سامنے کی صفائی کرتے ہوئے اس سے بات کرنے لگی۔"میم صاحبہ کیسا لگا آپ کو گھر"

"بہت اچھا ہے یہ تو میرے سپنوں کا گھر ہے" ریم نے چاروں طرف اپنے اس محل کو دیکھتے ہوئے کہا. ملازمہ اس کے جواب پر کچھ خاموش سی ہو گئی کچھ دیر بعد وہ اس کے نیچے والی سیڑھی پر بیٹھتے ہوئے بولی۔"اپ کو ڈر نہیں لگتا میں میم صاحبہ "معصومہ کے سوال پر وہ کچھ ٹھٹکی وہ 3530 سال

کی عورت اپنی عمر سے زیادہ بڑی لگ رہی تھی اس نے اپنے سر پر گھونٹ ڈال رکھا تھا اور ہاتھوں میں رنگ برنگی چوڑیاں تھیں جو بہت شور کر رہی تھی. "کیوں ڈر لگے گا معصومہ" ریم نے بڑے ہی پر سکون انداز میں کہا.

"جی یہاں پر روحیں رہتی ہیں" معصومہ کے اس خوف سے بھرے لہجے میں بولے گئے جملے کو سن کر ریم بے اختیار ہستی چلی گئی حتی کہ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا. "معصومہ روحیں" وہ اس کے لفظ کو پکڑ کر ایک بار پھر ہنسنے لگی معصومہ کا رنگ کچھ پھیکا پڑا اور اس کی سر یہ رگیں واضح ہونے لگی "میں مذاق نہیں کر رہی میم صاحبہ یہ سچ ہے ہم لوگ تو دن میں کام بھی نہیں کر رہے تھے رات ہوتے ہی ہم یہاں سے چلے جاتے تھے یہ جگہ شاپت ہے میم صاحبہ" ریم کش تھی بہار معصومہ کا چہرہ دیکھا اس کے تعاثرات سے لگ رہا تھا کہ وہ سچ کہہ رہی ہے شاید صرف اس کے لیے وہ سچ تھا. "دیکھو

معصومہ روحیں رہتی ہیں اس کا مطلب ہے ہم۔ روحوں کے بنا تو انسان صرف ایک مٹی کا پتلا ہے تو میری اور عیسی کی روح تو رہتی ہے یہاں جسموں کے ساتھ "اس نے بہت پیار سے سمجھایا مگر معصومہ نے فورا نفی میں سر ہلا دیا۔ "نہیں میم صاحبہ آپ غور سے دیکھیں گے تو آپ کو ہر چیز میں گڑبڑ نظر آئے گی "معصومہ نے ایک اور تبصرہ پیش کیا ریم نے یاد کرنے کی کوشش کی کہ اسے کچھ تو گڑبڑ لگا تھا مگر اس نے ان سب کو اپنے دماغ کا فطور تھکاوٹ کی وجہ بتائی تھی "دیکھو معصومہ یہ جو ہمارا دل ہے ہمارے جسم کا سب سے بے وقوف حصہ ہے اس کو ہم جو کہتے ہیں وہ مان لیتا ہے تم اسے خوف دکھاؤ گی تو خوف دکھائے گا تمہیں اگر تم ہمت کر کے جیو گی تو اصل چیزوں میں بھی تمہیں خوف نہیں ائے گا"

"آپ بڑی اچھی ہیں نماز پڑھتی ہیں قران پڑھتی ہیں بھگوان میں آستا رکھتی ہیں اسی لیے آپ کو یہ سب نہیں دکھتا ورنہ یہاں پر ہر کوئی ان روحوں کو محسوس بھی کرتا ہے اور دیکھتا بھی ہے"

"اچھا تو پھر تم بھی پوجا کرو تمہیں بھی نظر نہیں آئے گا کہہ تو تم خود رہی ہو کہ بات ایمان کی ہے باوجود اس کے تم اس پر یقین نہیں رکھتی" معصوما ن ہار مان لی کیونکہ سامنے بیٹھی وہ عورت ایک علم رکھنے والی تھی خدا پر یقین رکھنے والی تھی اور جو ایمان والی عورتیں ہوتی ہیں وہ بہت بہادر اور اپنے حواسوں پر کابو رکھنے والی ہوتی ہیں۔ وہ معصوم سے کچھ دیر بات کر کے اپنے کمرے میں آگئی۔ اپنے راکنگ چیئر پر جھولتے ہوئے اس نے ہاتھ بڑھا کر اون کا گولا لیا اور اس سے نیا کچھ بنانے لگی۔ اس کا ذہن معصومہ کی باتوں سے تھک چکا تھا اسی لیے اس نے اپنے ذہن کو پر سکون کرنے کے لیے اپنا

من پسندیدہ کام کرنا شروع کیا اون کو وہ جو حرکت دیتی گئی اس کے دماغ سے وہ ساری باتیں خارج ہوتی گئی جیسے ہوا میں سانسیں۔

رات کا درمیانی پہر تھا، ہر طرف خاموشی تھی، صرف کبھی کبھار کسی آوارہ کتے کے بھونکنے کی آواز سنائی دیتی تھی۔ گلیاں سنسان تھیں، دکانیں بند ہو چکی تھیں، مگر ایک پرانی دکان کے اندر اچانک ایک چنگاری بھڑکی اور دیکھتے ہی دیکھتے شعلوں میں بدل گئی۔

اندر موجود ملازم نیند میں تھا، جیسے ہی دھوئیں کی تیز بو اس کی سانسوں میں گھلی، وہ ہڑبڑا کر جاگا۔ آنکھیں کھولتے ہی اس نے دیکھا کہ دکان کے کونے

میں رکھا کپڑوں کا ایک ڈھیر آگ پکڑ چکا تھا، اور شعلے تیزی سے پھیل رہے تھے۔

گھبراہٹ میں اس نے ادھر اُدھر دیکھا، قریبی پانی کی بالٹی اٹھائی اور فوراً آگ پر ڈال دی، مگر شعلے مزید بھڑک اٹھے۔ پسینے میں شرابور وہ ادھر اُدھر پانی ڈھونڈنے لگا، پر سب بے سود۔ اس نے چیخ کر مدد کے لیے پکارا، مگر رات کی خاموشی میں اس کی آواز گم ہو گئی۔

دھوئیں سے اس کا دم گھٹنے لگا، وہ باہر کی طرف بھاگا، مگر آگ دروازے تک پہنچ چکی تھی۔ ہمت کر کے اس نے پھر پانی پھینکنے کی کوشش کی، مگر جیسے جیسے وہ ہاتھ پاؤں مارتا، آگ اور بے قابو ہوتی گئی۔

دکان کے باہر سے گزرنے والے چند راہگیر جب دھواں دیکھ کر رکے تو حالات کی سنگینی کا اندازہ ہوا۔ کسی نے فائر بریگیڈ کو اطلاع دی، مگر شعلے اب پورے دکان کو لپیٹ میں لے چکے تھے۔ ملازم بے بسی سے اپنی آنکھوں کے سامنے سب کچھ جلتا دیکھ رہا تھا—دیواریں، سامان، خواب، سب کچھ راکھ بنتا جا رہا تھا۔

اچانک آنے والی خبریں اکثر بری ہی ہوتی ہیں ایسے ہی بری خبر رات کے ڈھائی بجے ریوان کو ملی۔ رات کے اس درمیانی وقفے میں جیسلمیر میں عجیب طرح کے خاموش اور تنہائی چھائی ہوئی تھی پرندے چرندے جانور سب اس رات میں آرام کر رہے تھے۔ بہت دنوں بعد ریوان آج سکون

کی نیند سویا ہوا تھا لیکن رات کو اس کا یہ سکون برداشت نہیں ہوا۔ ٹیبل پر پڑا فون اچانک سے زور زور سے بجنے لگا اس اس کی آواز سے کہیں بچے نہ اٹھ جائیں اس لیے ریوان نے نیند کے آغوش میں ہی فون اٹھایا۔ فون اٹھاتے ہی اس کی آنکھیں حیرت کے مارے کھل گئی۔ "ایسے کیسے جل گیا تم لوگ کہاں تھے" دوسری طرف کا جواب سن کر اسے شاک لگا اس کی دکان میں آگ لگ گئی تھی اور اس آگ کی وجہ کسی کو معلوم نہیں تھی اس کے ملازم باہر ہی سوئے ہوئے تھے اور سارا دکان اس رات کی تنہائی میں جل کر راکھ ہو گیا۔ دوسری طرف اس کا ملازم رو رو کر اسے بتا رہا تھا آگ بجھانے کے باوجود بھی سارا سامان جل چکا تھا۔ ریوان اپنا سر پکڑیں افسوس کرتا رہا اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتا تھا کبھی کبھی انسان اتنا بے بس ہو جاتا ہے کہ افسوس کرنے کے علاوہ اس کے پاس کچھ نہیں بچتا۔ وہ فون وہیں

پر چھوڑ کر اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا باہر آ گیا۔ باہر ہری نرم گھاس میں چلتے ہوئے اسے اس دکان میں گزارے گئے یادیں یاد آئے اب وہ لمحے بس یادیں تھی اب وہ کیا کرنے والا تھا اسے خود بھی پتہ نہیں تھا اسے لگ رہا تھا کہ وہ ایسی رات میں چل رہا ہے چاند ہے نہ ستارے نا راہ ہے نہ رہبر وہ بس ایک انجان راستے پر چل رہا ہے۔ کچھ دنوں پہلے اس کی زندگی بہت اچھی اور مطمئن سی چل رہی تھی پھر ایک دن نے سارا منظر بدل دیا اس کا باپ چلا گیا وہ شہر چھوڑ کر اپنے گاؤں اگیا اس کی دکان سے لی گئ اب وہ بے بس تھا۔ کچھ دنوں سے اس کے ساتھ عجیب واقعات ہو رہے تھے اسے کسی کی آہٹ سنائی دیتی اسے کسی کی آواز سنائی دیتی وہ کسی کو دیکھنا چاہتا تھا اور جس کو دیکھنا چاہتا تھا اگر وہ اسے دیکھ لیتا تو وہ کوئی چیز دیکھنے کے قابل نہیں رہتا۔ گھاس پر ٹہلتے ہوئے اسے ایک بار پھر وہ پر کشش اواز آئی۔ دھیرے

دھیرے اس کی انکھوں میں نمی اترنے لگی اس کی انکھوں سے آنسوں کا ایک قطرہ ٹوٹ کر گھاس پر گرااور زمین نے اسے فوراجذب کر لیا۔ "میرا پیچھا چھوڑ دو میں اب تم سے لڑ نہیں سکتا میں تم سے لڑنا نہیں چاہتا میرا پیچھا چھوڑ دو" وہ آسمان کو دیکھتا ہوا روہانسی آواز میں بولا۔ اس کے واپس جانے کے سارے راستے اور وجہ ختم ہو چکی تھی۔

دوپہر کی دھوپ اپنی تمازت کے عروج پر تھی۔ سورج آسمان کے بیچوں بیچ تھا، اور اس کی روشنی مکہ کی عمارتوں، پہاڑوں اور سڑکوں پر جھلک رہی

تھی۔ میں ایک بلند عمارت کی کھڑکی کے قریب کھڑا تھا، جہاں سے خانہ کعبہ کا نظارہ صاف نظر آ رہا تھا۔

سامنے کعبہ اپنی پوری عظمت کے ساتھ کھڑا تھا، اس کی سیاہ چادر سورج کی روشنی میں مزید دلکش لگ رہی تھی۔ اس پر کندہ سنہری آیات روشنی میں چمک رہی تھیں، جیسے نور کی کرنیں زمین پر برس رہی ہوں۔ ارد گرد سفید احرام میں لپٹے ہزاروں لوگ، پروانوں کی طرح بیت اللہ کے گرد طواف کر رہے تھے۔ کوئی دعا میں مصروف، کوئی آنکھوں میں آنسو لیے ہاتھ بلند کیے، اور کوئی زمین پر سجدہ ریز۔

ہلکی گرم ہوا کھڑکی سے اندر آ رہی تھی، اور دور سے اذان کی گونج سنائی دی۔ مسجد الحرام کے مینار بلند کھڑے تھے، ان کی خوبصورت محرابیں سورج کی روشنی میں اور بھی نمایاں ہو رہی تھیں۔ دور پہاڑوں پر ایک پر سکون خاموشی چھائی ہوئی تھی، جیسے وہ بھی اس مقدس نظارے کا حصہ بن چکے ہوں۔

اس لمحے، پوری دنیا جیسے تھم گئی تھی۔ ہر چیز میں ایک سکون، ایک روحانی کیفیت تھی۔ سورج کی روشنی میں نہایا خانہ کعبہ، طواف کرتے لوگ، بلند مینار، اور دعاؤں میں مصروف زائرین — یہ سب مل کر ایک ایسا منظر بنا رہے تھے، جو دل پر ہمیشہ کے لیے نقش ہو جائے۔

سعودی عرب کے اس مقدس مقام مکہ کے سامنے ایک چھوٹے سے ریسٹورینٹ میں بیٹھا شخص فریش لگ رہا تھا بڑھی ہوئی شیو چھوٹی عام سی آنکھیں نیلے سوٹ میں ملبوس ریسپچین پر بیٹھی خاتون سے گفتگو کر رہا تھا۔ جیب میں پڑے فون نے اس کی گفتگو میں مداخلت کی وہ اس خاتون سے معذرت کرتا باہر آیا اور کال پر بات کرنے لگا۔ "اس وقت کیوں کال کی" اس نے قدرے سنجیدگی سے کہا دوسری طرف خوشی کچھ ناراض سی ہوئی ۔"پیسے ختم ہو گئے ہیں" اس نے ایک جملہ بول کر خاموشی اختیار کر لی اگلے ہی منٹ میں اس کے اکاونٹ میں پیسے جمع ہو گئے. "تمہیں بتانے کی ضرورت نہیں ہے مجھے یاد رہتا ہے" رحیم کچھ مصرومیت سے بولا۔ "اگر یاد رہتا تو مجھے بولنے کی ضرورت نہیں پڑتی" خوشی نے دانت چباتے ہوئے کہا اور فون کاٹ دیا۔ فون کو واپس جیب میں رکھ کر رسپشن کے پاس کھڑی

خاتون کو اس کا کام سمجھانے لگا۔ وہ اس ریسٹورنٹ کا مینجر تھا_ اس نے اس عورت کو اس کا کام سمجھا کر کچن کا دورہ کیا اور اس کے بعد نئے آنے والے سٹاف کو ان کا کام دیا۔ وہ کافی مصروف تھا۔

صبح صبح تیار ہو کر مصباح وین میں چڑھی۔ ونڈو سے لگ کر بیٹھی مصباح کے ذہن میں سمیہ کی تدبیر گونجی سمیہ نے اس کے اندر کے خوف کو ختم کر دیا تھا۔ وہ سکول پہنچتے ہی اپنی کلاس روم میں چلی گئی سامنے بینچ پر بیٹھے ہوئے اپنی کتابیں نکال رہی تھی پہلی کلاس رگھو ناتھ کی ہی تھی۔ وہ پورے اعتماد سے گردن اونچی کیے بیٹھے رہی۔ رگھو ناتھ لنگڑتا ہوا کلاس میں مصنوی مسکان کے ساتھ داخل ہوا اس نے پہلے تو سامنے بیٹھی مصباح کو نظر انداز کیا۔ "سر آپ کے پیر کو کیا ہوا ہے" پیچھے بیٹھی لڑکی نے بلند آواز میں

سوال کیا مصباح کے چہرے پر ایک شرارتی مسکان آئی رگھوناتھ سب بچوں کا فیورٹ تھا اسی لیے وہ اس کی فکر کیا کرتے تھے مگر رگھونات اصل میں کمینہ تھا جو صرف اور صرف ہوس کا پجاری تھا. اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا"گاڑی سے گر گیا ہوں بچوں" رگھوناتھ کے جواب پر سب بچے مطمئن سے ہوئے. "مگر آپ کے پاس تو گاڑی ہی نہیں ہے سر"میزبان نے کلاس میں ائی خاموشی کو توڑا سب بچے ایک بار پھر آپس میں سرگوشی کرنے لگے "اپنے دوست کے ساتھ جارہا تھا" رگھونات نے ترش نظروں سے مصباح کو دیکھا اور دانت چباتے ہوئے کہا مصباح کے چہرے سے مسکراہٹ غائب نہیں ہوئی رگوناتھ نے بچوں کو پڑھانا شروع کیا تو بچے اس کی کلاس میں دھیان سے سننے لگے۔

کلاس کے بعد وہ اپنی کتابیں سمیٹتا ہوا مصباح کو کھا جانے والی نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ مصباح اس سے بے خبر اپنی دوست کے ساتھ بات کرنے میں مصروف رہی وہ ایک بار پھر اپنا پیر پکڑ کر لنگڑاتے ہوئے کلاس کے باہر چلا گیا۔اس کے بعد مزید تین گلاس ہوئی لنچ بریک کی بیل پر سب لوگ اپنا کھانے کا ڈبہ لے کر باہر گراؤنڈ کی طرف بھاگے مصباح بھی اپنا ڈبہ لے کر اپنے دوستوں کے ساتھ لنچ کرنے لگی۔ لنچ کرنے کے بعد وہ اپنا ڈبہ لیے سٹاف روم کے سامنے سے گزری۔ تبھی اس پر رگھوناتھ کی نظر پڑی اس نے بلند آواز میں اندر بلایا۔اس نے اپنے اندر اعتماد بھرا اور اندر چلی گئی "تم نے جو بھی میرے ساتھ کیا ہے اس کی سزا تمہیں ضرور ملے گی۔" وہ مصباح کے قد تک جھک کر آہستہ سے بولا- مصباح جواباً مسکرائی۔اس کی مسکراہٹ دیکھ کر رگھوناتھ پیچھے کو ہوا "تم کیوں مسکرا رہی ہو" مصباح

مزید مسکرانے لگی۔ "سر وہ جو آپ دیکھ رہے ہیں" اس نے دیوار کے اوپر لگے کیمرے کی طرف اشارہ کیا رگھوناتھ نے کیمرے کو دیکھا اس کے سارے کے سارے طبق روشن ہوئے۔ اس کے چہرے پر سارے رنگ ایک ساتھ غائب ہو گئے۔ "سزا اب آپکو ملے گی کل آپ نے جو حرکت کی اس کی ریکارڈنگ میری بہن نے چرا لی ہے۔ وہ ایک ماہر ہیکر ہے وہ فوٹیج اب میں پرنسپل کو بتاؤں گی" اسنے طوطے کی طرح سمیہ نے جو اسے کہنے کے لئے کہا تھا دہرایا۔ رگھوناتھ کے ماتھے پر مارے خوف کے پسینہ آنے لگا وہ دو قدم پیچھے کو ہوا۔ "تم... یہ نہیں.... کرو گی" اس کی آواز کانپ رہی تھی۔

"میں... بہت... کچھ... کر سکتی ہوں" اس نے اسی انداز میں کہا اور وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جانے کے بعد رگھوناتھ کسی مریض کی طرح کرسی پر

سینے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھا رہا اسنے کیمرے کے بارے میں سوچا ہی نہیں تھا اسے اپنی بے وقوفی پر شدید غصہ آیا۔

اسکول سے آتے ہی مصباح سمیہ کی طرف بھاگی اس کے گلے لگ کر اس کا شکریہ ادا کیا۔ "تیر نشانے پر لگ گیا" سمیہ نے اس سے الگ ہو کر پوچھا۔" ہاں اور اس بے وقوف کو یہ بھی پتا نہیں کہ گورمنٹ اسکول میں کیمرے بس نام کے ہوتے ہیں وہ کوئی کام نہیں کرتے" وہ دونوں ایک ساتھ ہسنے لگی۔ ان دونوں نے بڑی ہوشیاری سے اس مسئلہ کا حل نکالا تھا لیکن سمیہ اپنے ارادے پر قائم تھی وہ پیچھے ہٹنے والوں میں سے نہیں تھی۔

سنبل اب روز ڈیوڈ سے مل رہی تھی۔ دیوڑ اور اس کی ساری زندگی کو جانتا
تھا اس کا گھر اس کی بہنیں سب۔ وہ اپنی طاقتوں سے اس کے دماغ کو اپنے
قابو میں کر چکا تھا سنبل دھیرے دھیرے اس کے علم کی خواہش مند ہو گئی
ایک دن وہ دونوں ایک مندر کے پاس بیٹھے ہوئے تھے "کیا تم مجھے سکھا
سکتے ہو جو تم جانتے ہو" ڈیوڈ کو جس سوال کے خواہش پہلے دن سے تھی
آخر کار سنبل نے وہ سوال اس سے پوچھ لیا وہ فخریہ مسکرایا پھر اس کے ہاتھ
میں اس کی لی گئی تصویر تھمائی " بالکل اگر تم چاہو تو میں تمہیں کچھ بھی سکھا
سکتا ہوں " سمبل نے اپنے ہاتھ میں پڑی تصویر کو غور سے دیکھتے ہوئے
اسبات میں سر ہلایا اپنی تصویر کو وہ ہاتھ میں لے کر اس پر انگلی پھیرنے لگی
وہ ایک سن سیٹ ویو کے پاس لی گئی اس کی تصویر تھی جو بے حد خوبصورت
تھی۔ " مجھے ایسا علم سیکھنا ہے جس سے میری ساری خواہشیں پوری ہو "

ڈیوڈ اسے دیکھ کر مسکراتا رہا۔ "کیا تم جیسا میں کہوں گا ویسا کرنے کے لیے تیار ہو" ڈیوڈ کے سوال پر گردن موڑ کر سنبل سے دیکھا وہ سنجیدہ تھا. "ہاں میں تیار ہوں" سنبل نے پرسکون انداز میں کہا۔ یہیں سے شروع ہوئی سنبل کے خواہشوں کی داستان کچھ ادھوری سے کچھ پوری سے ادھوری خواہشوں کو پورا کرنے کے لیے اس نے ہر سرحد پار کرنے کے لیے قدم رکھا۔

سنبل شام کے آخری پہر میں مندر کے پیچھے اکیلی بیٹھی ہوئی تھی اس کے کانوں میں مندر کے آگے والی اوازیں آرہی تھی عورتوں اور مردوں کی چیخنے کی آوازیں۔ ڈیوڈ نے اسے ان آوازوں کو سننے کے لیے کہا تھا۔ شروع شروع میں اسے بہت ڈر لگا مگر پھر کچھ دنوں بعد اسے وہ آوازیں اچھی لگنے

لگی۔ مندر کے پیچھے پتھر کے اوپر وہ گھٹنوں میں سر دیے وہ آوازیں سن کر خوش ہو رہی تھی۔ وہ سرخ رنگ کے فراک میں اس شام کے نارنجی میں مختلف لگ رہی تھی۔ جیسے جیسے شام ڈھلتی گئی آوازیں مزید تیز اور خوفناک ہونے لگی۔ سنبل کو ان آوازوں سے سکون ملنے لگا جب سورج پوری طرح آسمان میں غائب ہو گیا تو ڈیوڈ اس کے پاس آیا۔ "کیسا لگ رہا ہے "ڈیوڈ اس کے بالکل برابر پتھر پر بیٹھ کر پوچھنے لگا. "سکون مل رہا ہے "(یہ ایک نایاب اور عجیب بیماری تھی ——ایسی بیماری جس میں مریض کو دوسروں کے رونے سے سکون ملتا تھا۔ جیسے ہی کوئی آنسو بہاتا، مریض کے دل کو راحت محسوس ہوتی، جیسے کوئی بھاری بوجھ ہلکا ہو رہا ہو۔

ابتدا میں یہ محض ایک عجیب سی کیفیت لگتی، مگر وقت گزرنے کے ساتھ مریض کے لیے یہ ایک ضرورت بن گئی۔ جب تک وہ کسی کو روتے نہ دیکھتا، اس کے سینے میں گھٹن رہتی، دماغ بوجھل محسوس ہوتا، نیند نہیں آتی، اور بے چینی بڑھتی چلی جاتی۔ مگر جیسے ہی وہ کسی کو آنسو بہاتے دیکھتا، اس کے چہرے پر ایک عجیب سا اطمینان چھا جاتا، جیسے کوئی نشہ پورا ہو گیا ہو۔

یہ بیماری جسمانی نہیں تھی، بلکہ ذہنی اور نفسیاتی تھی۔ ڈاکٹر بھی حیران تھے، کیونکہ یہ عام سادزم (Sadism) سے مختلف تھی—یہ محض تکلیف پہنچانے کا جذبہ نہیں تھا، بلکہ کسی کے غم میں سکون پانے کی ایک

ناقابلِ فہم کیفیت تھی۔ مریض خود کو اس سے آزاد کرنا چاہتا تھا، مگر جیسے ہی ارد گرد خوشیاں دیکھتا، اس کی حالت بگڑنے لگتی۔

یہ بیماری ایک معمہ تھی——یہ مریض کے لیے سزا بھی تھی اور سکون کا ذریعہ بھی، مگر اس کا علاج کیا تھا؟ کوئی نہیں جانتا تھا۔)

سمبل نے بڑی آسانی اور پر سکون انداز میں کہا ڈیوڈ اسے دیکھ کر مسکرایا چارلی کے بتائے گئے راستے میں وہ ہمیشہ کامیاب ہوتا لیکن اسے بس ایک چیز روک رہی تھی جسے اب وہ ختم کرنے والا تھا. "تم نماز پڑھتی ہو" کئی دیر بعد ڈیوڈ نے اس سے پوچھا. "دل سے نہیں ہاں مگر ممی کی مار سے بچنے

کے لیے پڑھتی ہوں" وہ معصوم سی بچی ہے معصوم نہ تھی. "وہ بھی چھوڑ

دو"ڈیوڈ کی بات پر وہ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئی.

"کیوں؟"

"کیونکہ جو نماز پڑھتے ہیں یہ انوکھا علم نہیں سیکھ سکتے"

"مگر مولوی صاحب تو کہتے ہیں کہ نماز سے سب مل جاتا ہے" اس نے

مولوی کی بات کو یاد کرتے ہوئے کہا. ڈیوڈ کچھ دیر کے لیے خاموش ہو

گیا" کیا آج تک تمہیں وہ ملا ہے جو تم نے مانگا ہے" ڈیوڈ کے سوال پر سنبل

نفی میں سر ہلاتی ہوئی خاموش ہو گی. "مجھے بھی نہیں ملا پھر میں نے دوسرا

راستہ اپنایا مجھے سب مل گیا" ڈیوڈ نے اپنی مثال لے کر اسے سمجھایا. سمبل

نہیں سمجھنے والے انداز میں سر کو جنبش دی. نماز کو یوں ہی دین کا ستون

نہیں کہتے اس ستون کی بہت طاقت ہوتی ہے جو اسلام جیسے عظیم محل کو

دل کے اندر قائم رکھتا ہے یہ بات ڈیوڈ بہت اچھے سے جانتا تھا. مگر جب ماں باپ عبادت کو خوف کا نظریہ دیں گے تو بچے اسے ایک ذمہ داری سمجھ کر پڑھیں گے نہ کہ عبادت یا عشق. ایسے بچوں کو ہمیشہ خدا سے خوف آئے گا کبھی وہ اس سے محبت نہیں کر پائیں گے اور دین خدا سے محبت کرنے کا نام ہے. ڈیوڈ نے سنبل کے دل میں بنے اس ستون کو صرف ایک بار میں توڑ دیا کیونکہ وہ ستون خوشی کی وجہ سے بے حد کمزور تھا یا یوں کہوں کہ اس ستون کی بنیادیں تھی ہی نہیں وہ ستون بس ہوا میں لہرا رہا تھا. رات گہری ہونے لگی تو سنبل گھر کے لیے روانہ ہو گئی.

اس کے جاتے ہیں ڈیوڈ کے فون پر چارلی کی کال آئی۔

"کیا ہوا" چارلی نے سیدھا مدعے کی بات کی۔

"وہی جو ہم چاہتے ہیں"

"اگر وہ ہماری دنیا میں آگئی تو یہ ہمارے لیے باعث فخر اور ترقی ہو گا. بچے خالی کاغذ کی مانند ہوتے ہیں جن پر جو بھی لکھا جائے وہ تاعمر اس پر رہتا ہے ہم اس کاغذ پر شیطان لکھیں گے" دیوے نے ایک بار پھر اپنی ترکیب دہرائی کچھ دیر وہ سنبل کے متعلق بات کرتے رہے.

رات کا سناٹا ہر چیز کو اپنی گرفت میں لے چکا تھا۔ چاند سیاہ بادلوں میں چھپ چکا تھا، اور فضا میں ایک عجیب سی وحشت پھیلی ہوئی تھی۔ سنسان علاقے میں کھڑی پرانی، ویران حویلی کے اندر مدھم سرخ روشنی لرز رہی تھی۔ حویلی کے اندر ایک کمرے میں جلتی ہوئی موم بتیوں کی ہلکی روشنی دیواروں پر بھیانک سائے بنا رہی تھی۔

کمرے کے بیچوں بیچ ایک مرد، سیاہ لبادے میں ملبوس، زمین پر بیٹھا تھا۔ اس کی آنکھیں غیر معمولی چمک کے ساتھ کسی اور ہی دنیا کی مخلوق کی طرح لگ رہی تھیں۔ اس کے گرد ایک دائرہ کھینچا گیا تھا، جس کے اندر مختلف نشانات بنے ہوئے تھے—خون کے نشان، انسانی ہڈیوں کے ٹکڑے، اور جلتے ہوئے تعویذ۔ اس کے سامنے ایک کھوپڑی رکھی تھی، جس کے اندر سے سرخ دھواں اٹھ رہا تھا۔

وہ مدھم، مگر سرگوشیوں میں لپٹے ایک پراسرار زبان کے الفاظ دہرا رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں ایک خنجر تھا، جس کی نوک پر خون کے تازہ قطرے چمک

رہے تھے۔ جیسے جیسے اس کی آواز تیز ہوتی جا رہی تھی، کمرے میں موجود موم بتیاں ایک ایک کر کے بجھنے لگیں۔

اچانک، کمرے میں زوردار جھٹکا لگا، اور فرش پر ایک سایہ ابھرنے لگا۔ ایک غیر انسانی کراہٹ گونجی، اور کھوپڑی کے اندر جلتا دھواں گہرے سیاہ دھند میں بدلنے لگا۔ مرد نے اپنی آنکھیں بند کیں، دونوں ہاتھ بلند کیے، اور آخری منتر پڑھا۔

اچانک، ہوا کا ایک تیز جھونکا آیا، دروازہ خود بخود بند ہو گیا، اور کمرے میں مکمل اندھیرا چھا گیا۔ مرد کے لبوں پر ایک پراسرار مسکراہٹ تھی، جیسے

اس نے کسی ایسی شیطانی قوت کو آزاد کر دیا ہو، جسے قابو میں رکھنا اب اس کے بس میں نہیں تھا۔

سنبل گھر پہنچ کر کھانے کے بعد اپنی بہنوں کے ساتھ سو گئی۔ رات کے درمیانی وقفے میں اچانک سے اس کی آنکھ کھلی یا کسی نے اسے زبردستی اٹھایا تھا۔ وہ اپنے بستر سے نکل کر غیر ارادی طور پر وہ اپنے کپڑے اتارنے لگی۔ وہ پوری طرح برہنہ حالت میں باہر گیلری میں آ کر کھڑی ہو گئی۔ چاند کی روشنی اس کے برہنہ جسم پر براہ راست گر رہی تھی وہ پلکیں جھپکائے بغیر چاند کو دیکھ رہی تھی خدا نے چاند کے جس شر سے انسان کو بچنے کے لیے کہا ہے سنبل اسی کو خیر مارنے لگی دور ریگستان میں کتوں کے

چلانے کی آواز آنے لگی درخت پر کالا کوا کائیں کائیں کرتا رہا۔ رات اگر رب سے گفتگو کرنے کا بہترین وقت ہے تو رات شر کا بھی وقت ہے۔رات کے شر سے بچنا بہت مشکل ہے۔خدا کی باقی مخلوق کے لیے رات دن کی مانند ہے۔اگر ہم اس وقت ان کے مقابل جائیں گے تو رابطہ تو ہونا پکا ہے۔اور جب انسانی مخلوق خدا کی دوسری مخلوق سے رابطہ کرتی ہے تو انسان انسان نہیں رہتا وہ اپنے اندر کے انسان کو خود ہی مار دیتا ہے۔ سنبل لگ بھگ دو سے ڈھائی گھنٹے بنا پل کے جھپکائے حرکت کیے بغیر وہاں کھڑی رہی۔پھر اسے ان دیکھی طاقت نے اندر بھیج دیا وہ کپڑے پہن کر ایک بار پھر نیند کی آغوش میں چلی گئی

دوسرے دن صبح نے رات کو چیرتے ہوئے اندھیرا دور کیا۔ دنیا بھر میں روشنی پھیلا دی۔ کچھ لوگوں کے لیے دن بھی شر کا وقت ہوتا ہے عام طور پر شر کا کوئی وقت جگہ نہیں ہوتی جب انسان اپنا نفس پر قابو کھو بیٹھتا ہے تب انسان پر شر غالب آتا ہے۔ سمیرا صبح صبح نہا دھو کر کھانا بنانے لگ گئی بچوں کے لیے جلدی جلدی ٹفن بنا کر رکھ دیا۔ "نازیہ نے ایک رشتہ دیکھا ہے تمہارے لیے" پانی بھرتے ہوئے سمیرہ چونکی خوشی بڑی پر سکون سے ہاتھ میں فون لیے اسے لڑکے کے بارے میں بتا رہی تھی کہ لڑکا وکیل ہے اس کی فیکٹری ہے بہت خوبصورت بھی ہے. "ممی اگر وہ اس گھر کو دیکھ لے گا تو فوراً منع کر دے گا" اس نے خوشی کے خاموش ہونے کے بعد کہا. "اس لیے تم دونوں کی ملاقات میں نے باہر رکھوائی ہے" خوشی نے سمیہ کو لاجواب کر دیا. "اور جب اس کی فیملی ہمارا گھر دیکھے گی" سمیرہ نے

سوچتے ہوئے کہا۔ ''تب تک تم اسے اپنے پیار کے جال میں پھنسالو عشق ویسے بھی اچھے اچھوں کو اندھا کر دیتا ہے'' خوشی نے فوراحل پیش کیا تو سمیرا نے اسبات میں سر ہلا دیا اسے اس کی ترکیب پسند آئی تھی.

خوشی آج رمشاہ کا چیک اپ کرانے گورنمنٹ ہاسپٹل گئی ہوئی تھی کیونکہ رمشاہ دو تین دن سے کچھ زیادہ بیمار ہو گئی تھی۔ گورنمنٹ ہاسپٹل پہنچتے ہی اس نے اپنے ڈاکٹر سے رمشاہ کا چیک اپ کروایا ڈاکٹر نے فارمسی سے اسے کچھ دوائیاں لینے کے لیے کہا۔ وہ رمشا کو لے کر فارمیسی کے پاس آئی اور پرسکرپشن دے کر دوائیاں خرید لی۔ ''یہ پہلے والے سے الگ کیوں ہے'' دوائیوں کو بغور دیکھتے ہوئے خوشی نے کہا. ''دوسرے برینڈ کے ہیں مارکیٹ میں نئے آئے ہے.'' فارمیسی میں کوئی فارماسز نہیں تھا تو نرس

ڈسپنسنگ کر رہی تھی اس نے بڑے نرم لہجے میں اسے ان گولیوں کے بارے میں بتایا اور اس کو مطمئن کیا دوائیاں لے کر نرس کو پیسے دیے اور اپنے گھر کے لیے روانہ ہو گئی.

ڈاکٹری ایک ایسا پیشہ ہے جس میں تھوڑی سی بھی لاپرواہی مریض کی جان لے سکتی اسلئے ہندوستان میں ڈاکٹر کو خدا کہا جاتا ہے۔ رمشا روزان دوائیوں کو کھاتی گئی مگر اس کی طبیعت میں کوئی بدلاؤ نہیں آرہا تھا۔ وہ روزانہ بیمار رہتی اب تو وہ اسکول جانا بھی بند کر چکی تھی۔

سمیہ اپنا اسکول بنک کر کے مصباح کے اسکول پہنچی۔ دیے پاؤں چل کر وہ اسکول کے پیچھے آئی اور دیوار پھلانگنے لگی۔ اس کے نیلے لباس پر اس دیوار

کی کائی لگ گئی وہ اس کو صاف کرتی ہوئی کھڑی ہوئی۔ اس نے جیب سے پٹاکھے نکالے اور ان کو دیکھ کر مسکرائی۔ "رگھوناتھ تیری الٹی گنتی شروع" اس نے دانت چباتے ہوئے کہا- وہ دبے پاؤں پیچھے سے اسٹاف روم میں پہنچی اور رگھوناتھ کی کرسی پر پٹاخے رکھ دیئے جس پر پریشر پڑنے سے پھٹنے لگتے اس نے ان پٹاخوں پر چادر ڈالی۔ اسے رگھوناتھ کی آواز آئی تو وہ کھڑکی کے پیچھے چھپ گئی۔ رگھوناتھ فون پر بات کرتا ہوا اسٹاف روم میں داخل ہوا۔ وہ مصروف سا کرسی پر بیٹھا اور اگلے ہی لمحے وہ پٹھاکے اچانک پھٹنے لگے وہ چونک کر زمین پر کود کود کر چلانے لگا۔ کھڑکی کے پیچھے کھڑی سمیہ اپنی ہنسی پر قابو پا رہی تھی اور سٹاف روم میں باقی کے تمام ٹیچرز آ گئے تھے انہوں نے کرسی پر پڑی چادر کو اٹھا کر دیکھا تو وہاں پر پٹاخے تھے انہیں حیرت ہوئی کہ یہ حرکت کون کر سکتا ہے کیونکہ سارے سٹوڈنٹس تو کلاس

میں تھے اور کھڑکیاں بھی بند تھی انہوں نے رگھوناتھ کو پانی پلایا اور انہیں تسلی دینے لگے۔ سمیہ وہاں سے اسی راستے سے باہر آگئی اور پورا راستہ چلتے ہوئے رگھوناتھ کے ڈر کو یاد کر کے ہنسنے لگی۔ راستے میں گزرتے تمام لوگ اسے یوں ہنستا دیکھ کر حیران پریشان ہو رہے تھے وہ چھوٹی سی بچی اپنے کمر پر بیگ لادے بے مقصد ہنس رہی تھی جیسے اس نے کوئی بڑی جنگ جیت لی ہو۔ سمیہ کے ذہن کو بدلہ لینا سکون دیتا تھا پھر وہ چاہے اس کی بہنوں سے ہو یا بہنوں کے لیے ہو۔ اس کے ذہن کا یہ عالم تھا کہ اگر کوئی اسے کم سمجھے تو اسے غلط ثابت کریں اور ساتھ ہی ساتھ اسے اچھا سا سبق سکھائے۔ یہ پٹھا کے پھوڑنا اس کے مقصد کا پہلا درجہ تھا جسے وہ بہت آسانی سے کر چکی تھی۔

دن اب شام میں بدل رہا تھا اور اس کی گلابی تلچھٹ ساری زمین پر پڑ رہی تھی جیسے آسمان سے گلاب برس رہے ہوں درختوں پر پرندے اپنی روزی لے کر واپس آ رہے تھے تو انسان اپنی روزی کے تلاش میں ابھی بھی خدا کو بھول بیٹھے تھے۔ بڑے بڑے میدانوں میں لڑکوں کی کرکٹ کھیلنے کی آوازیں آ رہی تھی تو چھوٹی چھوٹی گلیوں میں لڑکیوں کی بھاگنے کی۔ وسیع یہ چھتوں پر عورتیں اچار پاپڑ سکھا رہی تھی۔ ریم گارڈن میں کھڑی کافی کا سپ لیتے ہوئے سرخ گلاب کے پودے کو بڑے غور سے دیکھ رہی تھی اسے بات حیران کر رہی تھی کہ وہاں موجود تمام سرخ گلابوں میں ایک بھی کانٹا نہیں تھا۔ اسے یہ مالی کی مہارت نہیں لگی بلکہ قدرت کا ایک شاہکار لگا۔ اس

نے دل ہی دل میں خدا کی اس خوبصورت بنائی شے کا نظارہ کر کے رب کو

عظیم کہا جو ہر چیز پر قادر ہے اگر وہ چاہے تو سرخ گلابوں میں من چاہے

جتنے چاہے کانٹے رکھ دے اگر وہ چاہے تو سرخ گلابوں کو ان کانٹوں کے

تحفظ کے بنا اسے حفاظت سے رکھے۔ان گلابوں کو دیکھ ہی رہی تھی کہ اس

نے اپنے گرد کسی کے مضبوط بازو محسوس کیے۔"گلاب گلاب کو دیکھ رہا

ہے" یہ عیسی تھا جو اس کے گردن پر اپنا سر رکھے اس کے بالوں کی آتی

بھینی بھینی مہک کو محسوس کرتے ہوئے شوخی انداز میں بولا. ریم کے

پہلے لب مسکرائے ان گلابی لبوں سے سرخی اس کے گالوں سے کان کی لو

تک پہنچی اور اس کے ذہن سے بے شمار ڈوپامین خارج ہوا۔"سوچ رہی

ہوں کہ اتنے حسین گلاب ہیں مگر ان میں کانٹے نہیں ہیں کیا رب انہیں

تحفظ دینا نہیں چاہتا" عیسی اب اس کے برابر کھڑا ان گلابوں کو بغور دیکھ رہا

تھاریم کے سوال پر وہ ہلکا سا مسکرایا. "ایسا تو نہیں ہے. ہو سکتا ہے کہ ان سرخ گلابوں کو کسی کی بھی تحفظ کی ضرورت نہیں یہ اپنی ایمان کی خوشبو میں بالکل محفوظ اور خوش ہیں" اس نے محسوس کیا کہ اس کی بیوی اس کے جواب سے مطمئن ہوئی ہے اور اس نے لمبی سانس لی ہے. "آپ کی نظر میں خدا کیسے کیسے تحفظ کرتا ہے" ریم نے کافی کا مگ ملازم کے ہاتھ میں پکڑا کر اس کے عین مقابل کھڑے ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے پوچھا اس نے اتنے سالوں میں عیسی سے ہر طرح کا سوال پوچھا تھا اور وہ ہر بار اس کے جواب سے مطمئن ہو جاتی. "اللہ تعالی کبھی کبھار کھلم کھلا بندے کا تحفظ کرتا ہے اور وہ لوگوں کو معجزہ سا لگتا ہے لیکن اکثر وہ باطنی طور پر یا غیبی طور پر اپنے محبوب بندے کی حفاظت کرتا ہے." عیسی نے وہاں پڑھا پانی کا ٹینک اٹھا کر جیسمین کے پھولوں کو پانی دیتے ہوئے بولا. "اس کے اپنے

طریقے ہیں حفاظت کرنے کے اگر کسی انسان سے ہمیں نقصان ہونے والا ہے تو اس انسان کو دور کر کے بھلے ہی وہ ہمارے دل کے چاہے کتنے بھی قریب ہو. کبھی ان دعاؤں کو رد کر کے جو بعد میں آنے والی مصیبتوں کو دعوت دیں گی. کبھی کبھی خوف کا سامنا کروا کے کبھی کبھی اپنے بندے کو اس قابل بنا کے وہ خود کا تحفظ کر پائے وہ جس طریقے سے چاہے اپنے بندے کی حفاظت کر لیتا ہے اس نے بنایا ہے ہمیں ہماری حفاظت کے ذمہ کے لیے اس نے 70 ہزار فرشتے یوں ہی نہیں رکھے" وہ سانس لینے کے لیے رکا۔اور پھولوں پر آہستہ سے انگلی پھیرتے ہوئے مسکرایا۔ کسی کو رب صرف مسجدوں کو دیکھنے اور اذان کے سننے پر یاد آتا ہے تو کسی کو اس کی بنائی ہر چیز دیکھ کر رب یاد آتا اور وہ شکر ادا کرتا ہے رب نے اسے ایک بہتر اور خوبصورت زندگی دی۔ ریم ہر بار کی طرح اس کے جواب سے مطمئن

ہوئی۔ عیسی اپنی جیب میں ہاتھ رکھے اس کی اور بڑھ رہا تھا باغ کے وسط میں ایک ٹیبل اور اس کے اعطراف کرسیاں رکھی گئی تھی اور اس گول میز پر چاند اور ستارے- عیسی اسکا ہاتھ پکڑ کر وہاں لایا اور اس کو اپنے برابر کرسی پر بٹھالیا اس کے پانی سے شفاف ہاتھ روئی جتنے نرم ہاتھ لمبی لمبی انگیلوں اور ایک انگلی میں ان کی شادی کی ہیرے کی انگوٹھی۔ اپنے ہاتھ میں لے لیا اور اس کی پشت کو سہلانے لگا۔ "تو انسان کو خوف کیوں آتا ہے" اس نے نرمی سے سوال کیا۔ اس کے سوال پر وہ اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "کیوں وہ اس بات سے انجان ہیں کہ ان کا رب ہر چیز پر قادر ہے اور وہ بہترین محافظ ہے "۔ کیا اس میں مذہب کو کردار ادا کرتا ہے" اس کے اگلے سوال پر وہ نہ چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا کیونکہ وہ یہ جانتا تھا کہ کچھ ملازموں نے اس سے ان سب کے متعلق بات کی ہے۔ "دنیا کا ہر مذہب مانتا ہے کہ خدا ایک

ہے"اس بار ریم کے تعاثرات کچھ الجھے اس نے آئبر وا چکاتے ہوئے اسے اپنی الجھتی ہوئے سوچ کے بارے میں اشارہ کیا. "ہاں یہ الگ بات ہے اس کے پیروکار نے اپنے اپنے معنی بنا لیے"عیسی نیلے نیلے اسمانوں پر اڑنے والے ان چڑیوں کو دیکھنے لگا. "بات ایمان کی ہے ریم ایمان کی سب سے بڑی طاقت یہ ہے کہ وہ ہمیں خوفزدہ ہونے نہیں دیتا وہ ہمارے اندر ہمت پیدا کرتا ہے بھلے ہی وہ چاہے زندگی کی مشکلات سے ہی کیوں نہ ہو اور یا پھر غیر انسانی طاقتوں سے"ریم کے تعاثرات ایک بار پھر نارمل ہوئے اس نے عیسی کے بازو پر سر رکھتے ہوئے اپنی آنکھیں بند کر لی چلتی ہوئی ہواؤں میں ایک دم سے سکونیت آئی اور سارا شور آہستہ آہستہ سورج کے ساتھ ڈھلنے لگا. دونوں کی کانوں میں مغرب کی اذان پڑھی دونوں نے زیر لب آنکھیں بند کر کے اذان کو دہرایا۔

عیسی مغرب کی نماز کے بعد مارکیٹ آیا ہوا تھا۔ سورج دھیرے دھیرے ریتیلے آسمان میں مدھم ہو رہا تھا، اور اس کی سنہری کرنیں جیسلمیر کے پرانے قلعے اور بازار کی عمارتوں پر ایک دلکش چمک بکھیر رہی تھیں۔ بازار کی تنگ گلیوں میں زندگی اپنے عروج پر تھی — ہر طرف لوگوں کی چہل پہل، گلیوں میں چلنے والے اونٹوں کی گھنٹیوں کی آوازیں، اور تاجر اپنی دکانوں کے باہر کھڑے گاہکوں کو اپنی نایاب چیزیں دکھا رہے تھے۔

ہوا میں گرم مصالحوں، چائے، اور تازہ جلیبیوں کی مہک رچی بسی تھی۔ دکانوں پر رنگ برنگی راجستھانی چادریں، ہاتھ سے بنی ہوئی چمکدار چنریاں، اور خوبصورت کڑھائی والے کپڑے جھول رہے تھے۔ ایک طرف چمڑے

کے روایتی جوتے اور راجستھانی زیور چمک رہے تھے، تو دوسری طرف ہاتھ سے تراشے ہوئے لکڑی کے نوادرات اور کانسی کے قدیم برتن سجے ہوئے تھے۔

بازار میں کہیں بانسری کی مدھم دھن سنائی دے رہی تھی، کہیں کوئی لوک گلوکار اپنی سریلی آواز میں راجستھانی لوک گیت گا رہا تھا۔ اونٹوں پر سجے رنگین کشن اور گجراتی آئینے والے جھالر لوگوں کی توجہ کھینچ رہے تھے۔

چاندنی کی ہلکی روشنی بازار کی پیلی پتھروں سے بنی عمارتوں پر گرنے لگی تھی، جس سے پورا علاقہ سونے کی طرح چمک رہا تھا۔ قلعے کے بلند مینار اور

مہاراجاؤں کی پرانی حویلیاں شام کے نیلے آسمان میں ایک خوابناک منظر پیش کر رہی تھیں۔

جیسلمیر کا بازار، جہاں صدیوں پرانی ثقافت سانس لیتی تھی، جہاں وقت تھم سا جاتا تھا، اور جہاں شام کی روشنی میں ایک جادو بکھر جاتا تھا۔

ریم نے اسے کچھ پھل لانے کے لیے کہا تھا وہ یہاں وہاں گھومتا اچھے تازے پھلوں کو ڈھونڈ رہا تھا۔ اچانک سے اس کے عین روبرو ریوان آ کھڑا ہوا وہ سادہ لباس میں ملبوس ہاتھوں میں تھیلا پکڑے بڑا بے چین تھا جیسے جملوں کا ایک بڑا صندوق اس کے سینے میں قید ہے اور وہ اس کو جتنا جلدی ہو سکے آزاد کرنا چاہتا ہو مگر حالتوں نے اسے ان لفظوں کو خود کے اندر قید کرنے

کے لیے مجبور کر رکھا ہو۔ "او ہیلو آپ بھی یہاں آتے ہیں" عیسی نے

سامنے سے ہاتھ بڑھاتے ہوئے بڑی خوش دلی سے اس سے کہا مگر ریوان

کے تعاثرات میں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہ یوں ہی خالی خالی نظروں سے

اسے سنتا اور دیکھتا رہا. جب ریوان نے اسے ہاتھ نہیں ملایا تو عیسی نے

شرمندگی سے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا. "مجھے لگا آپ یہاں کے رئیس زادے

ہیں آپ کو یہ مشقت کرنے کی کیا ضرورت ہو گی آپ کے ہاں تو بہت

سارے ملازم ہوں گے" عیسی جب سے ریوان سے ملا تھا اس سے بات

کرنے کی خواہش لیے بیٹھا تھا وہ جانتا تھا کہ ریوان قید رازوں کا جیتا جاگتا

ایک پتلا ہے اور وہ اس سے بات کر کے بہت سے مشکلات کا حل نکال سکتا

ہے وہ جب جب ریوان کو دیکھتا اسے اپنے کیبن میں پڑی دھول میں دھسی

وہ فائلیں یاد آتی جن میں سینکڑوں قصے ادھورے دم توڑ بیٹھے ہیں. "بچوں

کی فرمائش پر آیا تھا" کئی دیر بعد وہ عیسی کے ساتھ پھل خریدتے ہوئے بنا اس کی طرف دیکھیں بولا" ہاں بچوں کی فرمائشیں تو انسان سے کیا کیا کروا لیں یہ تو خیر بازار آنا تھا" وہ دونوں پھل خرید کر ساتھ میں مارکیٹ کے باہر پارکنگ کی جگہ پر آئے۔" کچھ کہنا ہے آپ کو" باہر پارکنگ کی جگہ پر ایک بزرگ رنگ برنگ پھولوں کی ٹوکری لئے اداس بیٹھا تھا۔ان پھولوں کو دیکھ کر عیسی کو بے اختیار ریم کی یاد آئی تو اس نے وہ پھول خریدنے چاہے۔ پھول خریدتے وقت اس نے اپنے آپ کو کسی کے نظروں کے حصار میں پا کر بنا ریوان کو دیکھے سوال کیا۔ ریوان اس کے سوال پر ہڑبڑایا۔" آپ کو کیوں ایسا لگتا ہے کہ میں آپ سے کچھ کہنا چاہتا ہوں" موگرے کے پھولوں کو سونگتے ہوئے عیسی مسکرایا۔" کچھ..... بہت کچھ کہنا چاہتے ہیں آپ" عیسی نے ایک نظر اس بزرگ پر ڈالتے ہوئے کہا اس نے ایک لمحے

میں دو انسانوں کے تعاثرات کو بغور پڑتے ہوئے مسکرایا. اس نے اس بزرگ کے چہرے پہ چھائی کئی دنوں کی اداسی کو دیکھا وہ بزرگ چاہ کر بھی مسکرا نہیں پا رہا تھا۔ عیسی نے اس پوری کی پوری ٹوکری کو خرید لیا بزرگ اس کی اس حرکت پر چونکا۔ یہ لیں "اس نے ان سارے پھولوں کی قیمت ادا کرتے ہوئے بوڑھے سے کہا بوڑھے کو یہ کسی کرشمے کی مانند لگا اسے لگا کہ ابھی ابھی اس نے مندر میں گھنٹی بجائی اور اس کے بھگوان نے اس کی دعا پوری کر لی اس نے پیسے لے کر عیسی کے سر پر ہاتھ پھیرا اور اسے دعائیں دی۔ وہ ٹوکری ہاتھ میں لیے ریوان کی طرف متوجہ ہوا۔ ریوان اسے الجھے ہوئے انداز میں دیکھ رہا تھا جیسے اسے عیسی کی یہ حرکت کچھ سمجھ نہیں آئی. "تم نے یہ سارے پھول کیوں خریدے جب کہ تمہیں ان سب کی کوئی ضرورت بھی نہیں ہے" ریوانی بڑے الجھے ہوئے تعاثرات کے ساتھ

اس سے سوال کیا. '' کبھی کبھی بے مطلب ہی چیزیں خرید لینی چاہیے ہمیں نہ صحیح بیچنے والے کو ضرور خوشی اور فائدہ ملتا ہے ''عیسی جواب دے کر اس کے ساتھ چلنے لگا. دونوں ہم قدم چلتے وقت ایک دوسرے کی پیروں کی چاپ کو بغور اپنے ذہن میں اتار رہے تھے۔ عیسی اور ریوان کی کار ایک ہی جگہ تھی ان دونوں نے باری باری اپنی کار میں اپنا سامان رکھا اور الوداعی کلمات کہنے کے لیے ایک دوسرے کو دیکھا۔ '' کبھی وقت ملے جو آپ کو صحیح لگے تو مجھ سے رابطہ ضرور کریں یقین کریں میں لوگوں کو بنا جج کری ان کی بات سنتا ہوں ''عیسی کا یہ انداز ریوان کو کچھ الگ لگا وہ جانتا تھا کہ سامنے کھڑا شخص اسے ڈیکوڈ کرنے کی کوشش کر رہا ہے مگر وہ تو خود ایسا پزل تھا جس کا ہر ٹکڑا دور دور تک ایک دوسرے سے میل نہیں کھاتا تھا۔ '' بھگوان کریں کہ آپ کا میرا سامنا کبھی نہ ہو کیونکہ حویلی کے لوگوں

کی دوستی تھانے داروں سے اچھی نہیں" عیسی بے اختیار مسکراتا چلا گیا اسے لگا کہ سامنے کھڑا ہو شخص اپنے بڑے بھائی کی زبان بول رہا ہے. " بھگوان کیا چاہتے ہیں کیا نہیں یہ بھگوان کو سوچنے دیں ہم تو بس ان کے کرم پر چلنے والے بندے ہیں" عیسی نے کار کا دروازہ کھول کر اندر کی طرف ایک قدم رکھ کر ریوان کو ٹوکتے ہوئے کہا. عیسی تو وہاں سے چلا گیا مگر ریوان کچھ دیر ساکت کھڑا اس غائب ہوتی کار کو دیکھتا رہا اس میں بیٹھا شخص اسے الجھا رہا تھا بہت بری طرح.

ریوان کی جب سے دکان جل گئی تھی وہ اسی حویلی میں اپنے بڑے بھائی کے ساتھ کام سیکھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ دشا نے اس سے کہا تھا کہ جب تک کچھ آمدنی جمع نہ ہو جائے جوان کی دکان کی مرمت کے لیے ضروری ہے

تب تک انہیں وہیں رہنا چاہیے۔ ریوان نے فیصلہ کیا تھا کہ وہ بچوں کو ان کے نانی کے یہاں بھیج دے گا تاکہ ان دونوں کی تعلیم پر کوئی اثر نہ ہو اور اس پر دشا نے بھی ہامی بھر لی تھی۔ ریوان گھر پہنچ کر کچھ دن بچوں کے ساتھ کھیلنے لگا اس نے اپنے اثاثے کو خود کے لیے تمام جرائم سے دور رکھنے کا فیصلہ کیا۔ کھانے کے بعد وہ اور دیوان اپنی ماں کستوری دیوی کے کمرے میں بیٹھے ہوئے تھے۔ بیٹھ کے سامنے ٹیبل کو کھینچ کر ریشمی نے چائے کے تین کپ رکھ دیے اور وہاں سے چلی گئی۔ "میں بہت خوش ہوں کہ تم نے اپنا فیصلہ بدل لیا" کستوری دیوی نے چائے کا گھونٹ اندر بھرتے ہوئے کہا. دیوان نے چائے کا ایک کپ ریوان کی طرف بڑھاتے ہوئے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا "کیا سوچ رہے ہو ریوان" ریوان نے اپنے بھائی کو دیکھا پھر ایک لمبی سانس لی اور اپنی نے دھڑکنوں کو مطمئن کرنے

لگا" سوچ رہا ہوں کہ سالوں پہلی غلطی اگر ہمارے سامنے آجائے تو کیا ہو گا" ریوان کے جملے پر دیوان کے سارے طبق روشن ہو گئے اس کے ذہن نے اس رات والی ساری واردات کو دہرایا اس کو وہ عکس اپنی آنکھوں کے سامنے گھومتا نظر آیا کوئی بھی اس کی آنکھوں میں دیکھتا تو بڑی آسانی سے اس کے خوف کو بھانپ سکتا. دوسری طرف کستوری دیوی بڑی مطمئن سی چائے پی رہی تھی. "یہ تمہارے دماغ کا فتور ہے کوئی غلطی واپس نہیں آئے گی"

" مگر اس غلطی کا خمیازہ ضرور سامنے آئے گا" اتنے دنوں بعد ریوان نے اپنے دل کی بات بولی تھی مگر اسے سمجھنے کے بجائے کستوری دیوی نے بڑی حقارت سے اس کی بات کو ٹال دیا لیکن ریوان کے دل میں جو بات تھی اس بات کا خوف دیوان بڑی اچھی طرح سمجھ رہا تھا وہ ان غلطیوں کا خمیازہ جانتا

تھااوراس خمیازہ کی جھلک بھی دیکھ چکا تھا. "تم ماضی کو بھول جاؤ ریوان اور اپنے آج پر غور کرو یہ ساری حویلی تم دونوں کی ہے یہ ساری زمین نے تم دونوں کی ہے" کستوری دیوی اسے کھڑکی کی طرف اشارہ کر کے اپنی ملکیت کا احساس دلا رہی تھی۔ "ایسی زمین جس میں ہمارے راز دفن ہیں کیا وہ ہمیں سکون دے سکتے ہیں" ریوان نے اسی سمت دیکھتے ہوئے کہا. جیسے جیسے کچھ بول رہا تھا ویسے دیوان کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھی اسے اپنے آس پاس کسی کی موجودگی محسوس ہونے لگی بیک وقت اس کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا اس کے ہاتھ میں پکڑا چائے کا پیالہ ایک دم سے ٹھنڈا ہو گیا اس سے اتی کچھ دیر پہلے گرم گرم بھانپ اور وہ ٹھنڈی بھانپ میں تبدیل ہو چکی تھی۔ اس نے چائے کا کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔ "ریوان ماں جی

نے کہا نا کہ کچھ مت سوچ مطلب کچھ مت سوچ سب اچھا ہو گا" دیوان بوکھلاہٹ سے بولا۔ ریوان خاموش ہو گیا۔

ناشتے کی میز پر بیٹھی ریم بریڈ پر بٹر لگا رہی تھی اس نے ایک نظر اپنے کمرے کی طرف دوڑائی وہ ابھی نیلی شرٹ اور سفید پینٹ میں گلے میں ٹائی پہنتا ہوا اس کی اور بڑھ رہا تھا چہرے پر ایک مطمئن سی مسکراہٹ بالوں سے گرتا ہوا پانی اس کی ناک پر آ رہا تھا۔ عیسی اس کی طرف آ کر اس کے ماتھے کا بوسہ لے کر اس کے مقابل بیٹھ گیا۔ ریم نے بٹر لگایا بریڈ اس کی طرف بڑھایا۔ عیسی نے جگ سے جوس نکال کر گلاس میں ڈال کر ریم کو پکڑوایا۔ وہ سرمئی رنگ کے لباس میں بالوں کا نفیس جوڑا بنائے بہت

خوبصورت لگ رہی تھی اس کی کالی آنکھیں اس نیلے لباس میں بیٹھے شخص کا بہت باریکی سے جائزہ لے رہی تھی۔ "محترمہ ایسے نہ دیکھیں بندہ مر بھی سکتا ہے "عیسی نے بریڈ کا ٹکڑا لیتے ہوئے شوخی انداز میں کہا۔ "وہ تو پہلے ہی مجھ پر مر چکا ہے "ریم کے بات پر عیسی لاجواب ہو چکا تھا اس نے ہلکے سے اپنے سر کو اسبات میں جنبش دی. "کیا آج ہم کہیں گھومنے چل سکتے ہیں "ریم نے ناشتہ کرتے وقت اس سے پوچھا. "تم چلی جاؤ کسی ملازم کے ساتھ مجھے آج بہت ضروری کام ہے "ریم نے سمجھنے والے انداز میں مسکرایا اور ناشتہ کرنے لگی. ناشتہ کرنے کے بعد وہ دونوں اپنے کمرے میں آئے. عیسی اپنے بالوں کو ہیئر ڈرائر سے سکھا رہا تھا اور ریم بیڈ پر بیٹھی اسے تاک رہی تھی. عیسی نے بال سکھا کر ٹیبل پر رکھ دیا ریم چھوٹے چھوٹے قدم لیتی ہوئی اس کی طرف آئی اور خود سے ہی اپنے پیر کی انگلیوں پر

کھڑے اس کی ٹائی باندھنے لگی وہ عیسی کے قد سے چھوٹی تھی۔ عیسی اس کی معصوم سے حرکت پر بہت مسکرایا وہ ٹائی کرتے ہوئے بڑی فوکس لگ رہی تھی عیسی نے اس کے چہرے پہ آتے بالوں کی لڑی کو اس سے کان کے پیچھے کیا اس نے دیکھا کہ اس کی کان کی لو سرخ ہو رہی ہے اور اس کے لب دانت کاٹ رہے ہیں اس کی آنکھیں چمک رہی ہیں اور اس کے پلکیں ضرورت سے زیادہ حرکت کر رہی ہیں۔ وہ ٹائی باندھ کر پیچھے ہوئی اس کی ہتھیلیاں تر ہو رہی تھی۔ "اتنی سرخی تو گلابوں کو بھی نہیں بخشی گئی جتنی تمہیں دی ہے خدا نے" عیسی نے اس کے سرخ ہوتے گالوں پر اپنے لب رکھ کر اس سے کہا. وہ اس سے الوداعی کلمات کہہ کر باہر آیا.

آج ڈی ایس پی عیسی امین کا دورہ گورنمنٹ اسکول کی طرف تھا۔ یہ اسکول دو سال پہلے بند ہو چکا تھا۔ عیسی اپنے حوالداروں کے ساتھ اس مقام پر پہنچا۔ دو حوالداروں نے اسکول کے گیٹ کو کھولا۔ سکول کے اندر قدم رکھتے ہیں وہاں کی ہے ہوائیں شدت سے حرکت کرنے لگی۔ ہواؤں کو نظر انداز کرتے ہوئے وہ آگے بڑھا۔ اس کے پیچھے دو حوالدار تھے۔ "تم دائیں طرف جاؤ اور تم بائیں طرف" عیسی نے دونوں سمتوں میں اشارہ کرتے ہوئے دونوں حوالداروں سے کہا. اور خود آگے کی اور بڑھ گیا۔ ان دونوں حوالداروں نے خوف سے چاروں طرف دیکھا وہ جگہ بے حد ڈراؤنی خوفناک تھی۔ حوالدار اپنے سینے پر ہاتھ رکھے ہنومان چالیسا پڑھتے ہوئے تلاشی کرنے لگے۔ عیسی آگے بڑھا ان ستون کے سامنے کھڑے ہو کر ان پر لگی دھول کو دیکھا۔ وہ ستون بہت بری طرح دھول سے چھپ چکے تھے

ان ستونوں پر کسی کے ہاتھوں کے نشان تھے وہ ہاتھ کیچڑ سے لدے تھے شاید اسلئے اس ستون پر بہت آسانی سے لمس چھپ گیا عیسی نے اس ستون کی تصویر لی۔ وہ ایک ختم شدہ پیڑ کے نیچے آیا۔ وہاں سے بہت گندی بو آرہی تھی اچانک یہ بو ساری ہوا میں پھیل گئی۔ ان دو حوالدار کو بھی وہ گندی بو آئی انہوں نے رومال سے اپنی ناک بند کرلی۔ عیسی رومال کو اپنی ناک پر رکھ کر زمین پر جھک گیا۔ وہ مٹی گیلی تھی۔ اور اس مٹی پر چھوٹے چھوٹے کنکروں پر خون کے نشان تھے۔ اس نے ان کنکروں کو چھونے کے لئے ہاتھ بڑھائے تو یک دم سے مٹی میں طوفان آنے لگا دو حوالدار اسے دور سے بلند آواز میں چلانے لگے اسے نا چاہتے ہوئے بھی وہاں سے جانے لگا وہ ریت کا شہر تھا یہاں ایسے طوفان آیا کرتے۔ وہ سب وہاں سے بہت جلدی میں غائب ہو گئے۔

تھانے میں عیسی کے آتے ہی یک دم سے خاموشی چھا گئی۔ عیسی نے سب کو ترش نگاہوں سے دیکھا۔ "ان فائلوں میں دھول اسلئے پڑی ہے کیونکہ تم لوگ چغلیوں میں لگے ہوئے ہو سرکار کا کھاتے ہو تو کام بھی کرو" اس کے غصے سے سارا تھانا کانپ رہا تھا۔ سارے افسران گردن جھکائے شرمندگی سے اس کی باتیں سن رہے تھے۔ وہ ان لوگوں پر اپنا سارا غصہ اتار کر اپنے کیبن میں چلا گیا۔ کرسی پر بیٹھ کر اسنے بسمہ اللہ بولتے ہوئے پانی پیا۔ اسنے بایاں ہاتھ بڑھا کر ٹیبل سے ہرے رنگ کی فائل اٹھائی۔ فائل گورنمنٹ ہاسپٹل کے خلاف تھی فارمسٹ کی لاپرواہی سے 10 بچوں کی موت ہو گئی تھی۔ اس کے خون میں یک دم سے ابال اٹھا اتنا بڑا کیس بھی ادھورے میں چھوڑ دیا گیا تھا اس نے اپنے ماتھے پر انگلی مسلی اس کے سر

میں شدت سے درد اٹھ رہا تھا۔اس کی ہری ہری رگیں صاف واضح ہو رہی تھی۔اس نے ڈراؤر سے سر درد کی دوائی نکالی اس سے پہلے وہ دوائی کھاتا خدا نے اسکے علاج کو اس تک پہنچا دیا۔ریم کا نمبر دیکھتے ہی اس کا غصہ غائب ہو گیا۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم السلام "ریم پرجوش تھی اس کی آواز میں خوشی دیکھ کر اور اس کی آواز سن کر اس کا سر درد آہستہ آہستہ کم ہونے لگا۔"آپ کے سر میں درد ہے ؟"اس نے عیسی کی آواز میں تھکاوٹ محسوس کرتے ہوئے کہا۔عیسی کچھ دیر کے لئے بول نہیں پایا اس نے چاروں طرف دیکھا کہیں اس کی بیوی نے اس پر نظر رکھنے کے لئے کیمرے تو نہیں لگوائے۔"اب تک تو تھا آپ کی آواز سنتے ہی غائب ہو گیا"عیسی کرسی پر سر ٹیکتے ہوئے کہا۔رب

اگراس کی زندگی میں ریم کو نہ لاتا تو پتا نہیں اسکا کیا حال ہوتا۔ "میں آج آپ کے لیے کھانا بنانے والی ہوں" ریم نے پرجوش انداز میں کہا- "نہیں نہیں تم خود کو ہرٹ کرلو گی" عیسی نے قطعاانداز میں کہا- "ہاں ہاں میں بناؤں گی اور کچھ ہرٹ نہیں ہو گا" اسنے ضد سے کہا- حوالدار نے اندر آنے کی اجازت مانگی اس نے ریم نے دھیان سے کرنے کی ہدا ہت دے کر فون رکھ دیا.

شام کی ہلکی روشنی باورچی خانے کی کھڑکی سے اندر آرہی تھی، اور اس کی سنہری کرنیں دیواروں پر خوبصورت عکس بنا رہی تھیں۔ چولہے پر ہلکی آنچ میں سالن پک رہا تھا، اور پورے کچن میں خوشبو پھیل چکی تھی —— گرم

مصالحوں، ہری مرچوں، اور ہلکی بھنی ہوئی پیاز کی خوشبو، جو کسی کو بھی بھوک کا احساس دلا دے۔

محبت کے لمس سے بنے اس کھانے کا ذائقہ یقیناً صرف زبان نہیں، دل تک پہنچنے والا تھا۔

معرب کی نماز کے بعد کپڑوں پر اپران باندھے ریم سبزیاں کاٹ رہی تھی اس نے سب ملازموں کو سختی سے کچن سے نکال دیا تھا. وہ کچن میں اکیلی تھی۔ سامنے کھڑکی سے ٹھنڈی ہوا اس کے بالوں کو بکھیر رہی تھی ۔عیسی کے کہنے کے مطابق وہ بڑے دھیان سے چاکو استعمال کر رہی تھی

اس کی رفتار سے لگ رہا تھا کہ کھانا اگلے سال بنے گا۔اس کے گلابی رخسار پر

چاند کی روشنی پڑ کر مزید خوبصورت ہو رہی تھی اس کے کانوں میں موجود

ایئر نگ اس کی حرکت سے توازن برقرار رکھے ہوئے تھا اس کے ہاتھ میں

چاندی سی پتلی چوڑیاں آہستہ آہستہ بج رہی تھی۔اس نے محسوس کیا کہ

سامنے اسے کوئی دیکھ رہا ہے اس نے نظر اٹھا کر دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا۔

اس کی چھٹی حس اسے بار بار اس کچن میں اس کے علاوہ کسی اور کی موجودگی

کا احساس دلا رہی تھی۔اس نے سبزی ایک پلیٹ میں رکھے اور چاند کو دیکھا

چاند آج پوری طرح سے روشنی کی زد میں تھا اس نے زیر لب سورۃ فلق

پڑھا اور چاند کے شر سے تحفظ مانگا اور کھڑکھی بند کر دی۔اس نے پلٹ کر

دیکھا اسے وہاں کوئی سایہ گذرتا نظر آیا اس نے مسکرا کر اس سمت دیکھا اور

بلند آواز میں کہا"میں پناہ مانگتی ہوں شیطانی مردود سے"اس نے اتنے

اعتماد سے کہا جیسے وہ چیلنج کر رہی ہو وہ ایک بار پھر اپنے کام میں مصروف ہو گئی۔

عشاء سے پہلے سب ملازم گھر جا چکے تھے اس کے ساتھ صرف ایک ملازمہ تھی جس کی ڈیوٹی رات کو ہی ہوتی۔ ریم نے طے کیا کہ وہ جگہ بدل بدل کر نماز پڑھے گی اسلئے اس نے عشاء کی نماز ہال میں ادا کی۔ نماز کے بعد حدیث لے کر صوفے پر بیٹھ گئی گھر کی دیواروں اور ستونوں کو سیرت النبی سنانے لگی۔ عیسی اپنی کار پارک کر کے اندر آیا اس کو آتا دیکھ وہ حدیث پڑھتے ہوئے مسکرائی وہ ریم کے برابر آ کر بیٹھ کر اس سے حدیث سننے لگا اسنے سوچا کہ اسلئے خدا نے گھر بیوی بنائی ہے تاکہ آدمی دنیا کی تھکن بھول کر پر سکون ہو کر سانس لے۔ گھر کو جنت بنانے کا کام عورت اور اسکے اخلاق

کرتے ہیں۔ریم نے حدیث کو ٹیبل پر رکھا۔عیسی اس کی گود میں سر رکھے لیٹ گیا۔ریم اس کے بالوں میں اپنی انگلیاں گھمانے لگی۔اسکا ایک ہاتھ عیسی کے سینے پر اس کے دونوں ہاتھوں کے قبضے میں تھا۔

"ریم اگر سارے راستے بند ہو جائے تو کیا کرنا چاہیے "اسے آنکھیں کھولے بغیر پوچھا۔"انتظار ایسے دروازے کا جو براہ راست حق پر جاتا ہے" اس نے اپنی حرکت کو جاری رکھتے ہوئے بولا"وقت آپ کے ساتھ نہ ہو تو "عیسی نے اگلا سوال کیا"جب وقت کا بادشاہ آپ کے ساتھ ہو تو وقت سے کیا گھبرانا"عورت کہاں کمزور ہوتی ہے اسے بنایا ہی مرد کو مضبوط کرنے کے لئے اس کے اتار چڑھاؤ میں اس کا ساتھ دینے کے لیے جب جب مرد الجھے اس کے سوالوں کا جواب بننے کے لئے -اس کی ہمت بننے کے لئے۔ریم عیسی کی ہمت تھی۔ریم نے ہلکے سے عیسی کے پیشانی کو چوما

۔ عیسی نے اپنی آنکھیں کھولی ایک بار وہ اپنے آپ پر رشک کرنے لگا اس کے کس نیکی کا بدلہ تھی وہ وہ سمجھ نہیں پایا۔

کھانے کی میز پر ہر لقمہ پر عیسی اس کی تعریف کر رہا تھا اور ریم خوش ہو کر اسے اپنے ہاتھوں سے کھلا رہی تھی۔ ہر لقمہ پہلے لقمے سے زیادہ مزیدار تھا وہ ہر نوالہ چباتا اس کی تعریف کرتا۔ کھانے کے بعد وہ دونوں اپنے کمرے میں آگئے. کچن میں ملازمہ چادر ڈالے ہو گئ تھی۔ عیسی اپنے فائلوں کے بیچ مصروف تھا تو ریم اپنے اون کے ساتھ -اس کی اون کی ٹوپی مکمل ہونے والی تھی وہ بہت غور سے اپنی انگلیوں کو حرکت دے رہی تھی۔ عیسی نے ایسے ہی ایک نظر ریم پر ڈالی اس کو اس قدر متوجہ دیکھ کر وہ مسکرائے بغیر رہ نہیں پایا۔اس نے پچھلے چھ سالوں میں ایسی ٹوپیوں سویٹر موزوں کا انبار بنا

ڈالا تھا۔ بس ایک بچہ کی خاطر جس کی دعا وہ ہر دن ہر رات ہر لمحہ کرتی تھی۔ ڈاکٹر نے اسے امید چھوڑنے کے لیے کہا تھا مگر اس نے خدا پر یقین رکھا اسے یقین تھا کہ جو رب سارا علیہ السلام کو بڑھاپے میں اولاد دے سکتا ہے جو رب کنواری مریم علیہ السلام کو اولاد دے سکتا ہے وہ اس کو بھی ضرور دے گا۔ لوگوں کے طعنے سسرال والوں کی نفرت کے باوجود اس نے اپنے دل میں امید کے جلتے دیے کو بجھنے نہیں دیا۔ عیسی نے واپس اپنے فائلوں کو دیکھا اور کام میں لگ گیا ریم اپنے ٹوپی ختم کر کے اسے اپنی الماری میں موجود ایک صندوق میں رکھ دیا۔ وہ واپس بیڈ پر آ کر لیٹ گئی۔ اس کی لمبی کالی زلفیں بیڈ سے گر رہی تھی اور اس کی کالی آنکھیں صوفے پر مصروف عیسی کو دیکھ رہی تھی۔ "عیسی جب ہمارے بچے ہوں گے تو آپ تب بھی اسی طرح مصروف رہیں گے" اس نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے

پوچھا فائل سے نظریں ہٹائے بغیر وہ مسکرایا۔ "عیسی کیا آپ ہمارے بچوں کو مجھ سے زیادہ پیار کریں گے"

"نہیں ان کی ماں کی جگہ کوئی نہیں لے سکتا وہ خود بھی نہیں" اس نے فائل پر لکھتے ہوئے کہا "میں نے ابھی تک اپنے بچوں کے نام نہیں سوچے افففو" اس نے سوچتے ہوئے اچانک سے کہا عیسی فائل بند کر کے اس کے معصوم چہرے کو دیکھ کر مسکرایا۔ "یہ تو بہت بڑی غلطی ہو گئی جلدی سوچو کہیں ہمارے بچے ناراض ہو گئے تو" اس نے اسی انداز میں اس کو کہا۔ ریم فوراً پلٹ کر واقع بچوں کے نام سوچنے لگی وہ سوچنے کب ہو گئی نہ عیسی کو پتہ لگا اور نہ ہی خود ریم کو۔ وہ واقع ایک اعلیٰ ذہنیت رکھتی تھی عیسی اپنی بیوی کا یقین دیکھ کر فخر محسوس کرنے لگا۔ اسکا نہ یقین بھٹکتا اور نہ ہی امید ایمان

والی عورتیں رب سے بدگمان نہیں ہوتیں۔ وہ اس کے وعدے پر یقین رکھتی ہیں ایمان والی عورتیں صابر ہوتی ہیں۔

رات کے ایک بجے کچن کی کھڑکیاں اچانک کھل کر زور زور سے بجنے لگی۔ ملازمہ اپنی آنکھیں رگڑتی ہوئی بستر سے اٹھی۔اس کی دھڑکن ایک دم سے بے ترتیب ہونے لگی۔ وہ گھبراتی ہوئی کھڑکی کے پاس ائی اس نے سامنے پیڑ پر دیکھا کہ ایک سفید بلی دم ہلاتی ہوئی بیٹھی ہے۔ باہر ہوا کا نام ونشان نہیں تھا۔ پیڑ پر ڈالیوں پر چونٹیاں ایک قطار میں چل رہی تھی۔ ملازمہ نے کھڑکی بند کرنے کے لیے ہاتھ آگے مگر اس سے پہلے بلی کی کالی آنکھیں سفید ہونے لگیں اور ان سے سرخ خون بہنے لگا۔اس کے باوجود بلی شیطانی انداز میں مسکرا رہی تھی۔ ملازمہ اپنی جگہ ساکت ہو گئ۔ نہ اس سے

حرکت کیا جارہا تھا اور نہ ہی اس کی آواز نکل رہی تھی۔ "کیا کر رہی ہو تم" عیسی کی اچانک آواز سے خوف کے مارے اچھل کر ہٹی۔ اس نے اپنا پسینہ اپنے پلو سے صاف کرتے ہوئے ایک دفعہ اس درخت پر دیکھا وہاں کوئی بلی نہیں تھی۔ "میں نے پوچھا کیا کر رہی ہو تم" اس بار عیسی نے سختی سے پوچھا۔ ملازمہ نے جلدی سے کھڑکی بند کی۔ "جی صاحب.... وہ... کھڑکی کھل گئی تھی. " ملازمہ نے اٹکتے اٹکتے کہا اس کی سانسیں اب بھی اسی رفتار سے چل رہی تھی اور اس کے سر پر پسینہ اب بھی جاری تھا اس کے ہاتھ کی ہتھیلی پر پسینے کی بوندیں تھی اور اس کے پیروں میں کپکپاہٹ تھی. " یہاں مت سونا ہال میں صوفے پر سو جاؤ یہاں ٹھنڈ زیادہ ہے" اس کی آنکھوں میں خواب دیکھ کر عیسی کچھ نرم پڑا اس نے اپنا حلق صاف کرتے ہوئے پھر اس سے پانی کی بوتل نکالتا ہوا مصروفیت سے بولا۔ "جی صاحب" ملازمہ

نے گردن جھکائے کہا اس کے جاتے ہی وہ اپنا بستر اٹھائے باہر صوفے پر اکر لیٹ گئی صوفے کے اوپر ایت کلمہ دیکھ کر اس کے اندر سکون سا اترا اس نے بے فکر ہو کر اپنی آنکھیں بند کر لی اور دیکھتے ہی دیکھتے وہ نیند کی آغوش میں چلی گئی.

عیسی کمرے میں آتے ہی اس نے اپنے فائلوں کو ان کی جگہ پر رکھ دیا اور خود آکر ریم کے بغل میں لیٹ گیا۔ کمرے میں بس ہلکی سی روشنی تھی اس روشنی میں ریم کا چہرہ کسی چاند کی طرح دمک رہا تھا اس کے گلے میں لٹکی وہ ڈائمنڈ کی چین چمک رہی تھی وہ جب سوتی تھی تو بہت معصوم اور پیاری لگتی تھی عیسی کچھ دیر کہنی تلے اپنا چہرہ رکھ کر اسے یوں ہی تکنے لگا۔ اس بیڈ پر لیٹنے سے پہلے اس کے ماتھے پر اپنے لب رکھ کر بوسہ لیا۔ اور اس کو اپنے

قریب کر کر سو گیا۔ باہر رات دھیرے دھیرے ڈھل رہی تھی کسی زوال کے مانند اور صبح کسی عروج کی مانند ہر اندھیرے کو چیرتی ہوئی داخل ہو رہی تھی۔ عیسی نیند کی آغوش میں بھی بڑی آسانی سے ریم کی سانسوں کو سن پا رہا تھا وہ اس کے سپنوں کا بھی حصہ تھی اور اس کی حقیقتوں کا بھی۔ اس کے لیے ریم خدا کی دی گئی تمام نعمتوں میں سب سے زیادہ عزیز تھی۔

صبح صبح آرتی کے بعد دشا بالوں کو ٹاول میں بندھے ہوئے چھوڑ کر گلابی ساڑی پہنے ماتھے پر ہلکا سا سندور لگائیں گلے میں ریوان کے نام کا منگل سوتر ہاتھوں پر سرخ مہندی کے نقش آنکھوں میں گہرا کالا کاجل اسے اس صبح کا سب سے خوبصورت نظر بنا رہا تھا۔ اس نے اپنے ہاتھ میں تانبے کا لوٹا لیے اس میں پانی بھر کر تلسی پودے کی پوجا کرنے لگی پوجا کرنے کے دوران

اس کے منتر ساری حویلی کو جگا رہے تھے اور ایک نئی زندگی بخش رہے تھے اس کی مدھر آواز سارے حویلی میں گونج رہی تھی ایک مثبت طاقت ہونے کا احساس دلا رہی تھی۔اس نے تلسی کے پودے کے گرد طواف کرتے ہوئے اس کے اعطراف پھول برسائے۔اس کے بعد وہ آرتی کا دیا لے کر سب کونے میں آرتی کا دھواں تحلیل کرنے لگی۔

آرتی کے بعد وہ باورچی خانے میں آکر ملازموں کو ناشتہ بنانے کی ہدایت دینے لگی۔اتنے دنوں میں وہ ریشمی کو دیکھ دیکھ کر یہ سب سنبھالنا سیکھ چکی تھی۔اس نے دودھ کو گرم کرنے کے لئے گیس آن کیا پیچھے سے ریشمی راجستھانی سنگیت دہراتی ہوئی کچن میں داخل ہوئی اس نے وہاں دشا کو پا کر اسے صبح خیر کہا-اس نے سب ملازموں کو دیکھا سب اپنے اپنے کام میں

مصروف تھے اس کے دل میں ایک بار سب کھو دینے کا خوف آیا۔ "تم نے ملازموں کو کام دیا ہے" وہ دشا کے برابر بیٹھتی ہوئی نرمی سے بولی۔ دشا نے سبزی کاٹتے ہوئے اثبات میں سر ہلا دیا۔ ریشمی کے خون میں ہلکا سا ابال اٹھا مگر اس نے کوئی رد عمل نہیں کیا۔ "تم نے کیوں تکلیف کی" اس نے دشا سے ایک اور سوال کیا۔ دشا اپنے ہاتھ صاف کرتے ہوئے ہنس پڑی۔ " بھابھی اس میں تکلیف کی کیا بات ہے یہ بھی تو میرا گھر ہے" دشا نے بڑی سادگی سے جواب دیا۔ (یہی تو تکلیف کی بات ہے یہ حویلی صرف میری ہے صرف اور صرف میری) ریشمی دشا کو ترش نظروں سے دیکھتی ہوئے سوچنے لگی۔ اس حویلی کے ایک ایک اینٹ میں سازش تھی۔ ہر دیوار پر کسی نہ کسی کے خون کے داغ تھے۔ وہاں کے ستونوں میں دل دہلا دینے والے

راز تھے۔ اچھا ہوا دیواروں کے صرف کان ہوتے ہیں زبان نہیں ورنہ آج ہر شخص بے پردہ ہوتا۔

شہر کے باہر، سنہری ریت کے وسیع میدان میں، ایک ایسی غار تھی جو صدیوں سے ایک خوفناک کہانی لیے کھڑی تھی۔ دن کے اجالے میں بھی وہ جگہ ایک منحوس سایہ بنی رہتی، جیسے سورج کی روشنی بھی اس کے اندر جھانکنے سے گھبراتی ہو۔

یہ کوئی عام غار نہیں تھی — اس کے دہانے پر ریت ہمیشہ سیاہ رہتی، جیسے وہاں کبھی کچھ جلایا گیا ہو۔ ہوا جیسے ہی اس کے اندر سے گزرتی، ایک عجیب سی سرگوشی سنائی دیتی، جیسے کوئی پکار رہا ہو، کوئی چیخ رہا ہو، یا شاید کوئی قید ہو۔

ریگستان کی بے رحم دھوپ کے باوجود، اس غار کے اندر ایک غیر فطری ٹھنڈک تھی۔ اس کے اندر جاتے ہی زمین نرم محسوس ہوتی، جیسے نیچے ریت نہیں، بلکہ کوئی اور چیز ہو — کوئی زندہ چیز جو سونے کا بہانہ کر رہی ہو۔ دیواروں پر ایسے نشانات تھے جو انسانی ہاتھوں کے لگتے تھے، مگر وہ اتنے بڑے تھے کہ کسی انسان کے ہو ہی نہیں سکتے تھے۔

کہتے ہیں، جو بھی اس غار کے قریب جاتا، اسے لگتا جیسے کوئی اسے دیکھ رہا ہو۔ کچھ لوگوں نے بتایا کہ انہوں نے اندر سرخ روشنی دیکھی، جیسے کوئلے دہک رہے ہوں، اور کچھ نے وہاں کسی کے ہنسنے کی آواز سنی تھی—ایسی ہنسی جو سیدھا دل کی دھڑکن روک دے۔

یہ غار صدیوں سے وہاں موجود تھی، مگر کوئی نہیں جانتا تھا کہ یہ کیسے بنی، کس نے بنائی، اور اس کے اندر کیا ہے

سنبل آج اپنے اسکول سے بنک مار کر ڈیوڈ کے ساتھ ایک کھنڈر میں آئی تھی ڈیوڈ کے تلاش کا سب سے بڑا حصہ 'کالا جادو' وہ سنبل کے ساتھ اس

تجربہ کو جینا چاہتا تھا۔ یہ ایک باہر سے غوفہ تھی اندر داخل ہوتے ہی ایک
تپلی گلی سے مشالوں کی روشنی میں ایک راستہ اندر کی طرف جاتا تھا۔ڈیوڈ
سنبل کی چھوٹی انگلی پکڑے اندر کی سمت بڑھ رہا تھا۔دیواروں پر کھونپڑیا
لٹکائی گئی تھی۔ وہ دونوں جیسے اندر داخل ہوئے اندر ایک شخص ایک
دائرے میں گردن جھکائے برہنہ حالت میں بیٹھا تھا_ سنبل اور ڈیوڈ نے
فوراًاپنی ناک بند کرلی کیوں وہاں سے بے حد گندی بو آرہی تھی اس شخص
کے اعطراف اسکا سارا فضلہ تھا۔اس شخص کے بال برگد کی جڑوں کی مانند
سخت ہوگئے تھے اس کے ناخنوں میں اندر تک گند تھا وہ شخص ایک نہایت
گندگی میں تھاڈیوڈ کے آتے ہی اس نے گردن اٹھاکر اسے اور سنبل کو بغور
دیکھا۔ سنبل کو دیکھ کر اس نے شیطانی انداز میں مسکرا کر ان دونوں کو بیٹھنے
کے لئے کہا وہ دونوں تھوڑا دور پتھر پر بیٹھ گئے۔"آخر تم آگئی"اس شخص

نے سنبل کو مخاطب کیا۔ڈیوڈ نے سنبل کو دیکھا جو بنا پلکیں جھپکائے اس شخص کو دیکھ رہی تھی۔"آپ اتنی گندگی میں کیوں ہو" سنبل نے اپنا پہلا سوال کیا۔

"میرے مالک کو گندگی سے بہت پیار ہے اسی کو خوش کر رہا ہوں"اس شخص نے بنا نظریں ہٹائے اس سے کہا-"آپ کا مالک کون ہے"اس اندھیری غوفہ میں ہلکی سے حرکت ہوئی۔"ابلیس"ڈیوڈ اور اس شخص نے ایک ساتھ کہا-"کیا میری ساری خواہشیں ابلیس پوری کرے گا"وہ شخص مسکرایا۔"ہاں مگر بدلے میں کچھ لے گا بھی"اس شخص نے صاف لفظوں میں کہا-"کیا"

"روح"

"روح کیوں جسم کیوں نہیں"

"کیوں جسم ختم ہو جائے گا روح نہیں"

"میری روح سے ابلیس کو کیا فائدہ"

"اس کا اللہ سے کیا گیا وعدہ پورا ہو جائے گا ہماری روح اس کی غذا ہے وہ اپنی گنتی بڑھانا چاہتا ہے. کیا تم تیار ہو "اس نے آخر میں سوال کیا۔ "تم مجھے کیسے جانتے ہو"

"ابلیس کے پیروکار ہیں اپنے جیسوں کو پہچان لیتے ہیں" سنبل نے ایک نظر ڈیوڈ کو دیکھا جو بالکل مطمئن تھا۔ ڈیوڈ نے اپنی ساری جمع کی گئی جانکاری کو اسے دے دیا۔ "تمہیں وہ کھلانا ہوگا اسے "اس شخص نے ڈیوڈ سے کہا ڈیوڈ نے ہاں میں سر ہلایا۔ "اس کو وہ سب کرنا ہوگا جو تم نے کیا ہے "ایک اور حکم۔

''آو تم دونوں اپنے کپڑے کھول کر اس دائرے میں بیٹھ جاؤ'' اس شخص نے اپنی طرف آنے کا اشارہ کرتے ہوئے کہا- دونوں نے باری باری اپنے کپڑے کھولے اور بے جھجک اس دائرے میں آ کر بیٹھ گئے۔ وہ شخص ابلیس کو خوش کرنے کے لئے منتر پڑھتا رہا۔ وہاں بیٹھے بیٹھے ڈیوڈ اور سنبل جھومنے لگے۔ دونوں کی روح ابلیس کے عین روبرو تھی۔ وہ دونوں اسی طرح کئی گھنٹوں تک وہاں بیٹھے رہے۔ شام کے وقت سنبل اور ڈیوڈ اپنے کپڑے پہن کر اس غوفہ سے باہر آئے۔ ڈیوڈ نے پہلے سنبل کو اس کے گھر چھوڑا پھر اپنی منزل پر روانہ ہو گیا۔

سمیہ اور مصباح ایک ساتھ بیٹھے اپنا ہوم ورک کر رہے تھے اور سمیرہ رمشا کو سر میں مالش کر رہی تھی اسکا سر بہت دکھ رہا تھا۔ صبور ہمیشہ کی طرح

سیڑھیوں پر بیٹھی منہ میں کینڈی رکھے کسی لڑائی کا انتظار کر رہی تھی اوپر کمرے میں روشنی فون پر کسی سے بات کر رہی تھی۔اور سنبل کھانا کھا رہی تھی۔خوشی اپنے کسی دوست کے بیٹے کی شادی میں گئی ہوئی تھی۔ سمیرا کا فون بج اٹھا تو صبور نے اسے اسکا فون لا کر دیا اس نے مالش کرتے ہوئے کان سے فون لگا کر ہیلو کہا-"جی کون"

"آپ سمیرہ ہیں" دوسری طرف ایک پر کشش آواز سنائی دی۔

"جی میں سمیرہ آپ کون" اسنے محسوس کیا کہ دوسری طرف اس شخص نے سکون کی سانس لی ہے۔"میں سمیر" اس کے نام بولنے کے باوجود سمیرا نے اسے نہیں پہچانا اور کچھ دیر خاموش رہی۔"آپ کی آنٹی نے آپ کا نمبر دیا ہے"سمیر نے اس کو خاموش پا کر خود ہی کہا-وہ سمجھ کر ہڑبڑا کر رمشا کا سر چھوڑ کر کھڑکی کے پاس جا کر کھڑی ہو گئی۔"جی آپ" اس نے

اپنی خوشی کو قابو کرنے کی کوشش کی۔"ہاں میں کیسی ہیں آپ آپ کی تصویر ملی بہت خوبصورت ہیں آپ"اس کی تعریف پر وہ بے یقینی سے خود کو آئینہ میں دیکھنے لگی۔جن جملوں کو سننے کے لیے اس نے اپنی زندگی بھر انتظار کیا وہ سننے ملا بھی تو کسی انجان کی زبان سے-"شکریہ "ایک طویل خاموشی کو توڑتے ہوئے اس نے کہا-"میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں "سمیر نے سیدھا مدعے کی بات کرتے ہوئے کہا۔سمیرا کے خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں رہا"جی جیسا آپ کہیں "اسنے مناسب جملوں کا انتخاب کرتے ہوئے کہا-الوداعی کلمات کہہ کر فون رکھ دیا گیا۔وہ فون کو سینے سے لگائے ناچتی رہی اس کی باقی بہنیں اسے حیرانی سے دیکھ رہی تھی۔

"آپ واپس کب آئیں گے" پچھلے ایک گھنٹے میں وہ یہ 15 ویں بار پوچھ چکی تھی۔ "آجاؤں گا جب کام سے فرصت ملے گی" روشنی نے اس کی بات مان لی باتوں کا سلسلہ مزید آدھے گھنٹے کے لیے چلا اس کے بعد وہ فون رکھ کر اسی بستر پر لیٹ گئی۔ فون کو اپنے سینے سے لگائے اپنی خیالوں کی دنیا سجانے لگی۔ مگر اس کی خیالوں کی دنیا ریت کی تھی کمزور اور پھسل جانے والی۔

مصباح سنبل سمیہ اور صبور ایک بستر میں لیٹ گئے۔ صبور نے ان تینوں کو غور سے دیکھا۔ "کیا آج تم میں سے کوئی لڑے گا نہیں" صبور نے معصومیت سے کہا-تینوں نے اسے صاف صاف انکار کر دیا اب اس کی دلی خواہش کے لیے لڑ نہیں سکتے تھے۔ سنبل دائیں طرف دیوار کی طرف رخ کئے اپنی دنیا میں گم تھی۔اس دنیا میں ہر شخص کی اپنی ایک دنیا ہے۔ سنبل

کی دنیا شر بن چکا تھا۔ اس نے کونے میں رکھے قرآن کو دیکھا تو اس کا دل

دھک کر کے رہ گیا۔

اللہ فرماتا ہے:

_ "وَيُحَذِّرُكُمُ اللّٰهُ نَفۡسَهٗ ؕ وَاللّٰهُ رَءُوۡفٌۢ بِالۡعِبَادِ"

(آل عمران:30)

ترجمہ: "اور اللہ تمہیں اپنی ذات سے ڈراتا ہے، اور اللہ بندوں پر بہت

مہربان ہے۔"

➤ یہ آیت نیک لوگوں کے لیے اللہ کی رحمت کی یاد دہانی ہے، جبکہ برے لوگوں کو خبردار کرتی ہے کہ اللہ کی پکڑ سے کوئی نہیں بچ سکتا۔

اس نے کروٹ بدل لی۔ قرآن صرف سکون نہیں خوف بھی دلاتا ہے مگر انہیں جن کے دل کالی رات کی مانند سیاہ ہے۔ڈیوڈ کی باتیں اس کے ذہین میں کند تھی۔

خوشی اپنی سہیلی کے یہاں اس کے ساتھ اس کے کمرے میں لیٹے ہوئے بات کر رہی تھی۔اس کمرے میں لال روشنی کا بسیرا تھا۔لال روشنی میں دونوں کے چہرے عجیب معلوم ہو رہے تھے۔ "تمہاری بڑی بیٹی کی شادی کا کیا سوچا ہے سنا ہے 25 سال کی ہوگئی ہے" اس کی سہیلی نے باتوں باتوں

میں پوچھا۔ ''ہاں دیکھ رہی ہوں مگر اس کے قابل بھی تو ہونا چاہیے'' خوشی نے کہا۔

''میری نظر میں ایک لڑکا ہے''

''کون''

''میرے بھائی کا بیٹا مزمل بہت اچھا ہے کروڑوں کی جائیداد ہے اور وہی زمینوں کا کام کرتا ہے'' اس لال روشنی میں خوشی کی مسکراہٹ صاف صاف نظر آئی۔

''پھر تو تم بات چلا دو'' اس نے بنا سوچے ہامی بھر لی۔ اس کے جواب سے اس کی دوست خوشی سے گلے لگ گئی۔ خوشی کی سب سے بڑی خواہش اپنی ساتوں بیٹیوں کو وداع کرنا تھا۔ اس نے کچھ دیر بعد سمیر کو کیفے کا اڈریس

بھیجا اور سمیرہ کو کچھ پیسے۔اس کے فون پر اس کے شوہر کا کال آیا تو اسے بستر سے اتر کر باہر آنا پڑا۔

"السلام علیکم"

"وعلیکم سلام"

"بچے کیسے ہیں" رحیم ہمیشہ کی طرح سنجیدہ تھا۔

"اچھے ہیں آپ میری طبیعت کیوں نہیں پوچھتے" شکایت تھی جو بہت دنوں بعد کی تھی اس نے۔

"تم پوچھتی ہو مجھ سے بس پیسوں کے وقت یاد آتا ہوں میں تمہیں" شکوہ تھا ہر بار کیا جاتا تھا۔

"آپ کب آئیں گے بیٹیوں کی شادی بھی کرنی ہے" اس نے موضوع بدلا

۔

"جب تمہیں لگے کہ اب تمہاری ساری خواہشات پوری ہو گئی ہیں تو آجاؤں گا" وہ اس طرح کا طنز کرتا تھا اسلئے خوشی اس سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی۔"اب آجایئے اب سب سے بڑی خواہش سمیرا اور روشنی کی شادی ہے" خوشی نے نرمی اختیار کرتے ہوئے کہا- "آجاؤں گا باپ ہوں" رحیم نے اسی انداز میں کہا اور ٹھاک کے فون رکھ دیا۔اس کے فون رکھنے کے بعد وہ کئی دیر فون کو دیکھتی رہی۔اپنی غلطیوں کا خمیازہ بہت مہنگا ہوتا ہے۔

رحیم فون رکھ کر صوفے پر بیٹھی عورت کی طرف متوجہ ہوا اس کے سخت تعثرات نرم پڑ چکے تھے ہاتھوں میں شراب کا گلاس۔شرٹ کے اوپری بٹن

کھلے ہوئے تھے برابر بیٹھی عورت سیاہ لباس میں بالوں میں کندھوں پر ڈالے اس کے گلاس میں شراب ڈال رہی تھی۔

"کیا تم چلے جاؤ گے "اس عورت نے عربی زبان میں اس سے پوچھا. "وہ پہلے ڈھونڈ تو لے جس حساب سے اس کی خواہشیں ہیں ساری عمر میری بیٹیاں کنواری رہیں گی "اس نے عربی زبان میں جواب دیا وہ عورت اس کو ایک اور پیالہ شراب کا تھما کر اس کے سینے سے لگ کر سو گئی. وہ اپنی بیوی کو بڑی شاطر طریقے سے دھوکہ دے رہا تھا اور یہ دھوکہ واپس اسی کو ملنے والا تھا. اس کا واپس نہ انا اس کی مرضی سے تھا کیونکہ اس نے پچھلے سال ہی سعودی عرب کی شہریت کے لیے ایک عربی عورت سے شادی کر چکا تھا ۔اس سے پہلے بھی وہ کئی عورتوں کے ساتھ افیئر میں مبتلا تھا۔اس میں بھی کہیں نہ کہیں خوشی کی غلطی تھی کیونکہ اس نے جان بوجھ کر اسے وہاں

رہنے کے لیے مجبور کیا تھا اپنے خواہشوں کا ایک بڑا سا انبار بنایا تھا جس کو پورا کرنے کی توقع وہ اپنے شوہر سے لگائے بیٹھے تھی۔

اب رحیم اس کے سارے خواہشات کو پورا کر پا رہا تھا کیونکہ اس کی دوسری بیوی کروڑوں کی مالکن تھی اور اس کا بہت بڑا کاروبار خود رحیم سنبھال رہا تھا اس لیے وہ ہندوستان واپس نہیں آنا چاہ رہا تھا مگر اپنی بیٹیوں کی فکر اسے ہمیشہ ستاتی رہتی۔

سمیرا اور سمیر دوسرے دن خوشی کے بتائے گئے کیفے میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے خود کی سانسوں کو سن رہے تھے پورا کیفے خالی تھا وہ کیفے اس علاقے کا سب سے چیپ کیفے تھا جہاں زیادہ لوگ نہیں آتے تھے اور وہاں کے ایشیا کی قیمت دوسرے کیفے سے کم تھی۔ پچھلے 15 منٹ میں

دونوں نے صرف ایک دوسرے کے خیریت پوچھی تھی۔ ویٹرس نے ان دونوں کے سامنے کولڈ کافی رکھ کر وہاں سے چلی گئی سمیر نے اپنا گلاس لیا اور سمیرا نے اپنا دونوں نے سٹرا وسے سپ لیا اور ایک دوسرے کو دیکھا۔ "اور کیا پسند ہے آپ کو" سمیر نے خاموشی کے وقفے کو توڑتے ہوئے کہا چونکہ پورا کیفے خالی تھا ان دونوں کی آواز بلند سنائی دے رہی تھی سمیرا نے گہری سانس لی. "مجھے...... "اسے سوچنا پڑا کیونکہ جو اسے پسند تھا اگر کوئی بھی سن لیتا تو فوراوہاں سے چلا جاتا. "کتابیں پڑھنا پسند ہے مجھے" (حالانکہ اب تک میں نے اپنے کورس کی کوئی کتاب مکمل نہیں کی اور بڑی مشکل سے پاس ہوئی ہوں) سمیر نے امپریس ہو کر اسے دیکھا کیونکہ وہ اس کے مقابل کتابوں سے دور تھا یہ یوں کہوں کہ اس کے بتائے گئے شوق سے "آپ کو کیا پسند ہے" سمیر نے اپنا سوال پوچھا "گھومنا بہت

پسند ہے مجھے" سمیرہ کے چہرے پر ایک مسکان آئی جبکہ اس کا دل اس کے شوق پر ناچ رہا تھا" میں ہر سال کہیں نہ کہیں گھومنے جاتا ہوں" سامنے بیٹھا شخص اپنی بات کر رہا تھا پیشے سے وکیل مگر دل سے سیاح تھا سمیرہ کو ہمیشہ سے ایسے انسان ہی کی تلاش تھی اور سمیر ایسا ہی انسان تھا جو اس کے سارے خواہشات کو پورا کر سکتا تھا. ادھوری خواہشات جو اس نے بچپن سے اپنے سینے میں قید کر رکھی تھی اس نے اپنے باپ کو بتایا تو اس نے مصروفیت بتائی اپنی ماں کو بتایا تو اس نے ٹوک دیا بہن کو کیا بتاتی وہ تو خود ایک افسانوی زندگی میں جی رہی تھی۔ کئی دیر تک وہ ایک دوسرے کے متعلق جاننے لگے سمیرا کو سمیر کی ہر بات بہت خوبصورت لگ رہی تھی اس کا بات کرنے کا طریقہ اس کی کپڑے اس کے مطابق ہر چیز۔ جب کہ سمیر اس سے کچھ زیادہ امپریس نہیں ہوا تھا لیکن اس نے اپنے اخلاق کا دائرہ

قائم رکھتے ہوئے اس سے اچھے سے بات کی تھی مگر اس نے اپنے دماغ کو سوچنے کے لیے وقت دیا تھا کیونکہ سامنے بیٹھا شخص کسی کو بھی اپنی باتوں سے امپریس کر سکتا تھا اور سمیرہ ایک ایسی لڑکی تھی جس کی خواہشات جس کے سپنے جس کے سوچنے کا طریقہ کسی کو بھی دنگ کر دیتا سمیر بھی کہیں نہ کہیں اس کی باتوں سے امپریس ہو چکا تھا خوشی کی ایک بات سچ ہوئی تھی عشق اچھے اچھوں کو اندھا کر دیتا ہے کوئی آنکھوں سے جادو کرتا ہے تو کوئی باتوں سے اور سمیرا نے دوسرا راستہ چنا تھا۔

سنبل آج بھی اپنا اسکول بنک کر کے ڈیوڈ کے ساتھ اس غوفہ میں آئی ہوئی تھی۔ اسکول یونیفارم میں ملبوس ٹائی کو ڈھیلا رکھے ہوئے بالوں کی اونچی پونی بنائے ڈیوڈ کی انگلی پکڑے وہ غوفہ کے اندر داخل ہوئی۔ آج بھی اسی

حالت میں وہ شخص اسی دائرے میں اپنے ابلیس کی پوجا کر رہا تھا وہ جس سمت بیٹھا ہوا تھا اس کے سامنے ایک پتھر کا بت تھا جس کے سر پر دو سنگھ اور اس کے گلے میں لال مالا ڈالی گئی تھی اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی جس پر آگ لگائی جا رہی تھی یہ بت اس شخص نے خود بنایا تھا اپنے سوچ کو ایک عملی جامہ پہنایا ہوا تھا۔ڈیوڈ اور سمبل بنا آواز کے اس کے پاس برہنہ حالت میں جا کر بیٹھ گئے اس شخص نے بنا مڑے ڈیوڈ کی طرف ایک پلیٹ بڑھایا اس پلیٹ پر سرخ کپڑا اڑا گیا تھا۔ڈیوڈ نے وہ پلیٹ لے کر کپڑا ہٹایا تو اس پر گوشت کے ٹکڑے تھے وہ گوشت انسان کا تھا اب وہ وہاں کیسے اور کس طرح پہنچا صرف وہ شخص جانتا تھا اس نے اپنے گمبھیر آواز میں ڈیوڈ سے مخاطب ہوتے ہوئے کہا۔"یہ اس بچی کو کھلاؤ"ڈیوڈ نے اس پلیٹ کو سنبل کے گود میں رکھ دیا اور اس کو کھانے کے لیے کہا اس دائرے کے

اعتراف بیٹھے سنبل پلیٹ سے گوشت کا ایک ٹکڑا اٹھایا اور اسے بنا جھجک کے کھانے لگی وہ کسی شیطان کی مانند انسان کے گوشت کو چبا رہی تھی جیسے وہ کوئی عام زندگی میں کھانے والی سبزی ہو. سنبل نے ہے آج حیوانیت کا ایک درجہ پار کیا تھا یہ تو طے تھا کہ ابلیس اس سے بے تحاشا خوش تھا اس نے اپنی روح کو بیچنے کے لیے اور اپنی ادھوری خواہشات کو پورا کرنے کے لیے یہ وہشی سودا کیا تھا۔ڈیوڈ اسے دیکھ کر فخریہ انداز میں مسکرائے جا رہا تھا اس نے بھی ابلیس کو خوش کرنے کے لیے اس کی پلیٹ سے ایک ٹکڑا اٹھایا اور اس کے ساتھ اسی انداز میں جوانی لگا اس گوشت سے تازہ تازہ خون نکل رہا تھا پتہ نہیں وہ کس معصوم کے جسم سے الگ کیا گیا تھا ڈیوڈ اور سنبل اپنے چہرے پر آتے خون کو اپنے ہاتھوں سے صاف کر رہے تھے اور بڑے مزے سے وہ ٹکڑے چبا رہے تھے۔ دنیا کا سب سے مشکل کام انسان کے

جسم میں انسان بن کر رہنا ہے۔ خوشی نے بچپن سے یہ سنبل سے اور باقی بچوں سے یہی کہا تھا کہ جو چاہے کرو جس راستے پر چلنا چاہتے ہو چلو مگر اپنی خواہشات کو پورا کرو کیونکہ یہ زندگی تک باقی رہتے ہیں جب تک زندگی ہے خواہشات کو جیتے جاؤ اور پورا کرتے جاؤ اور اس کے ساتوں بیٹیاں اسی راستے پر چل رہی تھی۔

رمشا نے کھانا کھا کر دوائیاں لی اور وہیں سو گئی اس کا جسم ٹھنڈ سے کانپ رہا تھا لیکن وہاں کا موسم بہت گرم تھا روشنی نے اس کے اوپر گرم کپڑے ڈالے اور اس کو سلا دیا اس کے جسم میں حرارت کم ہو رہی تھی اور اس کے چہرے پر لال لال دانے آچکے تھے زندگی اب اس سے دغا کرنے والی تھی ۔روشنی اس کو سلا کر گھر کے کاموں میں لگ گئی۔اوپر کمرے میں سمیرا

صفائی کر رہی تھی۔ خوشی ہاتھوں میں سبزی کا تھیلا لئے اندر آئی۔ بھاری سامان اٹھانے کی وجہ سے اس کا سانس پھول رہا تھا جس کی وجہ سے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا۔ روشنی جلدی سے آگے بڑھ کر اس کے ہاتھ سے تھیلا لے لیا۔ اور اس کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھما کر سبزیاں نکالنے لگی۔ پانی پیتے ہوئے فکر مندی سے خوشی نے اپنی بیٹی رمشا کو دیکھا جو آہستہ آہستہ سانس لیتی ہوئی سوئی ہوئی تھی۔ خوشی اور رمشاہ کے پاس آکر بیٹھی اور اس کا ماتھا چیک کرنے لگی اسے محسوس ہوا کہ اس کا جسم بہت زیادہ ٹھنڈا ہو گیا ہے۔ اس نے اہستہ سے رمشا کو جگایا اور اس کے ہاتھ کو اور گلے کو چیک کیا اس کا پورا جسم ٹھنڈ کے مارے کانپ رہا تھا اور اس کے جسم پر کئی جگہ لال لال دانے نکل آئے تھے۔ خوشی نے روشنی کو پانی کا گلاس لانے کے لیے کہا۔ اس کو پانی پلا کر اس نے روشنی کو مارنے والی نظروں سے دیکھا۔

روشنیا پنے ہونٹ چباتے ہوئے شرمندگی سے گردن جھکائے ہوئے کھڑی ہوئی تھی۔ "چلو بیٹے ہاسپٹل چلتے ہیں" خوشی نے رمشاہ کو بیڈ سے اٹھاتے ہوئے کہا اور اسے لے کر ہاسپٹل کے لیے روانہ ہو گئی۔

اس نے اپنے پاس والے کلینک میں رمشاہ کو دکھانے کے لیے لایا۔ وہاں ایک خاتون ڈاکٹر تھی۔ اسپتال میں زیادہ لوگ نہیں تھے ان کی باری جلدی آگئی تھی۔ ڈاکٹر نے رمشاہ کو بیڈ پر لیٹنے کے لیے کہا اور اس کا چیک اپ کرنے لگی۔ ڈاکٹر نے اس کا چیک اپ کرنے کے بعد خوشی کو مخاطب کیا۔ "انہیں کسی دوائیوں کا ریکشن ہوا ہے" ڈاکٹر کی بات پر خوشی بے یقینی سے انہیں دیکھنے لگی۔ "آپ انہیں فوراً کسی اچھے ہاسپٹل لے جائیں" ڈاکٹر نے مزید اسے کہتے ایک پرچی پر اچھے ڈاکٹر کا نام اور ہاسپٹل کا پتہ لکھ کر اسے دیا

۔"میری... بیٹی... ٹھیک تو ہو جائے گی نہ" اس کی آواز ڈر کے مارے کانپ رہی تھی۔ رمشاہ اس ہاتھ پکڑے کبھی ڈاکٹر کو دیکھتی تو کبھی اپنی ماں کو۔ "اگر وقت سے پہلے علاج ہو تو ہاں" ڈاکٹر نے خوشی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے دلاسہ دینے والے انداز میں کہا- خوشی نے اپنی بیٹی کو دیکھا جو بڑی معصومیت سے اسے دیکھ رہی تھی اس کی آنکھوں میں جینے کی خواہش اور امید تھی۔ خوشی کے دل کے ہزاروں ٹکڑے ہوئے اور ہر ٹکڑا بے بسی کا شکار ہوا۔ اس کی آنکھیں نم ہونے لگی۔ آنسوں کے قطرے دھیرے دھیرے سفید فرش پر گرنے لگے۔ "امید مت چھوڑنا خوشی" ڈاکٹر نے اسے ہمت دینے کی کوشش کی۔ خوشی اپنی بیٹی کو لے کر وہاں سے چلی گئی۔ ڈاکٹر اس کے جانے کے بعد کئی دیر تک افسوس کرتی رہی ڈاکٹر کے ہاتھ میں ہمیشہ سب کچھ نہیں ہوتا کبھی کبھی وقت ڈاکٹر کو بھی بے بس اور مجبور

کر دیتا ہے جو زندگی بچانے والے ہوتے ہیں وہ بھی کہہ دیتے ہیں کہ اب دوا نہیں دعا کام کرے گی۔

خوشی اور رمشاہ رپورٹس لے کر ڈریم ہاسپٹل پہنچے جو جیسلمیر کا سب سے اچھا پرائیوٹ ہاسپٹل ہے۔خوشی نے ریسپشن پر ڈاکٹر کا پتہ پوچھا اور تیسری منزل کی طرف رمشاہ کو لیے چل پڑی۔ تیسری منزل پر پہنچتے ہی ایک نرس نے اسے دائیں طرف جا کر کونے میں موجود کیبن میں جانے کے لیے کہا وہ اس نرس کے بتائے گئے سمت میں اس دروازے کے آگے آکر کھڑی ہو گئی اور دروازہ کھٹکھٹانے لگی۔ اندر آنے کی اجازت دی گئی۔ اندر ایک نوجوان سفید کوٹ میں آنکھوں پر چشمہ لگائے مسکراتے ہوئے انہیں اندر آنے کے لیے کہہ رہا تھا۔ خوشی نے رمشا کی حالت بتائی اور اس کی

رپورٹس اسے دی رپورٹس دیکھتے ہی ڈاکٹر کی آنکھیں حیرت کے مارے پھیل گئی مگر اس نے ڈاکٹر ہونے کے ناطے اپنے چہرے پر کوئی پریشانی آنے نہیں دی یہ اس کے پروفیشن کا ایک حصہ تھا۔"میں کچھ ٹیسٹ لکھ کر دیتا ہوں آپ کو آپ یہ جلد سے جلد کروالیں اس کے بعد ہم ان کا علاج شروع کریں گے"ڈاکٹر نے نرمی سے خوشی سے کہا اور ایک پلچی پر فلاں فلاں ٹیسٹ لکھے اور اس کو تھما دیے. خوشی رمشا کو لے کر ٹیسٹ کروانے چلی گئی.

تقریبا دو گھنٹے بعد ٹیسٹ کی رپورٹ آئی وہ رپورٹ لے کر اسی ڈاکٹر کے پاس ائی ڈاکٹر کے ہاتھ میں رپورٹ تھماتے ہوئے اس کے چہرے کے تاثر بتا رہے تھے کہ اس کے دل کی دھڑکنیں کتنی بے ترتیب ہیں اور اس کی کیا حالت ہے۔"آپ گھبرائیے مت لیکن جو دوائیاں گورنمنٹ ہاسپٹل میں

آپ کی بیٹی کو دی گئی تھی وہ مس برینڈڈ تھی یعنی ان دوائیوں سے سائیڈ افیکٹ ہونے کے زیادہ چانسز تھے اس کا مسلسل استعمال کی وجہ سے آپ کی بیٹی کی کڈنی پر اثر پڑ رہا ہے اگر جلد سے جلد ٹرانسپلانٹ نہیں کروایا تو بہت مشکل آسکتی ہے." ڈاکٹر نے بڑے تحمل سے اسے کہا مگر اس کے باوجود بھی اس کے سر پر ساتوں آسمان آ گرے تھے اس نے بازو بیٹھی اپنی بیٹی کو دیکھا جو آنکھیں بند کیے کانپے جا رہی تھی اس کے دل میں اپنی بیٹی کو کھو دینے کا خوف پیدا ہوا۔ "آپ اپنا فیصلہ بتا دیں۔ ہم آپ کی بچی کے لئے ڈونور ڈھونڈنا شروع کر دیں گے۔" ڈاکٹر کی باتیں وہ بے یقینی سے سن رہی تھی۔ اس کے آنسوں حلق میں قید ہو گئے تھے۔ اس نے رپورٹس لے کر وہاں سے چلی گئی۔ اس نے اپنی خود غرضی کو آج دو کوڑی کا پایا تھا۔ وقت انسان کو اس کی اوقات دکھا ہی دیتا ہے۔

گھر آتے ہی اس نے ڈاکٹر کی دی ہوئی دوائیوں رمشاہ کو کھلائی۔ دوائی کھانے کے بعد وہ سو گئی۔ اس کے سر پر ہاتھ پھیرتی ہوئی وہ بے آواز رو رہی تھی۔ اس نے اپنی معصوم بچی کو دیکھا۔ کیا وہ اسے کھو دے گی۔ یہی خیال اسے بار بار ستا رہا تھا۔ اسے لگ رہا تھا کہ وہ بری طرح ہار گئی۔ اس نے ایک ہاتھ سے فون اٹھایا اور رحیم کو رمشاہ کی حالت بتائی۔ دوسری طرف رحیم آف لائن تھا اس نے فون رکھ دیا سنبل اپنا بیگ کرسی پر پھینکتی ہوئی رمشا کے پاس آئی اس کے چہرے پر لال لال دانے دیکھ کر اسے حیرانی ہوئی۔ "اسے کیا ہوا امی" اسنے فکر مندی سے پوچھا- خوشی نے اسے اپنے پاس بلایا اور اس کو اپنی گود میں سلا کر اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرنے لگی۔ اس کے آنسوں سنبل کی چہرے پر گر رہے تھے۔ "رمشا کی کڈنی خراب ہو گئی ہے

ڈاکٹر نے ٹرانسپلانٹ کرنے کے لیے کہا ہے" اس نے روتے ہوئے کہا

سنبل نے اپنی ماں کے آنسوں پوچھے "اچانک؟"

"گورنمنٹ ہاسپٹل کی دوائیوں کا سائیڈ ایفیکٹ ہوا ہے"

"تو آپ ان پر کیس کیوں کر دیتی" سنبل اس کی گود سے اٹھ کر اس سے بولی۔ "میرے اکیلے کے بولنے سے کیا ہو گا سنبل" خوشی نے بے بسی سے کہا۔

"آپ کریں ممی" سنبل نے خوشی کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بے حد نرمی سے کہا۔ اس کی آنکھوں میں اعتماد دیکھ کر خوشی نے ہاں کہہ دیا۔ کیس تو بس ظاہری طور پر سزا تھی اصل سزا وہ خود دینے والی تھی۔ سنبل کے پاس اب شیطانی طاقت تھی۔ ابلیس کا ساتھ ہے ڈیوڈ نے جانے سے پہلے اسے بہت عمل سکھائے تھے۔ وہ وہاں سے اٹھ کر باہر چلی گئی۔

صبور اسکول سے آتے وقت گلی کے موڑ پر رک گئی۔ دو عورتیں آپس میں لڑ رہی تھی۔ اس کے دل کو سکون ملا۔ کئی دنوں سے وہ اس نظارہ کو مس کر رہی تھی۔

دونوں عورتوں کے شوہر اپنی اپنی بیویوں کو اندر لے جانے کی کوشش کر رہے تھے مگر دونوں عورتیں پر جوش انداز میں پوری شدت سے لڑ رہی تھی۔ دیوار سے لگ کر اس نے اپنی جیب سے کینڈی نکالی اور لڑائی کا مزہ لینے لگی۔ گلی کے اس پار سے سنبل آ رہی تھی۔ صبور کو وہاں دیکھ کر وہ رک گئی۔ "کیا کر رہی ہو" سنبل نے اس کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔ "بس کچھ دیر اور یہ لڑائی چلے تو دل کو سکون ملے" اس نے جیب سے ایک اور کینڈی نکالتے ہوئے کہا۔ سنبل نے ان دو عورتوں کو دیکھا اب لڑائی تھمنے والی تھی

۔اس نے ایک نظر اپنی بہن کو دیکھا جو دعا کر رہی تھی کہ یہ لڑائی بڑھے سنبل نے اپنی آنکھیں بند کی۔(اے ابلیس تجھے فساد پھیلانا بہت پسند ہے نہ ان دو عورتوں میں اس نفرت کی آگ کو بڑھادے")اس نے دل ہی دل میں ابلیس سے کہا اور اگلے ہی پلان دونوں عورتوں ایک دوسرے کا سر پھوڑ دیا۔صبور تو خوشی سے اچھلنے لگی اس کی خوشی دیکھ کر سنبل کو بھی خوشی ہوئی۔سنبل صبور کو وہیں خوش ہوتا چھوڑ کر چلی گئ۔اگلے ایک گھنٹے تک وہ دونوں عورتیں ایک دوسرے کو زخمی کر چکی تھی اور اب ان دونوں کو پاسپٹل لے جارہے تھے۔صبور اپنے ہاتھ جھٹکتی وہاں سے گھر چلی آئی اس کے گھر کے اعطراف پڑوسی بیٹھے ہوئے تھے۔اس کو آتا دیکھ وہ آپس میں سرگوشی کرنے لگے۔صبور نے جواباً ان لوگوں کو گھور کر دیکھا۔" میرے بارے میں بات کر رہے ہو"اس نے رک کر دیوار سے لگ کر

شرارتاً پوچھا۔"ہاں تیرے اور تیری ماں کے بارے میں" ایک عورت نے حقارت سے کہا صبور ہلکا سا ہنسی۔"چغلی کر رہے تھے مجھے بھی بتاؤ کیا بول رہے تھے" اس کے انداز سے لگ رہا تھا کہ اسے ان کی باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا۔"یہی کہ تم لوگ لوگوں کو کتنا پریشان کرتے ہو سارا کچرا راستے پر پھینک دیا اللہ الگ سے حساب لے گا تمہارا" دوسری عورت سے تفصیل سے جواب دیا صبور نے سڑک پر نظر ڈالی اس کے گھر کا سارا کچرا کتا کھینچ کر سڑک پر لا چکا تھا۔"میں نے مان لیا کہ یہ غلط ہے مگر تم لوگ جو چغلی کر رہے ہو کیا وہ صحیح ہوا گر صفائی سے اتنا ہی پیار ہے تو خود صاف کر دو" صبور نے اسی انداز میں جواب دیا۔اور گھر کے اندر چلی آئی۔ مصباح اور سمیہ دوسری گلی میں موجود مسجد کے پیچھے امرود توڑنے گئے ہوئے تھے صبور بھی فریش ہو کر کپڑے بدل کر ان کی طرف چلی گئی۔

صبور کے وہاں جاتے ہی سمیہ اور مصباح کو ہمت آئی۔ صبور ہمیشہ کی طرح بندر کی طرح پیڑ پر چڑھی اور امرود توڑنے لگی تینوں بہنیں امرود کو اپنے گود میں چھپائے وہاں سے بھاگے مگر اس بار مسجد کے امام نے انہیں دیکھ لیا۔اس نے ان کو پیچھے سے آواز دی مگر وہ تینوں ہوا کی طرح وہاں سے غائب ہو گئے۔ مسجد کے امام نے اس علاقے کے کچھ لوگوں کو بلا کر ان تینوں بچوں کی شکایت کی اور یہ طئے کیا کہ وہ اس کے گھر جا کر اس کی ماں سے بات کریں گے۔ وہ چار سے پانچ لوگ خوشی کے گھر کی طرف روانہ ہوئے راستے میں چلتے وقت دو آدمیوں نے امام سے نہ جانے کا مشورہ دیا کیونکہ وہ خوشی کے مزاج سے اچھی طرح سے واقف تھے۔ مگر اس کے باوجود امام نہیں مانا۔ وہ لوگوں کو لے کر اس کے گھر کے سامنے آکر رک گئے سامنے

بہت سارا کچرا دیکھ کر انہیں کراہت ہوئی انہوں نے فوراً اپنی ناک بند کر لی ان میں سے ایک فرد نے خوشی کو آواز دے کر باہر بلایا۔ خوشی سر پر پلو اوڑھے باہر آئی اور بے زاری سے کلام کیا۔ "آپ کے بچے مسجد کے امرود توڑ کر بھاگے ہیں" امام نے بات کا آغاز کیا۔

"تو امرود آپ کے تھے؟" خوشی کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں۔

"نہیں مگر یہ بد تمیزی ہے اگر آپ نے...."

"خدا کے گھر سے خدا کی بنائی گئی چیزوں کو لینے کو چوری نہیں کہتے امام صاحب" اس نے امام کو بیچ میں ہی ٹوکتے ہوئے کہا امام کے چہرے کی رنگت غائب ہو گئی۔ "لیکن..." امام نے مزید کہنا چاہا مگر خوشی نے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔ "لیکن ویکن کچھ نہیں میرے بچوں نے کچھ غلط نہیں کیا آپ جا سکتے ہیں" اس نے بڑی بد تمیزی سے انہیں وہاں سے

جانے کے لیے کہا۔ امام اور اس کے ساتھ آئے لوگ شرمندگی سے گردنیں جھکا کر چلے گئے۔ ان کے جانے کے بعد اس نے سامنے پڑا کچرا اٹھایا اور صفائی کی۔ چھت پر بیٹھی عورتیں اسے ترش اور غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہے تھے۔ وہ ان سب کے لئے ہمیشہ چبھنے والا کانٹا بن چکی تھی وہ اکثر اس کی موت کی بھی دعا کرتے۔

خوف کے عادی شخص کو ایک وقت کے بعد خوف آنا بند ہو جاتا ہے اور ریوان انہی لوگوں میں سے تھا۔ اسے خوف اس ڈراونے سایہ سے نہیں آتا تھا اسے خوف اپنے گناہ سے آتا تھا سچ کے سامنے آنے سے آتا تھا کچھ دنوں

کی وقت گزاری نے اس کی ساری زندگی تباہ کر دی تھی۔ وہ زمینوں کے دورے پر نکلا ہوا تھا اپنی زمین کا ایک بڑا احاطہ تھا اس کی آنکھوں کے سامنے تھا اس کے سامنے اپنی زمین پر انگنت ملازموں کو دیکھ کر وہ رک گیا اس کی ماں سچ کہتی تھی وہ شہنشاہ ہے زمین کا وہ بنا کسی پریشانی کے اس زمین پر راج کر سکتا ہے لیکن اس کے اندر چھپا راز اسے غلام کی حیثیت سے بھی جینے نہیں دے رہا تھا. ہاتھ میں دھان کا ایک گچھا پکڑے وہاں سے مزدور گزرتے ہوئے اسے سلام کر رہے تھے وہ سر کو جمبش دیتے ہوئے ان کے سلام کا جواب دے رہا تھا۔ دل کے ہر کونے میں صرف اور صرف ندامت تھی۔ دوپہر کے کڑکتی دھوپ میں تمام مزدور اپنا کام ختم کر کے برگد کے پیڑ کے نیچے کھانا کھانے کے لیے چلے گئے ان لوگوں کا ایک بڑا ہجوم ہنسی خوشی کھانے کے نوالے لے رہا تھا اور ایک دوسرے کو کھلا بھی رہا تھا اسے

اس کڑکتی دھوپ میں وہ منظر بے حد پر سکون اور دل کو خوش کرنے والا لگا ان مزدوروں کے ہجوم میں نہ کوئی حسد تھا نہ کوئی اونچ نیچ وہ تھک ہار کر مزدوروں کی زندگی جی کر بھی خوش تھے۔اور جو بچپن سے آرائش و زیبائش میں پلا بڑھا تھا وہ بے سکون تھا۔اس نے اپنے آپ کو دنیا کا سب سے غریب انسان پایا جس کے پاس زندگی کی تمام آرائش وزیبائش تھے مگر پھر بھی وہ تنہا تھا۔ایسے راستے پر بے سامان کھڑا تھا جس کی نہ کوئی منزل ہے نہ راہ وہ اس اندھیرے کا اکیلا رہ گزر بن کر رہ گیا تھا جیسے اس راستے نے اسے اپنے اندر قید کر لیا ہو۔اس نے اپنی جیب میں پڑا بجتا فون اٹھایا اور اس کو کان سے لگا کر ہیلو کہا۔دوسری طرف صرف کسی کی سانسوں کی آواز تھی اور وہ ان سانسوں سے آشنا تھا دنیا کی تمام آوازیں وہ بھول سکتا تھا لیکن کسی کی سانسوں کی آواز کو بھولنا اس کے لیے ناممکن تھا۔اس نے بنا کوئی رد

عمل کیے فون کو کان سے لگائے ان سانسوں کو سنتا رہا اور ان کے درمیان کئی جذباتوں سے بھرا اپنا نام۔ اتنے سالوں میں اس نے اپنے آپ کو بے خوف کر دیا تھا اب وہ خود چاہتا تھا کہ اس کا خوف اس کے عین سامنے آئے اور وہ اس سے معافی مانگے مگر جب وقت ہاتھ سے نکل جائے تو معافی کام نہیں کرتی صرف قتل عام کرتی ہے۔ کئی دیر بعد فون اپنے آپ فون کٹ ہو گیا اس نے فون کو واپس اپنے جیب میں رکھ دیا اور اس کڑکتی دھوپ میں سامنے ہری بھری زمینوں کو دیکھ رہا تھا۔ اسے یاد ایا کہ دشا نے سے کھانے کے لیے بلایا تھا اس نے مزدوروں کو باقی کا کام سمجھا کر گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

راستے میں اس کی ملاقات ڈی ایس پی عیسی اور اس کی بیوی سے ہوئی۔ ریم کار میں بیٹھی عیسی کو گاڑی ٹھیک کرتے ہوئے دیکھ رہی تھی۔ عیسی سفید لباس میں بار بار اپنا پسینہ پونچھتا گاڑی کو ٹھیک کرنے کی ناممکن کوشش کر رہا تھا۔ ریوان نے گاڑی روک کر عیسی کی کار کی طرف اپنے قدم بڑھائے اس سے بنا بات کیے بغیر وہ گاڑی ٹھیک کرنے لگا چونکہ وہ ان کاموں میں ماہر تھا اسے پریشانی معلوم کرنے کے لیے زیادہ وقت نہیں لگا اس کو کام کرتا دے عیسی اچھا خاصا امپریس ہو گیا تھا وہ اس کے ہاتھوں کی حرکت کو بڑے غور سے دیکھ رہا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہ اس کام میں ماہر ہے۔ گاڑی ٹھیک کرنے کے بعد اس نے ڈکی بند کر دی اور عیسی کی طرف متوجہ ہوا "جو کام نہ آتا ہو اسے نہ کرنے میں ہی بھلائی ہے" اس کا لہجہ ہمیشہ کی طرح تھکا ہوا تھا اور یہ تھکن اس کے جسم سے بھی معلوم ہو رہی تھی کیونکہ اس کے کندھے جھکے

ہوئے تھے اور اس کی آنکھوں میں بے شمار نیند تھی اس کے بالوں سے پسینہ ٹپک رہا تھا اور اس کے ہاتھوں میں گاڑی ٹھیک کرتے وقت کالے داغ لگ گئے تھے عیسی نے اپنی جیب سے رومال نکال کر ریوان کی طرف بڑھایا اور اسے ہاتھ صاف کرنے کے لیے اشارہ کیا. ریوان نے بنا کسی چوں چیڑ کے اس کے ہاتھ سے رومال لیا اور اپنا چہرہ اور ہاتھ صاف کرنے لگا۔ گاڑی میں بیٹھی ریم ان دونوں کو بہت غور سے دیکھ رہی تھی اور ان دونوں کے درمیان جو ٹینشن تھی کسی کو بھی خوفزدہ کر سکتی تھی اس نے مداخلت کیے بغیر وہیں بیٹھے رہنے کا فیصلہ کیا۔ "شکریہ! مدد کرنے کے لیے اور مفت کی صلاح دینے کے لیے ایک صلاح میں بھی آپ کو دینا چاہتا ہوں کہ جو کام ہمیں نہیں آتا ہو اسے سیکھنے کی کوشش کرنی چاہیے پھر بھلے وہ گاڑیوں کو ٹھیک کرنا ہو یا انسانوں کو. "ہر بار کی طرح اس کے انداز میں کوئی

شگفتگی نہیں تھی بلکہ سختی اور سنجیدگی تھی شاید وہ کسی بات سے پریشان تھا اور اس شخص کا وہاں آنا اس کی پریشانی کو بڑھا رہا تھا وہ شخص عیسی کی الجھنیں بڑھا دیتا تھا۔ ''ہم راجپوت کسی کی صلاح نہیں لیتے'' ریوان نے ہمیشہ کی طرح بڑے رباب سے کہا عیسی تھوڑا سا مسکرایا مگر اس کی مسکراہٹ طنزیہ تھی. ''آپ راجپوت صلاح لینے میں نہیں دینے میں یقین کرتے ہیں'' اس نے شاباشی دینے والے انداز میں اس سے کہا اور رومال کو اسی کے ہاتھ میں چھوڑ کر کار میں آ کر بیٹھ گیا۔ ریوان رومال کو وہیں زمین پر پھینک کر اپنی گاڑی میں آ کر بیٹھ گیا اور وہاں سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد ریم نے عیسی سے پوچھا ''آپ جانتے ہیں اسے'' عیسی نے کار سٹارٹ کرتے ہوئے اس کو کہتے سنا'' جانتا نہیں ہوں مگر جاننا چاہتا ہوں بڑا دلچسپ کردار ہے زبان پہ کچھ اور دل میں کچھ اور ہوتا ہے اس کے'' ریم نے اسے ستائش

نظروں سے دیکھا "اتنا تو کوئی دوست بھی نہیں جانتا جتنا آپ جان چکے ہیں اس کے بارے میں "ریم کے جملے نے عیسی کو مزید الجھا دیا کیا وہ شخص کو جانتا تھا کیا وہ اس شخص کو پڑھ پایا تھا ایک اور سوال اس کے ذہن میں اٹھا اس کی بیوی نے آج اسے انجانے میں ہی اسے آئینہ دکھایا تھا. عیسی اور ریم بہت دنوں بعد آج گھر سے نکلے تھے. ریم گھر میں بیٹھے ہوئے تھک چکی تھی وہ ہمیشہ سے ہی باہری فضا کی عادی تھی اسے چار دیواری میں قید رہنا کبھی نہیں پسند تھا مگر عیسی کی مصروفیت نے اسے چار دیواری میں رہنے کے لیے مجبور کر دیا تھا۔

باورچی خانے میں ملازم اپنا کام ختم کر کے باہر چلے گئے تھے۔ باورچی خانے میں صرف ریشمی حساب کتاب کرتے ہوئے بیٹھی ہوئی تھی پرتاب

کے جانے کے بعد کستوری دیوی نے آج پہلی بار اسے حساب کتاب کرنے کے لیے کہا تھا جسے وہ بڑے پر جوش انداز میں کر رہی تھی۔ باورچی خانے میں ایک دم عجیب سی بو آنا شروع ہو گئی کسی گوشت کی جو کئی سالوں سے سڑ چکا ہے۔ مگر ریشمی حساب کتاب کرنے میں اتنی مصروف تھی کہ اسے وہ بو محسوس ہی نہیں ہوئی اس کا دل تب دھڑکنا بھولا جب اس نے اپنے گلے کے اعتراف کسی کے ہاتھوں کی مضبوط گرفت محسوس کی اس کی سانسیں رک رہی تھیں اور اس کی آنکھوں میں خون اتر رہا تھا اس نے آنکھیں نیچے کر کے ان ہاتھوں کو دیکھنے کی کوشش کی وہ ہاتھ کسی انسان کے نہیں تھے نہ وہ ایسی مخلوق کے تھے جسے اس نے کبھی دیکھا تھا ان ہاتھوں میں انگوٹھیاں تھی چمکتی ہوئی رنگ برنگی پتھروں کی۔ اس کی جان حلق میں آ پہنچی تھی بیک وقت اس کی آنکھوں سے آنسوں آنا جاری ہو گئے اس

سے پہلے کہ اس کی روح اس کے جسم سے جدا ہو جاتی باورچی خانے میں
اچانک دشا داخل ہوئی ان ہاتھوں نے یک دم سے اس کے گلے کو آزاد کر
دیا وہ کھانستے ہوئے اپنی سانسوں کو بحال کرنے لگی دشا کو حیرانی ہوئی کہ وہ
کیوں کھانس رہی ہے کیونکہ گیس بند تھے اور نہ کوئی دھواں تھا جب ریشمی
کی کھانسی زیادہ ہوئی اس نے اسے پانی کا گلاس پکڑوایا اور اس کی پیٹ کو
تھپتھپایا۔ "اچانک آپ کو کیا ہوا بھابھی" ریشمی بولنا چاہتی تھی مگر اس کی
زبان کو کسی نے حلق کے اندر کھینچ لیا تھا اس نے بس نفی میں سر ہلایا اور
اسے وہاں سے جانے کے لیے کہا. دشا نہ سمجھی سے وہاں سے کھانا لے کر
باہر کی طرف چلی گئی کیونکہ ریوان کو کھانا دینا تھا. اس کے جانے کے بعد
اس نے چاروں طرف دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا اس نے اپنے سینے پر ہاتھ
رکھا اس کا دل زور زور سے دھڑک رہا تھا۔ ذہین میں ماضی ایک بار پھر تیش

کھا کر سامنے آیا۔اس نے جلدی سے باورچی خانے سے نکل کر مندر میں جا کر وہاں سے دیوی کا دھاگا اٹھا کر اپنی کلائی پر باندھ لیا۔تب جا کر وہ کچھ مطمئن اور پر سکون ہوئی۔وہ واپس باورچی خانے کی طرف دوڑی اندر قدم رکھتے ہی اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی اس نے جو پچھلی ڈھائی گھنٹوں سے حساب کتاب کیا تھا وہ سارا اجل کر راخ بن گیا تھا وہ آگے بڑھ کر اس راخ کو ہاتھوں میں لیے دیکھنے لگی اس کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے تھے اسے یقین آگیا تھا کہ یہ سب کون کر سکتا ہے۔اس کے کانوں میں آہستگی سے کسی کے ہنسنے کی آواز آئی. وہ اسی رفتار سے واپس چلی گئی باورچی خانے میں پڑی راخ ہوا میں تحلیل ہو کر غائب ہو گئی اب ہنسنے کی آوازیں بلند ہو رہی تھی مگر صرف دیواریں ہیں انہیں سن پا رہے تھی۔

آہستہ آہستہ لقمہ چباتا ہوا دشا کی باتیں سن رہا تھا وہ کہہ رہی تھی کہ اسے بچوں کی یاد آرہی ہے وہ واپس جانا چاہتی ہے۔ نوالہ چباتے ہوئے ریوان نے رک کر اسے دیکھا اور کہا کہ کچھ دنوں بعد وہ دونوں ساتھ میں بچوں سے ملنے جائیں گے۔ ریوان بہت بھوکا تھا ایک بار پھر وہ کھانے کی طرف متوجہ ہو گیا۔ دشا خاموشی سے اسے کھاتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ کھانے کے فورا بعد وہ وہاں سے اپنے کمرے میں چلا گیا۔ دشا کو ریوان کی بے رخی بہت تکلیف دے رہی تھی۔ وہ وہاں آکر بدل گیا تھا۔ وہ روز اس کے بدلتے رویے کو دیکھ کر یہی سوچتی کہ وہ پریشان ہے اسلئے اس نے کچھ کہنا مناسب نہیں سمجھا

ریم اور عیسی باہر کھانا کھا کر گھر پہنچے گھر کے صحن میں بس ایک ملازمہ تھی باقی کے تمام ملازم گھر جا چکے تھے۔ ملازمہ کہیں گم تھی اسے ریم اور عیسی کے آنے کا احساس تک نہیں ہوا عیسی گاڑی پارک کر کے ریم کے کاندھے پر ہاتھ رکھے گھر کے سامنے آ کر رک گیا۔ "کیا ہوا" ریم نے ملازمہ کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا-اچانک چھونے پر ملازمہ اچھل کر سیدھی ہوئی ۔عیسی ریم کو ملازمہ نے ساتھ چھوڑ کر اندر چلا گیا۔ریم ملازمہ کے برابر بیٹھ گئی۔ "تمہاری طبیعت ٹھیک ہے نہ" ریم نے بڑی نرمی سے اس کا حال پوچھا- "میم جی میں یہاں نوکری نہیں کرنا چاہتی" کئی دیر کی خاموشی کے بعد ملازمہ نے جواب دیا۔ شام اب پوری طرح رات میں تبدیل ہو چکی تھی۔ سیاہ آسمان میں پرندے بنا آواز کے اپنے اپنے گھروں کے لئے روانہ-ہوا نہ ہونے کے برابر تھی۔ ہرے ہرے پتوں میں پانی کی بوندیں موتی کی

طرح چمک رہی تھی۔اور پھولوں کی خوشبو آہستہ آہستہ فضا میں مل رہی تھی۔"کیوں" ریم نے اسی پر سکون انداز میں کہا۔

"میڈم جی رات میں بہت ڈر لگتا ہے وہ سایہ بہت ڈراونا ہے" اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھ کر ریم کی ہنسی چھوٹ گئ۔کچھ لمحوں بعد اس نے ہسنا بند کر کے ملازمہ سے مخاطب ہو کر کہا۔"سوری! مگر تم نے خود کا سایہ دیکھ لیا ہو گا اگلی بار کوئی درست وجہ دینا" وہ اس ملازمہ کو وہیں چھوڑ کر اندر چلی آئی ملازمہ اپنے ہاتھ میں رد کراش کی مالا لئے بیٹھی رہی۔

عیسی اندر کپڑے بدل کر کام کر رہا تھا ریم نے بنا آواز کئے الماری سے کپڑے نکالے اور حمام میں چلی گئ۔جب وہ کپڑے بدل کر سادی نائٹ میں باہر آئی تو عیسی اب بھی لیپ ٹاپ میں کچھ ٹائپ کر رہا تھا لیپ ٹاپ کی نیلی نیلی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ریم بیڈ پر اپنا اون لئے بیٹھ گئ

۔عیسی نے ایک نظر اسے دیکھ وہ ہر بار کی اپنا پورا فوکس اس اون پر ڈالے بہت زیادہ پیاری لگ رہی تھی۔اس وقت عیسی کے گرد دو دنیا تھی ایک وہ دنیا جہاں وہ بے تحاشہ الجھا ہوا تھا کئی جرائم اور بے گناہوں کی موت اس دنیا کا حصہ تھی۔اور ایک دنیا تھی اس کی بیوی جو بے حد حسین تھی جس کی ایک مسکراہٹ اس کی ساری تھکن کو دور کر اسے پر سکون کر دیتی تھی۔وہ فائلوں کو بند کر کے بیٹھ کی طرف آیا ریم کے پیروں کے پاس بیٹھ کر اس نے اچانک سے ہی اس کے پیر دبانے شروع کر دیے اس کی اچانک حرکت سے ریم چونک کر پیچھے کو ہوئی مگر عیسی نے اس کے پیروں پر گرفت مضبوط کر کے اسے خود کو پیر دبانے کی اجازت مانگی۔وہ کئی دیر تک خاموشی سے اس کے سفید پیروں کو دباتا رہا ریم اسے محبت بھری نظروں سے دیکھ رہی تھی اس کے ہاتھ میں پڑا اون کب کا اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر نیچے

گر گیا تھا جس کا ایک سرا اس کی انگلیوں میں تھا۔ کچھ دیر بعد وہ اس کے پیروں کو بے تحاشہ محبت سے چومنے لگا ریم نے اپنی آنکھیں بند کر لی اس نے پیروں کو چوم کر واپس رکھ دیا اور ریم کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لے لیا ریم کے سفید سفید گالوں پر سرخ رنگ بڑی تیزی سے چڑھ رہا تھا جیسے کسی نے سفید کینوس پر سرخ رنگ پھینک دیا ہو۔ عیسی دیکھ سکتا تھا کہ اس کی کان کی لو تک سرخ ہو چکی ہے اور اس کی آنکھیں شرم کے مارے جھک گئی ہیں۔ "تمہیں پتہ ہے میں تم سے کتنی محبت کرتا ہوں" ریم نے کوئی جواب نہیں دیا کیونکہ وہ صرف سننا چاہتی تھی. "جیسے کوئی مرنے والا اپنی زندگی سے محبت کرتا ہے جیسے کوئی قاری اپنی کتابوں سے کرتا ہے جیسے کوئی مصنف اپنے قلم سے کرتا ہے جیسے کوئی شاعر آسمان کی چاند سے کرتا ہے" عیسی نے بڑی محبت سے اس کے ہاتھ کی پشت کو چومتے ہوئے اپنی

بے پناہ محبت کا اظہار کیا یہ اظہار وہ اکثر کیا کرتا تھا نہ اس کا کوئی وقت ہوتا نہ جگہ۔ "سب کہتے ہیں کہ یہ جگہ ڈراؤنی ہے خوفناک ہے اور یہاں کوئی ٹک نہیں پاتا لیکن مجھے فخر ہے کہ میری بیوی ان ایمان والی عورتوں میں سے ہے جو صرف خدا سے ڈرتی ہے اور اس کی بنائی گئی باقی تمام مخلوقات سے بے خوف ہے" ریم کی آنکھیں نم ہونے لگی عیسی کچھ مزید قریب ہو کر اس کے آنسوؤں کو اپنے ہاتھوں سے پونچھنے لگا "آپ کو پتہ ہے عیسی کسی عورت کے لیے سب سے بڑی تعریف یہی ہے کہ کوئی اسے ایمان والی کہے" ریم اس کے سینے سے لگ کر تشکر کا اظہار کر رہی تھی وہ بڑی آسانی سے عیسی کی ہموار سانسوں کو سن پا رہی تھی۔ عیسی نے اس کے بالوں کو چومتے ہوئے اسے الگ کیا اور ان کا گرا ہوا گولا لا کر اس کی گود میں رکھ دیا" جایئے آپ کام کیجیے "ریم نے اسے پیچھے کی طرف ہٹاتے ہوئے کہا

عیسی ہنستا ہوا بیڈ سے اٹھا اور صوفے پر جا کر واپس اپنے کام میں لگ گیا مگر وہ وقتا فوقتا ریم کو دیکھتا رہا ریم کی انگلیاں بہت رفتار سے حرکت کر رہی تھی.

ریوان ہاتھ میں چائے کا کپ پکڑے بے خیالی میں آسمان کو تکے جا رہا تھا آسمان کی تاریکی اس کے دل کے لیے آئینہ تھی۔ چائے کا دھواں دھیرے دھیرے ہوا میں تحلیل ہو کر غائب سا ہو گیا۔ چائے ٹھنڈی ہو گئی تھی اس کے اعتراف بڑے بڑے درخت تھے اور زمین پر گھاس فرش بنی ہوئی تھی۔ کستوری دیوی نے چاروں طرف باؤنڈری پر چھوٹے چھوٹے بلب لگوائے تھے جس سے وہ حویلی مزید خوبصورت بن رہی تھی ریوان کی آنکھوں کے سامنے آسمان پر ایک تارا ٹوٹ کر گرا اس نے چائے کا مگ ہونٹوں پر لگایا مگر جیسے ہی اس نے چائے کا گھونٹ لیا اس نے مگ واپس رکھ

دیا کیونکہ چائے بہت زیادہ ٹھنڈی ہو گئی تھی۔اس کے کانوں میں دشا کی

آواز پڑی تو وہ مڑ کر سیدھا ہوا۔اس کی آنکھیں زیادہ سونے کی وجہ سے

سوجھ گئی تھی اور سامنے چلتا وجود اس رات کا جیتا جاگتا انسان کی شکل میں

چاند تھا۔وہ کالی نائٹی میں بالوں کو کھلا چھوڑے کانوں میں جھمکے نکال دیے

گئے تھے ناک میں ایک خوبصورت چمکتا نت اور گلے میں ریوان کے نام کا

چمکتا منگل سوتر مانگ میں سجا سرخ سندور۔ریوان یہ سوچنے سے قاصر تھا

کہ اس نے اس سے زیادہ خوبصورت عورت اپنی زندگی میں کبھی نہیں

دیکھی نہ کبھی دیکھ پائے گا کیونکہ اس کی نظروں کا سفر دشا سے شروع ہو کر

دشا پر ختم ہوتا تھا۔وہ کسی ہرن کی مانند چل کر اس کے برابر آ کر کھڑی ہو

گئی اس کی نظریں اب کالے آسمان پر تھی لیکن ریوان کی نظریں دشا پر

مرکوز تھی۔وہ دونوں کئی دیر تک اسی طرح کھڑے رہے ریوان دشا کو

دیکھتا رہا اور دشا آسمان کو۔ ہواؤں میں ہلکی سی حرکت شروع ہوئی مگر وہ ہوائیں ہموار تھی ان لمبے لمبے درختوں پر پتے آہستگی سے حرکت کرنے لگے اور کچھ بے جان سے پتے جھڑ کر اس ہری گھاس پر گرنے لگے. "آپ کیوں بدل گئے ہیں یہاں آکر" ریوان دشا کی خوبصورتی میں پوری طرح ڈوب چکا تھا اس کے اچانک سوال پر اس کے خیال کا ارتکاز ٹوٹا اس نے اسے بغور دیکھتے ہوئے ایک لمبی سانس لی اور اپنا چہرہ موڑ لیا. "آپ رام پور میں ایسے نہیں تھے کوئی بھی چیز آپ کو مجھ سے دور نہیں کر پا رہی تھی نا کام نا کام سے جڑی مصروفیت نہ بچے نہ آپ کی تھکان یہاں تو ایسا کچھ نہیں ہے مگر پھر بھی آپ مجھ سے دور ہو گئے ہیں اس بڑی سی حویلی میں آپ کھو گئے ہیں" دشا ریوان کے عین مقابلہ آکر کھڑی ہو گئی اس کی آنکھوں میں بغور دیکھتے ہوئے اس کو پڑھنے کی کوشش کرنے لگی مگر ناکام رہی۔ وہ دیکھ پا

رہی تھی کہ ریوان ذہنی طور پر بہت تھکا ہوا ہے۔دشا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا"بتایئے ریوان آپ کو کون سی چیز پریشان کر رہی ہے"اس نے بڑی نرمی سے اس سے سوال کیا ریوان نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا"کیا تجھے لگتا ہے کہ کوئی مجھے تجھ سے دور کر سکتا ہے"یہ سوال وہ دشا سے زیادہ خود سے کر رہا تھا اور ساری کائنات اسے ایک ہی جواب دے رہی تھی"کبھی نہیں کوئی بھی نہیں"دشا کی آواز میں سارے کائنات نے اسے اس کے سوال کا جواب دیا۔ریوان کچھ مطمئن سا ہو کر دشا کو اپنے سینے سے لگا لیا اس کے مضبوط باہوں میں آ کر دشا کچھ پر سکون ہوئی اس کا شک ریت کے مانند اس کے ہاتھ سے اور دل سے پھسل گیا۔اسے یہ پکا یقین ہونے لگا کہ اس کا پتی اسے کبھی دھوکا نہیں دے گا اور اسے کچھ بھی نہیں چھپائے گا.کالی رات کی چادر اوڑھے وہ دونوں

ایک دوسرے کو ایک دوسرے کا ہونے کا یقین دلا رہے تھے۔ ریوان کے کانوں میں کسی کی سسکیوں کی آواز آرہی تھی مگر اس نے ان آوازوں کو مکمل طور پر نظر انداز کرتے ہوئے دشا کے بالوں کو چوما اور اس کو مزید اپنے سینے میں قید کر لیا۔

ریوان اور دشا کو کھڑکی سے دیکھ کر ریشمی اپنا خون جلا رہی تھی وہ یہ نہیں چاہتی تھی۔ وہ جانتی تھی کہ دشا اس کے مقابل زیادہ بہتر ہے اور وہ اپنی جگہ کھو دینے کا ڈر لیے پوری حویلی میں گھوم رہی تھی۔ وہ چونک کر پلٹی تھی جب اس نے اپنے کاندھے پر کسی مظبوط ہاتھوں کو محسوس کیا۔ دیوان اسے غصے سے دیکھ رہا تھا ریشمی اس کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے ڈر گئی تھی. وہ سفید سادہ لباس میں ہاتھ میں کاغذوں کا بنڈل پکڑے اس پر آنکھوں سے

انگارے برسا رہا تھا" تمہیں ایک کام دیا تھا ماں جی نے وہ بھی تم سے نہیں ہو پایا" وہ اپنے دانت چباتا ہوا بولا. ریشمی نے جواب دینا چاہا مگر اس بار بھی اس کی زبان کو کسی نے حلق کے اندر کھینچ لیا وہ کمرے کے اندر چلی گئی دیوان کچھ دیر بالکنی میں اپنا سر پٹکتا کھڑا رہا اس کے بعد وہ بھی اندر چلا گیا. "تم جواب کیوں نہیں دے رہی ہو کیا زبان نہیں ہے تمہارے اندر" دیوان نے اس کے ہاتھ پر مضبوطی سے اپنا ہاتھ دباتے ہوئے اسے اپنی طرف کیا. "غلطی ہو گئی کنور سا اگلی بار نہیں ہو گا" ریشمی نے گردن جھکا کر معذرت خوانہ انداز میں اسے کہا اس کے بازو پر دیوان کی گرفت کچھ ہلکی پڑی اس نے اسے ایک جھٹکے سے اسے بیڈ پر پٹکا اور اس کی طرف انگلی کر کے اس سے کہنے لگا" تم اس حویلی کی مالکن بننے کے لائق ہو ہی نہیں" دیوان نے اپنے دانت چباتے ہوئے بڑی حقارت سے اس سے کہا

اور اپنے کاغذوں کا بنڈل لیے کمرے سے باہر چلا گیا اس نے دروازہ اتنی زور سے بند کیا کے ریشمی کا دل دھک کر کے رہ گیا۔ دیوان کے جانے کے بعد وہ بیڈ پر اوندھا لیٹے بے آواز رونے لگی۔

دیوان وہ بنڈل لے کر کستوری دیوی کے کمرے میں آگیا۔ کستوری دیوی بیڈ پر بیٹھی گیتا کا جاپ کر رہی تھی اس کے گلے اور ہاتھ میں رودراکش کی مالا بندھی ہوئی تھی یہ اس رات کے بعد سے ہوا تھا اس نے دیوان کے اتے ہی گیتا بند کر دی اور اس کی طرف متوجہ ہو گئی اس کی نظر سب سے پہلے دیوان کے ہاتھ میں موجود کاغذوں کے بنڈل پر پڑی اس نے یہ اندازہ لگایا کہ ریشمی نے وہ کام نہیں کیا ہے جو اس نے اسے دیا تھا ملازموں نے بھی بتایا تھا کہ باورچی خانے میں کچھ کاغذ جل گئے تھے اور ریشمی ان کاغذوں کو دیکھ کر

رو رہی تھی۔ دیواروں کے کان سے زیادہ ملازموں کے کان کام کرتے ہیں وہ اپنے مالک کی ہر خفیہ بات کو جانتے ہیں وہ انجانے میں ہی ان کے رازداں بن جاتے ہیں یا پھر ان کے راز کو اپنی گفتگو کا مضمون بنا لیتے ہیں۔"ماں جی ریشمی کی طرف سے میں آپ سے معافی مانگتا ہوں کل تک سارا حساب کتاب میں آپ کو دے دوں گا" دیوان اپنی ماں کے سامنے گردن جھکائے ندامت سے بولا کستوری دیوی بیڈ سے اٹھ کر اس کے عین مقابلہ کر کھڑی ہو گئی "دیوان ہمیں تم پر پورا بھروسہ ہے تم اس حویلی کے ستون ہو جس پر پوری حویلی کھڑی ہوئی ہے ہمارے بھروسے کو ٹوٹنے مت دینا" کستوری دیوی اس کی توقع کے برخلاف بات کر رہے تھے وہ کوئی اور بات لے کر آیا تھا مگر کستوری دیوی اسے ڈانٹنے کے بجائے اس سے اپنی امیدوں کا اظہار کر رہی تھی. اس نے گردن اٹھا کر اپنی ماں کو مسکرا کر دیکھا جیسے یہ تائید کر

رہاہو کہ وہ ان کے یقین پر کھڑا اترے گا مگر وہ نہیں جانتا تھا کہ وہ ستون تو ہے مگر کھوکھلا ستون جو ہوا کے ایک جھوکے سے خود بھی گرے گا اور ساری حویلی کو بھی گرادے گا۔"تمہاری بیوی ہماری نظر میں پہلے بھی حقیر تھی اور اب بھی حقیر ہے۔اس کو ہم اتنے سالوں سے اس لیے جھیل رہے ہیں کیونکہ وہ تمہاری پسند ہے۔اسے ہم نے بہو سمجھ کر ایک کام دیا تھا اور اس کے لاپرواہی نے اسے وہ کام مکمل کرنے نہیں دیا" کستوری دیوی مڑ کر دیوار کو دیکھتی ہوئی بڑی شان سے بولی۔کستوری دیوی پہلے دن سے ریشمی کو نہ پسند کرتی تھی اور یہ ناپسندیدگی ساری حویلی میں مشہور تھی مگر کسی کی زبان میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس موضوع کو حویلی کے باہر محفلوں کا بحث کا عنوان بنائے۔دیوان کچھ دیر وہاں کھڑا رہ کر اس کی ہدایتوں اور نصیحتوں کو سنتا رہا اور بعد میں اپنا بنڈل لے کر باہر چلا گیا دروازہ بند ہوتے

ہی کمرے میں ہلکی سی آواز آئی کستوری دیوی دیوار پر لگے اپنے شوہر کی تصویر کو دیکھ کر مسکرا رہی تھی تصویر میں موجود شخص ایک عظیم کردار کا مالک تھا اور اس تصویر میں جگمگاتا عکس ایک خوفناک وجود تھا. "پرتاب جی نہ آپ جیتے جی میرا کچھ بگاڑ پائے نہ مرنے کے بعد بگاڑ پائیں گے" اس کی آواز میں جیت کی خوشی تھی.

دیوان سٹڈی روم میں بیٹھے ریشمی کے پھیلائے گئے رائیتے کو سمیٹ رہا تھا۔ اس کا سر درد سے پھٹا جا رہا تھا۔ اس نے اپنے ماتھے پر انگلی رکھ کر مسلا۔ وہ کرسی پر ٹیک لگا کر آنکھیں بند کر لی۔ کمرے میں مکمل خاموشی تھی روشنی کے نام پر بس ٹیبل پر لیمپ چل رہا تھا کھڑکیاں بند تھیں اور کانچ کے اس طرف کوئی سایہ گزر رہا تھا دیوان اس سے انجان انکھیں بند کیے آہستہ

آہستہ سانسیں لے رہا تھا۔اچانک سے کمرے کی کھڑکی کھل گئی اور تیز ہوا کمرے میں داخل ہوئی کھڑکی کھلنے کی آواز پر وہ فوراً کرسی سے اٹھ کر تمام بکھرتے کاغذوں کو اٹھانے لگا۔ایک بار پھر ان کاغذوں کا بنڈل بنا کر اس نے ٹیبل کے اوپر رکھ دیا اور اس کے اوپر ایک وزن دار چیز رکھ دی۔ وہ کھڑکی بند کرنے کے غرض سے کھڑکی کے پاس آیا اس نے کھڑکی بند کرنے کے لیے ہاتھ آگے کیا کھڑکی کے شیشے پر اسے کسی کے خون کے دھبے نظر آئے اس نے ان دھبوں پر ڈرتے ڈرتے اپنی انگلی پھیری وہ خون تر وتازہ تھا۔اس کے دل کی دھڑکنیں یک دم سے برق رفتاری سے چلنے لگی۔اس نے آس پاس دیکھا وہاں کوئی نہیں تھا اس نے فوراً کھڑکی بن کر دی اور اس کو اندر سے لاک کر لیا۔وہ اتنا خوفزدہ تھا کہ اس کا دماغ کام کرنا بند کر چکا تھا۔وہ واپس کرسی پر آ کر بیٹھ گیا اور سامنے جگ اٹھا کر گلاس میں

پانی انڈیل کر ایک سانس میں سارا پانی پی گیا۔اس کے باوجود بھی اسے سکون نہیں مل رہا تھا اس کے دل کی دھڑکنیں ابھی بھی اسی رفتار سے چل رہی تھی۔اس نے خود کو کمپوز کرنے کے لیے اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر رگڑا۔کچھ لمحوں بعد اس کا دل نارمل ہو گیا مگر اس کا ذہن اب بھی ان خون کے دھبوں میں الجھا ہوا تھا۔وہ کچھ دیر یوں ہی ساکت بیٹھا دیوار کو گھورتا رہا اس کے بعد خود ہی اپنے کام میں مصروف ہو گیا۔

اس چھوٹے سے مکان سے بہت سی چیخوں کی آوازیں آ رہی تھی آس پاس کے گھروں میں وہ آوازیں باآسانی پہنچ رہی تھی کچھ لوگ ڈر کے مارے جانے نماز بچھا کر رات کے درمیانی پہر میں نماز پڑھ رہے تھے اور کچھ لوگ اپنی مذہبی کتابوں کو سینے سے لگائیں ان آوازوں سے نجات مانگ

رہے تھے۔اس چھوٹے سے مکان کے اوپری منزل پر موجود پودا آج ضرورت سے زیادہ حرکت کر رہا تھا اس کی ڈال پر بندھا ہوا لال دھاگہ آہستہ آہستہ ڈھیلا پڑ رہا تھا۔اس مکان سے اتنے سالوں میں کئی بار یہ آوازیں لوگوں کو سنائی دیا کرتی تھی تو کبھی کبھی اس گھر سے زرد روشنی نظر آیا کرتی تھی ان روشنی میں ہمیشہ کوئی کالا سایہ نظر آتا تھا جو کوئی بھی اس سائے کو دیکھ لیتا اس کا دل وہ دماغ کام کرنا بھول جاتا۔سورج نکلنے میں بس دو گھنٹے باقی تھے۔دور ریگستان میں دھنسے اس کھنڈر میں ریت کا طوفان آنے لگا۔اور آہستہ آہستہ اس کے فرش پر ریت جمع ہونے لگی۔اس کے کونے میں چارپائی پر چادر اب بھی درست تھی نہ اس پر کوئی ریت تھی نہ کیڑے۔

فجر کی اذان پر ریم بیڈ سے اتر کر وضو کرنے چلی گئی وضو کر کے جب وہ باہر آئی تو صوفے پر عیسی پر سکون سو رہا تھا وہ اپنے کلائیوں تک آستینوں کو نیچے کیا اور اس کے پاس آکر گھٹنوں کے بل بیٹھے اس دیکھنے لگی وہ سوتا ہوا بہت زیادہ پیارا لگتا سب سے پیاری اس کی لمبی لمبی پلکیں تھی۔ وہ اپنے دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھے پر سکون سو رہا تھا۔ "عیسی! اٹھیے نماز کا وقت ہو رہا ہے" ریم نے آہستہ سے اس کے ہاتھوں پر اپنے ٹھنڈے ہاتھ رکھ کر کہا۔ ریم کی آواز اس کے کانوں سے آہستہ سے سفر کرتی ہوئی اس کے دل تک پہنچ رہی تھی۔ اس نے آہستہ سے اپنی آنکھیں کھولی اس کے لب اپنے آپ مسکرانے لگے اس کے سامنے ریم نیلے حجاب میں ملبوس چہرے پر وضو کی بوندوں سے اس کے دل پر بجلیاں برسا رہی تھی۔ "اٹھیے جلدی" اس نے اس کے کندھے کو جھنجھوڑ کر کہا عیسی اپنے آنکھیں رگڑتا

ہوا اٹھ کر بیٹھ گیا ریم اسے جگا کا نماز پڑھنے دوسرے کمرے میں چلی گئی وہ بھی صوفے سے اتر کر نماز کے لیے چلا گیا۔

نماز کے بعد ریم سورت الرحمن کی تلاوت کرنے لگی۔ سورج آہستہ آہستہ سے عروج پر آرہا تھا زمین پر ہلکی ہلکی روشنی پڑ رہی تھی۔ پھول پتوں پر شبنم کی بوندیں موتیوں کی مانند چمک رہے تھے۔ ریم کی تلاوت کرتی ہوئی آواز اس کے گھر کے ہر کونے میں پھیل رہی تھی۔ اس کی آواز سے ملازمہ بھی جاگ کر ہال میں جھاڑو مارنے لگی۔ باغ میں لگے درختوں پر کئی پرندے ریم کی آواز کی وجہ سے جمع ہو گئے تھے۔ وہ گھر ایک سکون کا مرکز بن چکا تھا ایسا لگ رہا تھا کہ وہاں بہت سارے فرشتے ہیں۔ قران کی سب سے خوبصورت بات یہ ہے کہ پڑھنے والے سے زیادہ سننے والا مسحور ہوتا ہے اور جب اتنی

خوبصورتی سے پڑھا جائے تو وقت بھی رک کر سنتا ہے۔عیسی نماز پڑھ کر

گھر پہنچا اس کے ساتھ ملازم بھی گیٹ کھول کر اندر آئے ملازم اسے سلام

کرنے لگے وہ گردن جھکائے بڑے شفقت سے ان کا جواب دیتا رہا۔مالی نل

پر پانی کا پائپ لگا کر صبح صبح باغ میں پانی دینے لگا باقی ملازم گھر کی صفائی

وغیرہ کے کاموں میں لگ گئے۔عیسی سیدھا ریم کے پاس آیا اس کو قران کی

تلاوت کرتا دیکھ وہ آہستہ سے اس کے پاس آکر اس کے کاندھے پر سر رکھ

کر بیٹھ گیا وہ جوں جوں پڑھ رہی تھی عیسی اپنے مسلمان ہونے پر رشک کر رہا

تھا۔اسلام بھی کتنا خوبصورت ہے خدا کی گفتگو سن کر بھی بندے کو سکون

مل جاتا ہے۔ریم نے کچھ دیر بعد تلاوت ختم کر کے قران کو بند کر دیا اس کو

اپنی آنکھوں اور دل سے لگا کر رب کا شکر ادا کیا کہ اس نے اسے مسلمان

بنایا ہے۔رب کی انگنت نعمتوں میں ایک انمول نعمت انسان کا مسلمان ہونا بھی ہے۔

قران کی تلاوت کے بعد ریم عیسی کے ساتھ اپنے کمرے میں آکر فریش ہونے چلی گئی۔اس کے آنے تک عیسی نے اپنا کام بھی کرلیا۔اسے رات سے یہ بات ستارہی تھی کہ اس گورنمنٹ ہاسپٹل میں دیوان کا کیا کام وہ بھی تب جاجب وہاں پر آگ لگی ہو۔وہ جیسے ان معاملات کو جان رہا تھاہر لفظ ہر جملہ پیچیدہ ہورہا تھا۔ریم نہادھو کر گلابی شلوار سوٹ میں باہر آئی بالوں کوٹاول میں باندھا ہوا تھااس کو سفید رنگ پر بلا کی پاکیزگی چھائی ہوئی تھی "آپ نہانے چلے جائیں میں کپڑے نکالتی ہوں" ریم عیسی کو صوفے سے اٹھاتے ہوئے بولی "اک بات بتاؤ" عیسی نے پلٹ کر اس سے پوچھا "تم فیمنسٹ نہیں ہو کیا" اس کے سوال پر وہ قہقہ لگا کر ہنسنے لگی.

"الحمد للہ ہوں"

"کیا فیمینسٹ ایسے کام کرتی ہیں"

"کیسے"

"شوہر کے کپڑے نکالناء کھانا بناناء ان کا گھر سنبھالنا وغیرہ وغیرہ"

"ہاں ہماری عظیم فیمینسٹ حضرت خدیجہ رضی اللہ تعالی عنہ نے ہمیں اسی طرح کا فیمنزم سکھایا ہے جس سے شوہر بھی خوش خدا بھی خوش اور روح بھی خوش "ریم کے جواب پر وہ لاجواب ہو گیا. "مطلب آپ کی لیڈر ایک عظیم خاتون ہیں"

"صرف عظیم خاتون نہیں بلکہ ایک عظیم ماں بیوی اور امت کے لیے ایک بے مثال مثال بھی ہیں "عیسی شادی کے بعد بار بار اپنی بیوی سے امپریس ہونے والا پہلا شوہر تھا "اب جائیں اپ کے مجرم آپ کا انتظار کر رہے

ہوں گے" اس نے عیسی کو زبردستی حمام میں دھکیلتے ہوئے کہا اس کے جانے کے بعد اس نے بیڈ پر اس کے کپڑے نکال کر رکھے اور باہر چلی گئی.

کچن میں ملازم ناشتہ بنا چکے تھے۔ایک ملازم چائے بنارہی تھی اور دوسری ناشتہ باہر لے جارہی تھی ریم نے سب کو خوش دلی سے گڈمارننگ کہا اور بریڈ بٹر لے کر باہر میز کی طرف آئی اور کرسی کھینچ کر بیٹھ گئی بریڈ پر بٹن لگاتے ہوئے اسے ملازموں کے بیچ چلتی ہوئی سرگوشیاں سنائی دینے لگی ایک ملازم دوسرے ملازم سے اس علاقے میں ہونے والے عجیب حادثات کا ذکر کر رہا تھا اور دوسرا ملازم بھی جوابا اُس سے اس گھر کے اعتراف ہونے والی پیرانومل ایکٹیویٹیز کے بارے میں بتارہے تھے۔اس نے اپنے کان میں پڑھتے ہوئے ان سرگوشیوں کو جھٹکا اور بریڈ پر بٹر لگانے

لگی۔ ملازم اورنج جوس کا جگ لے کر ٹیبل پر رکھ کر باہر کی طرف چلا گیا۔ مالی باغ میں کتوں کو بھگا رہا تھا جس کی اواز ناشتے کی میز تک آرہی تھی دیگر ملازمین بھی اپنے اپنے کاموں میں مصروف تھے۔ ریم کے کانوں میں کسی کے چلنے کی آواز پڑی اس نے گردن اٹھا کر دیکھا۔ عیسی براؤن رنگ کی گلے تک آتی ٹی شرٹ اور اس کے نیچے کالی پینٹ میں ملبوس مسکراتا ہوا اس کی سمت آرہا تھا۔ کرسی کھینچ کر بیٹھنے سے پہلے اس نے ریم کے ماتھے کا بوسہ لیا اور اس کو بڑی محبت سے گڈ مارننگ کہا۔ ریم نے اس کی طرف پلیٹ کی دونوں نے ادھر ادھر کی باتیں کرتے ہوئے ناشتہ کرنے لگے۔ باتوں باتوں میں عیسی نے اسے اپنی پورے دن کی مصروفیت بتا رہا تھا اور ریم اپنی۔ اس کی مصروفیت اس اون کے گولے سے شروع ہو کر اون کے گولے پر ختم ہو رہی تھی۔

گورنمنٹ اسپتال، جیسلمیر کا منظر ایک عام سرکاری اسپتال کی تصویر پیش کرتا ہے، جو راجستھان کے گرم اور صحرائی علاقے میں واقع ہے۔ اسپتال کی عمارت زرد ریتیلے پتھروں سے بنی ہو سکتی ہے، جو جیسلمیر کے روایتی فن تعمیر کی عکاسی کرتی ہے۔

جیسے ہی آپ اسپتال کے گیٹ سے داخل ہوتے ہیں، آپ کو باہر کچھ رکشے، موٹر سائیکلیں، اور اونٹ گاڑیاں نظر آتی ہیں، جن پر دیہی علاقوں سے آئے مریض اور ان کے رشتہ دار بیٹھے ہوتے ہیں۔ اسپتال کے برآمدے میں مریضوں اور تیمارداروں کی بھیڑ نظر آتی ہے، کچھ لوگ

زمین پر چادریں بچھا کر بیٹھے ہوتے ہیں، تو کچھ ڈاکٹر کے کمرے کے باہر قطار میں کھڑے انتظار کر رہے ہوتے ہیں۔

ایمرجنسی وارڈ میں زیادہ تر حادثاتی مریض، گرمی کی شدت سے بے ہوش ہونے والے افراد، اور مختلف بیماریوں میں مبتلا لوگ داخل کیے جا رہے ہیں۔ دیہی علاقوں سے آئے لوگ اپنی روایتی راجستھانی پوشاک میں نظر آتے ہیں، عورتیں گھاگھرا چولی اور اوڑھنی میں ملبوس، جبکہ مرد پگڑی اور دھوتی پہنے ہوتے ہیں۔

اسپتال کے اندرونی حصے میں عام وارڈ کے بیڈز زیادہ تر بھرے ہوتے ہیں۔ کہیں نرسیں دوائی دے رہی ہوتی ہیں، تو کہیں ڈاکٹر مریضوں کا معائنہ کر

رہے ہوتے ہیں۔ کچھ وارڈز میں پنکھے آہستہ آہستہ چل رہے ہیں، جبکہ کچھ جگہوں پر گرمی کے باعث تیمار دار ہاتھ کے پنکھے جھلتے نظر آتے ہیں۔ اسپتال کی دیواروں پر صحت سے متعلق آگاہی پوسٹرز لگے ہوتے ہیں، جن میں خاص طور پر ڈائریا، ملیریا، اور زچگی کی سہولیات کے متعلق معلومات دی گئی ہوتی ہیں۔

او پی ڈی میں لوگ اپنی پرچیاں ہاتھ میں لیے اپنی باری کا انتظار کر رہے ہوتے ہیں، جبکہ کچھ لوگ ایک کاؤنٹر سے دوسرے کاؤنٹر بھاگ رہے ہوتے ہیں، کبھی دوائی لینے، کبھی ٹیسٹ کرانے کے لیے۔ اسپتال میں کچھ لوگ حکومت کی مفت علاج اسکیموں کے بارے میں معلومات حاصل کر

رہے ہوتے ہیں، تو کچھ لوگ اسپتال کی سہولیات کی کمی پر شکایت کر رہے ہوتے ہیں۔

یہ منظر نہ صرف جیسلمیر کے سرکاری اسپتال کی حقیقت کو بیان کرتا ہے بلکہ ہندوستان کے عام گورنمنٹ اسپتالوں کے نظام اور وہاں کے حالات کی بھی عکاسی کرتا ہے۔

تقریبا 11 بجے عیسی اپنے ساتھیوں کے ساتھ گورنمنٹ ہاسپٹل پہنچا. گاڑی سے اترتے ہی ہاسپٹل کے کچھ وارڈ بوائے نے اس سے وہاں آنے کی وجہ جاننی چاہی مگر اس نے وجہ بتائے بغیر اندر کی طرف قدم بڑھایا۔ اس نے چاروں طرف نظر گھمائی ہاسپٹل ایک خستہ حالت میں تھا فارمسی میں

زیادہ انونٹری تھی اور اس میں کوئی فارماسسٹ بھی نہیں تھا اس کے سامنے

کاؤنٹر پر ایک نرس سفید کوٹ پہنے ہاتھوں میں فون چلاتے ہوئے مصروف

لگ رہی تھی۔ اندر جاتے ہوئے اس نے رک کر نرس کو مخاطب

کیا" گورنمنٹ اپ کو سیلری فون چلانے کے لیے نہیں دیتی ہے" جتنی

گمبھیر آواز میں اور سختی سے عیسی نے اس نرس کو مخاطب کیا تھا وہ چونک

کر کھڑی ہوئی اس ہڑبڑاہٹ میں اس کے ہاتھوں سے فون گر گیا عیسی کے

پیچھے اس کے ساتھیوں نے بتایا کہ وہ پولیس ہے اور عیسی ڈی ایس پی۔ نرس

نے خوف کے مارے اپنا تھوک نگلا اور اس کے ماتھے پر پسینہ آرہا

تھا۔" آپ کے پاس پرمیشن ہے" نرس نے خود کو سنبھالتے ہوئے بڑی

مشکل سے جملے ادا کیے لیکن پسینہ اب بھی اس کے پیشانی اور ہاتھوں پر

مسلسل آرہا تھا. زمین پر پڑا فون زور زور سے بج رہا تھا. اس کے سوال پر

عیسی ہلکا سا مسکرایا سامنے کھڑی نرس مزید خوفزدہ ہونے لگی کیونکہ جب ایک پولیس والا مسکراتا ہے تو اچھے اچھوں کی مسکراہٹ غائب ہو جاتی ہے. "یہ ہاسپٹل میرے انڈر آتا ہے میں یہاں پر جب مرضی چاہے آ سکتا ہوں "عیسی کا لہجہ نہ سخت تھا اور نہ ہی نرم۔ "بلائیے اپنے سینیئر ڈاکٹر کو ایک کام کرتے ہیں ہم ہی اندر چل کر ان سے ملاقات کر لیتے ہیں کیوں جنتا کے سیوک کو پریشان کریں "عیسی نے اپنے ساتھ کھڑے ساتھیوں کو اندر کی طرف چلنے کا اشارہ کرتے ہوئے ان کے ہم راہ چلنے لگا وہ آگے تھا اور اس کے ساتھی پیچھے. نرس کانپتی ہوئی اس کے ساتھ چلتے ہوئے اسے روکنے لگی

"دیکھیے ڈاکٹر بہت بزی ہیں آپ تھوڑا انتظار کریں"

"میڈم پولیس والوں کو انتظار نہیں کرواتے "نرس کے روکنے کے باوجود وہ اندر کی طرف چل پڑے نرس نے ہار مان کر واپس کاؤنٹر کی طرف چلی

آئی اور زمین پر بچتا فون اٹھا کر اپنے ایک ڈاکٹر کو کال کر کے بتایا کہ ڈی ایس پی اندر آ رہا ہے اس کی آواز میں ڈر دیکھ کر دوسری طرف ڈاکٹر بری طرح گھبرا رہا تھا اور یہ طئے تھا کہ اس گھبراہٹ کے چلتے کوئی نہ کوئی غلطی ہونے والی ہے. عیسی اور اس کے ساتھی بنا نوک کیے اندر آئے ڈاکٹر اسی نرس کی طرح فون پر مصروف تھا اور کسی ویڈیو کو دیکھ کر ہنسے جا رہا تھا۔ وہ اس ہاسپٹل کا سینیئر ڈاکٹر تھا عیسی کو دیکھ کر نرس کی مانند اس کے ہاتھوں سے فون چھوٹ گیا اور بیک وقت اس کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا عیسی بس دکھنے میں خوبصورت تھا مگر جب وہ ایسے لوگوں سے ڈیل کرتا تو وہ ایک الگ انسان بن جاتا تھا۔ "ماشاءاللہ ڈاکٹر صاحب آپ تو بہت اچھا علاج کر رہے ہیں "عیسی اپنی جیب میں ہاتھ ڈالے ٹیبل پر بیٹھ کر طنزیہ لہجے میں بولا ڈاکٹر کھڑے کھڑے کانپ رہا تھا اور دھیرے دھیرے اس کی جان پیروں سے

خارج ہو رہی تھی مگر سانسیں اب بھی پورے جسم میں رد و بدل کر رہی تھی۔ "کہیے نہ ڈاکٹر صاحب کیسا چل رہا ہے علاج سنا ہے بہت پیشنٹ آتے ہیں آپ کے پاس اور آپ یہاں کے سب سے بہترین ڈاکٹر ہیں" ایک اور طمانچہ اس ڈاکٹر کے چہرے پر پڑا ڈاکٹر نے عیسی کے پیچھے کھڑے اس کے ساتھیوں کو دیکھا جو کسی تعثر کے بنا اسے دیکھے جا رہے تھے اس کی نظر ان کے جیب میں موجود کالی چمکتی گن پر پڑی جو شاید آج ہی صاف کروائی گئ تھی کسی خاص مقصد کے لیے. ایک خاکی وردی میں ملبوس شخص نے عیسی کے اشارے پر اس ڈاکٹر کو کرسی پر بٹھایا۔ عیسی نے اس کرسی کے دونوں بازوں پر اپنے پیر رکھے اور اس ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا اب تک تو وہ صرف اس کی باتوں سے ڈرا ہوا تھا اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اس کی تو جان ہی نکلنے والی تھی۔ اس کی سرمئ آنکھیں جتنی خوبصورت تھی اتنی ہی

زیادہ ڈرا دینے والی تھی۔ "تقریباً چار سال پہلے آپ کے ہاسپٹل کے ایک حصے میں آگ لگی تھی اس کی وجہ جان سکتا ہوں" عیسی نے مدعے کی بات کی۔ خاکی وردی والے شخص کو عیسی نے کہا کہ "ڈاکٹر کو بہت سارا پانی پلائیں کیونکہ اس کے جسم کا سارا پانی پسینے کے ذریعے باہر آ چکا ہے اور شاید وہ ڈی ہائیڈریشن کی چلتے کچھ بول نہیں پا رہا ہے" خاکی وردی والے نے عیسی کے کہنے کے مطابق فریج سے تقریباً ایک لیٹر کے تین بوتل نکالے اور اس کو زبردستی پلایا۔ تین لیٹر پانی پی کر ڈاکٹر پوری طرح سند ہو چکا تھا اس کا پیٹ پھٹنے کے لیے تیار تھا دکھنے میں وہ تو دبلا پتلا سا تھا مگر تین لیٹر پانی نے اسے اچھا خاصا وزن بخشا تھا "چار سال پہلے میں یہاں نہیں تھا" عیسی نے اسے ترش نظروں سے دیکھا اور اپنی مٹی بھینچ لی "مجھ سے جھوٹ بولنے کی گستاخی مت کرنا مجھے جھوٹ سے سخت نفرت ہے" عیسی کے

ایک ساتھی نے اپنی جیب سے گن نکال کر ٹیبل پر ڈاکٹر کے بالکل سامنے رکھ دی اب کی بار ڈاکٹر کی سانسیں خلق میں دھیرے دھیرے اٹک رہی تھی "چار سال پہلے یہاں آگ لگی تھی مگر کسی کو نقصان نہیں ہوا تھا"

"ایک اور جھوٹ اس آگ میں ایک نرس اور ایک ڈاکٹر کی موت ہوئی تھی اور آپ کی انونٹری کا ایک بڑا حصہ بھی جل گیا تھا"

"نرس کی اور ڈاکٹر کی فیملی نے اس ہاسپٹل کے خلاف کیس درج کروایا تھا لیکن دیوان رانا نے کیس کو خارج کروا دیا تھا بتایئے کیوں "ڈاکٹر نے باری باری عیسی کو دیکھا اور گن کو دیکھا اس سے پہلے الفاظوں کا مجموعہ اس کے حلق سے خارج ہوتا پیچھے سے دروازہ کھلا اور دیوان راجپوت اندر داخل ہوا اس کے جوتوں کے آواز سے عیسی نے پہچان لیا تھا کہ وہ کون ہے مگر پھر بھی وہ پلٹا نہیں لیکن ڈاکٹر کے چہرے کے تعثرات بدل گئے۔ خوف

دھیرے دھیرے اس سے دور جانے لگا اس کی جان میں جان آگئی۔ دیوان کالے کوٹ میں کرسی کو کھینچ کر پیر پر پیر جمائیں بیٹھ کر عیسی سے مخاطب ہوا "ڈی ایس پی جو کام ہے مجھ سے پوچھو یہاں لوگوں کو پریشان کرنے کا کیا مطلب شاید تم بھول گئے ہو کہ تم جنتا کے غلام ہو اور غلام مالک کو پریشان کرتے ہوئے اچھے نہیں لگتے" دیوان نے بڑی سادگی اور پر سکون انداز میں کہا لیکن عیسی کی رگوں میں خون اچھلنے لگا اس نے جیسے تیسے خود کے جذبات کو قابو کیا اور ایک گہری سانس لی. وہ دیوان کی طرف پلٹ کر اسے غور سے دیکھنے لگا دیوان اس کی نظر میں سب سے زیادہ کھوکھلا انسان تھا۔ "ہاں تو دیوان صاحب بتایئے جس دن ہاسپٹل میں آگ لگی تھی آپ یہاں کیا کر رہے تھے" دیوان کو اس سوال کی توقع نہیں تھی اس کے

چہرے پر رنگ یک دم سے غائب ہونے لگے "میں اپنے باؤ جی کی طبیعت کے چلتے یہاں آیا تھا"

"اف یہ کیا غضب ہو گیا رانا کب سے گورنمنٹ ہاسپٹل میں آنے لگے یہ تو آپ کی شان کے خلاف ہے "ڈی ایس پی نے اسی کی زبان میں اس سے کہا. "ایمر جنسی تھی ڈی ایس پی "دیوانے دانت چباتے ہوئے اسے گھور کر دیکھتے ہوئے کہا عیسی نے ایک زوردار قہقہہ لگایا "ویسے آپ کو یہ زمینداری چھوڑ کر کسی سرکس میں کام کرنا چاہیے بڑا اچھا جوک مارتے ہیں اپ "دیوان غصے سے کرسی سے کھڑا ہوا اور اس کے عین مقابلہ اکر کھڑا ہو گیا "ڈی ایس پی اپنی حد میں رہے تو بھول رہا ہے کہ یہ زمین ہماری ہے تجھے مار کر گاڑ دیں گے تو کوئی پرندہ بھی پہچان نہیں پائے گا "دیوان بڑی نفرت سے اس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا بول رہا تھا جب کہ عیسی ایک بار اور ہنسنے

لگا" دیوان صاحب مجھے پتہ تھا کہ آپ قتل بہت اچھے سے کرتے ہیں اسی لیے تو پوچھ رہا ہوں آگ خود سے لگی تھی یا آپ نے لگائی تھی ."عیسی کے انداز میں کوئی تبدیلی نہیں ائی وہ اب بھی پر سکون تھا۔"ایک کام کرو ڈی ایس پی ایک ایڈریس دیتا ہوں وہاں جاکر میرے وکیل سے بات کرلو تمہیں تمہارے سب سوالوں کے جواب مل جائیں گے" دیوان نے ڈی ایس پی کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر دوستانہ لہجے میں کہا لیکن عیسی نے اس کے ہاتھ کو فورا جھٹک دیا"جواب تو آپ خود دیں گے دیوان صاحب" دیوان نے چند لمحے اس کی آنکھوں میں دیکھتا رہا پھر وہ کچھ جواب دیئے بغیر وہاں سے چلا گیا۔اس کے جانے کے بعد عیسی نے ڈاکٹر کو دیکھا جو بالکل مطمئن سا کھڑا تھا۔عیسی کے فون پر کسی آفیسر کی کال آئی تو ان سب کو وہاں سے فورا جانا پڑا۔اس کے جانے کے بعد تمام ہاسپٹل کے سٹاف کی جان میں

جان آئی اس ڈاکٹر نے سب کو محتاط رہنے کی ترغیب دی۔ ہاسپٹل کے جنرل وارڈ میں مریضوں کو آج پہلی بار وہاں کی نرس انہیں دوائیاں دے رہی تھی۔ گورنمنٹ ہاسپٹل میں لوگ علاج کے لیے نہیں بلکہ مرنے کے لیے آتے ہیں ان دھول میں دھنسے بستروں پر موت بے حد خوبصورت لگتی ہے اس کی چھتوں پر بند فین ہمیں ہماری اوقات بتا دیتا ہے۔ یہ حالت ہر سرکاری ہسپتال کی نہیں ہوتی مگر جس کسی ہسپتال کی ایسی حالت ہوتی ہے وہ اکثر سرکاری ہی ہوتا ہے۔ سیاسی لیڈر اپنی چادر کو نرم گرم بنانے میں اپنی عوام کے بستر کو بھول جاتے ہیں خود مخمل کے بستر پر سو کر اپنی عوام کو پتھروں پر سونے پر مجبور کر دیتے ہیں۔

عیسی کو اپنے سینیئرز کے حکم پر وہاں سے جلدی نکلنا پڑا وہ بہت کچھ کرنا چاہتا تھا مگر قوانین نے اسے باندھ لیا تھا۔ عیسی اپنے کیبن میں بیٹھے پیپر ویٹ کو بار بار گھما رہا تھا اس کے گرد بے حد صفائی تھی اس کے ٹیبل پر رنگ برنگی فائلوں میں بہت لوگوں کے جرم آرام فرما رہے تھے۔ اس کی پیشانی کی رگ نیلے رنگ میں واضح ہو رہی تھی اس کے ماتھے پر پڑے بل اس کی حالت کو بیان کر رہے تھے۔ ایک پولیس آفیسر اپنے ہاتھ میں کالی فائل پکڑے اندر داخل ہوا۔ اس نے فائل عیسی کے سامنے رکھی عیسی نے پیپر ویٹ کو چھوڑا اور گردن اٹھائے بغیر فائل پر نظر ڈالی۔ "دیوان اس ہاسپٹل کا ٹرسٹی ہے" آفیسر نے کہا عیسی گردن جھکائے ہلکا سا مسکرایا. "اس نے کبھی مالی طور پر مدد کی ہے اس ہسپتال کی"

"بہت بار بلکہ ہسپتال کا جو انونٹری ہے اس میں رانا کا سب سے بڑا ہاتھ رہا ہے "آفیسر شیوا نے تفصیلی طور پر کہا عیسی کے ذہن میں فارماسی میں پڑی انونٹری آئی کاٹن کے ڈبوں میں پلاسٹک سے کور کرے وہ انونٹری ایک کونے میں بس پڑی تھی۔ "او آئے سی "اس نے گردن اٹھا کر آفیسر شوا کو دیکھا. "کسی فارماسوٹیکل انڈسٹری سے کوئی تعلق ہے "عیسی نے فائل اپنے ہاتھ میں لے کر کہا "ڈائریکٹ تو نہیں مگر ہاسپٹل جو دوائیاں منگواتا ہے دیوان اس کی قیمت ادا کرتا ہے "اس نے اسی انداز میں کہا. عیسی نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا آفیسر شیوا کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ عیسی نے پانی پی کر اس سے مخاطب کرتے ہوئے کہا "اس کی ذاتی زندگی کیسی ہے "شیوا نے کچھ الجھ کر عیسی کو دیکھا. "ذاتی زندگی شوا نے سوالیہ انداز میں پوچھا. "ذات ہی تو ایک واحد دروازہ ہے جسے کھول کر راز راز نہیں رہتے ذات کھل

جائے گی تو راز اپنے آپ باہر آجائیں گے اس لیے جب کوئی اپنا راز پوشیدہ رکھنا چاہتا ہے تو وہ اپنی ذات کو پیچیدہ کر لیتا ہے" عیسی ایک بار پھر پیپر ویٹ کو گھماتے ہوئے بولا۔ "دیوان اپنی ذاتی زندگی کو راز کی طرح چھپاتا ہے سر۔ اس کا راز اور ذات دونوں ہی پیچیدہ ہیں" شوا نے اسے پر سکون انداز میں کہا" نظر رکھو اس پر" عیسی نے طویل خاموشی کے بعد ایک حکم صادر کیا شوا اسبات میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔

دشا حویلی کے پیچھے والے حصے میں پودوں میں پانی دے رہی تھی اس نے سر پر دوپٹہ لے رکھا تھا۔ اس کی نظریں سورج کی روشنی کا تعاقب کرتی پیڑوں کے پتوں سے ڈالیوں پر آکر رکی۔ وہ جھک کر ان پودوں کو غور سے دیکھنے لگی ڈالیوں پر سرخ رنگ تھا جیسے اچھالا گیا ہو۔ اس نے چھونے کے

لیے ہاتھ آگے کیا مگر اگلے ہی پل وہ اچھل کر مڑی. اس کے پیچھے کستوری دیوی تھی. دشا کے ڈرنے کے باوجود بھی وہ مطمئن کھڑی رہی" دشا حویلی کے اس حصے میں آنا منع ہے۔" کستوری دیوی جتنی نرمی سے کہہ سکتی تھی اس نے کہا. دشا اپنا دوپٹہ درست کرتے ہوئے گردن جھکا کر معذرت کرنے لگی۔ "اب چلو" کستوری دیوی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے ساتھ چلنے لگی چلتے چلتے وہ دونوں حویلی کے سامنے آچکے تھے جہاں اب فرش پتھروں کی تھی۔ ملازم اپنے کام میں مصروف تھے۔ کستوری دیوی دشا کو لے کر وہاں موجود کرسیوں پر آکر بیٹھ گئی۔ ملازمہ نے ان دونوں کے سامنے ٹیبل پر چائے کا ٹرے لا کر رکھ دیا اور کستوری دیوی کے اشارے پر واپس چلی گئی۔ کستوری دیوی نے ایک کپ دشا کو دیا اور دوسرا خود۔ چائے کے کپ کو لبوں سے لگا کر گھونٹ اندر اتار کر دونوں کو تازگی

محسوس ہوئی۔"تم جانتی ہو تمہیں ہم ریشمی سے زیادہ کیوں ترجیح دیتے ہیں" کستوری دیوی نے چائے کے دو گھونٹ لئے اور چائے کا کپ نیچے رکھتے ہوا بڑی سنجیدگی سے دشا سے کہا-دشا نے اس کے سوال پر نفی میں سر ہلایا۔"کیوں کہ تم میری اور دیوان کے باؤجی کی پسند ہو اور تم نے ہمیں ہمارے خاندان کا وارث دیا ہے" دشا گردن جھکائے چائے کا گھونٹ لیتے ہوئے مسکرائی۔"تمہیں ریوان کو سمجھانا ہے بہو کہ وہ گدی کو سنبھالے وہ اور دیوان اس کبھی نہ ختم ہونے والی حکومت پر راج کریں دیوان تو سمجھدار ہے مگر مجھے ریوان کی فکر ہے" دشا نے چائے کا خالی کپ ٹیبل پر رکھ دیا۔

کستوری دیوی کے چہرے سے غرور ٹپک رہا تھا۔کستوری دیوی کی ناک میں لگا سونے کا بڑا سا مور کی ساخت میں بنا نت سورج کی روشنی سے چمک رہا تھا۔پرتاب کے مرنے کے بعد کستوری دیوی نے جو بیوہ ہونے کا

ڈھونگ کیا تھا اب وہ وہاں نہیں تھا۔ وہ پرانی کستوری دیوی تھی۔ گلے میں سونے کی مالا ہاتھ میں کڑے کمر پر چابیوں کا ایک خوبصورت گچھا۔ خوف سے بچنے کے لیے گلے میں رودراکش پہنی ہوئی تھی۔ "آپ فکر نہ کریں ماں جی میں انہیں سمجھا دوں گی" دشا فرماں برداری سے گردن جھکائے بولی۔ ان دونوں کو دور سے کھڑکی کے پاس کھڑی ریشمی جل رہی تھی حسد کی آگ میں۔ اس نے کستوری دیوی کے برابر بیٹھنے کے لیے بھی بہت کچھ کیا تھا اور کوئی کچھ نہیں کر کے بھی اس کے چائے پی رہا تھا۔ کچھ لوگوں کو خوشیاں وراثت میں ملتی ہیں اور کچھ لوگوں کو بہت جدوجہد کے بعد بھی نہیں ملتی ریشمی کو نشا کے آنے کے بعد احساس کمتری کا احساس شدت سے ہونے لگا تھا اس نے زور سے کھڑکی بند کر دی اور اندر چلی گئی

ریم باغ میں نئے نئے پودے لگا رہی تھی کپڑوں کے اوپر سیاہ ایپرون پہنے ہاتھوں میں گلوز اور سر پر سفید ٹوپی مالی ایک ایک پودا اسے دے رہا تھا مٹی میں لدے ہاتھوں سے اس نے مالی کے ہاتھ سے پودا لیا اور اس کو بسم اللہ کہتے ہوئے زمین میں لگانے لگی۔ باقی تمام ملازمین سیڑھیوں پر بیٹھے اس کی خوبصورتی میں گم تھے۔ ریم ایسا حسن رکھتی تھی جس سے نہ صرف مرد پاگل ہوتا بلکہ عورت بھی اپنا توازن کھو بیٹھتی۔ اس کی کالی کالی آنکھیں کسی کو بھی اپنے اندر ڈبا سکتی تھی۔ اس کی رنگت دودھ جیسی تھی۔ ریم پودے لگا کر مٹی کے ہاتھ لے کر نل کے پاس آئی اور گلوز نکال کر ہاتھ پیر دھونے لگی. ہاتھ پاؤں دھو کر وہ ملازمین کے سامنے کرسی ڈال کر بیٹھ گئی "کیا دیکھ رہے ہو "اس نے ملازمین کو خود کو مسلسل دیکھتے ہوئے پا کر پوچھا. "آپ بہت سندر ہیں جی "ایک ملازمہ نے پلکیں جھپکائے بغیر اس کی خوبصورتی کو

نہارتے ہوئے کہا. اس کے بات پر وہ سینے پر ہاتھ رکھ کر کھلکھلا کر ہنسنے لگی. وہ جب ہستی تھی تو مزید خوبصورت ہو جاتی. "شکریہ" اس نے ہنسنے کے بعد کہا. "میڈم جی آپ اس دن آستا یعنی ایمان کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھی۔" ایک ملازم زمین پر بیٹھے بولا. ریم نے اس کی بات یاد کی اور اس کی طرف متوجہ ہوئی. "میڈم جی آستا (ایمان) کیا ہے؟"

آستا (یقین) ہے اس ان دیکھے خدا پر. اس کو دیکھے بنا اس کی ذات پر ایمان لانا ہے یہ یقین رکھنا کہ جب سب غلط ہو رہا ہے تب بھی آپ کا کہنا وہ مدد کرے گا وہ سب ٹھیک کر دے گا یہ ہے آستا. "

"میڈم جی کیا آپ کو بھوت پریت میں بھی یقین ہے"

"ہے! اگر خدا ہے تو اس کے خلاف شیطان بھی ہے جب سے آدم ہے تب سے شیطان ہے اور بھوت پریت اسی شیطان کے ساتھی ہیں" وہ

بڑے تحمل سے ان سب کے سوالوں کا جواب دے رہی تھی اور اسے بیچ میں کوئی ٹوک بھی نہیں رہا تھا. اس کی خوبصورتی میں ایک اور عنصر شامل تھا وہ جب جب بولتی سامنے والا بڑی فرصت سے اسے سنتا وہ بڑے دھیمے لہجے میں ٹھہر ٹھہر کر بولتی تاکہ سامنے والا سمجھے بھی اور اس پر اس کے لفظوں کا اثر بھی ہو. نیلے نیلے آسمان میں پرندے ایک خاص پیٹرن میں اڑ رہے تھے۔نیلے آسمان پر ان پرندوں کے کالے پر آسمان کو نظر لگنے کا ٹیکا لگا رہے تھے۔ سورج آہستہ آہستہ مغرب کے سمت غروب ہو رہا تھا۔اور اہستہ سے نیلے اسمان پر نارنجی رنگ بکھیر رہا تھا ریگستان میں ہواؤں کا رخ مشرق کی سمت تھا۔ شام کے ڈھلنے پر ریم اندر چلی گئی اور تمام ملازمین اپنے اپنے گھر۔

عیسی تقریباً عشاء کے بعد تھکا ہارا گھر پہنچا۔ وہ آتے ہی صوفے سے سر لگائے آنکھیں بند کر کے بیٹھ گیا۔ اس کے کپڑے جو صبح تھے اب ویسے نہیں تھے اس پر بے شمار سلوٹیں پڑ چکی تھی۔ ریم کچن سے ہاتھ میں پانی کا گلاس پکڑے ہال میں آئی اور اس کے برابر بیٹھ گئی گلاس کو اس نے ٹیبل پر رکھ دیا. وہ کئی سیکنڈ تک اس کو یوں ہی دیکھتی رہی اس کے بعد عیسی خود ہی آنکھیں کھول کر اس کی طرف متوجہ ہوا۔ اپنے سامنے ایک بے حد حسین مسکراتا ہوا چہرہ دیکھ کر وہ پر سکون ہونے لگا سفید حجاب میں ملبوس گالوں پر گلابی پن۔ اس نے کچھ کہے بغیر ریم کی گود میں سر رکھ دیا اور لیٹ گیا۔ ریم آہستہ آہستہ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرنے لگی اور اس کا سر دبانے لگی۔ "ذہن کو اتنا بھی کام دینا نہیں چاہیے کہ وہ کام کرنا ہی بند کر دے" اس نے ایسے ہی اپنے دل کی بات کا تبصرہ کیا عیسی نے آنکھیں کھولے بغیر

بس ہمم کہا۔ وہ کچھ دیر تک یوں ہی اس کی گود میں لیٹا رہا اس کے بعد وہ اٹھ کر اس کے عین مقابل صوفے پر پیر جمائیں بیٹھ گیا۔ اس کے نرم ہاتھوں کو اپنے ہاتھوں میں لے کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے سے مسکراہٹ جدا نہیں ہو رہی تھی وہ جو صبح سے لے کر شام تک چہرے پر ایک سنجیدگی اور سختی لیے بیٹھا تھا اپنی بیوی کے ایک جھلک پر مسکراہٹ کو خود سے الگ نہیں کر پا رہا تھا۔ "تم میرے لیے میرے روح کے ہر مرض کی دوا ہو" نیا دن اور اسی کے ساتھ ایک نیا اظہار کا طریقہ۔ اس کے اظہار محبت پر وہ ہر بار بلش کرنے لگتی اس کی آنکھوں میں یک دم سے حیا امڑ آتی اور وہ اپنی نظروں کو نیچے کر لیتی۔ اور ہر بار کی طرح عیسی بھی اس کی ٹھڈی اپنی دو تین انگلیوں سے اوپر کرتا اور ایک بار پھر اس سے کہتا کہ وہ اس کی آنکھوں میں دیکھے۔ "آپ کی روح کی مرض کے لیے تو اللہ نے شاید مجھے

بنایا ہے لیکن آپ کے جسم کی صحت کے لیے آپ کو اپنا خیال رکھنا پڑے گا اور بہت سارا پانی پینا پڑے گا" ریم نے ٹیبل سے پانی کا گلاس اٹھا کر عیسی کے ہاتھ میں رکھتے ہوئے کہا۔ "آج ایسی صحت میں ایک ڈاکٹر کو دے آیا ہوں" وہ صبح ہونے والی واردات کو یاد کرتے ہوئے بڑبڑایا۔ ریم نے کچھ نہیں سنا وہ اس کے لیے کھانا گرم کرنے اندر چلی گئی۔ عیسی اس کو جاتا دیکھ خود بھی اپنی کمرے کی طرف بڑھا اور فریش ہونے کے لیے چلا گیا۔

صبور اور سنبل رمشا کے پاس بیٹھے اس کا خیال رکھ رہے تھے۔ صبور اس کا سر دبا رہی تھی اور سنبل اس کے لال لال دانوں کو پانی سے صاف کر رہی

تھی۔جب سے رمشا کی بگڑتی حالت کی خبر گھر میں آئی تھی ایک الگ سا ماتم چھایا ہوا تھا۔ مگر روشنی پر اپنی بہن کی بیماری کا بھی کچھ اثر نہیں پڑا۔وہ باہر گئی ہوئی تھی۔ صبور نے رمشا کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر اس کا ٹمپریچر چیک کیا وہ اب بھی اسی طرح بخار میں مبتلا تھی۔ صبور نے اداسی سے سنبل کو دیکھا جو اسی کے طرح تعثرات لیے بیٹھی ہوئی تھی۔ "جس نے رمشا کو وہ خراب گولیاں دی ہیں اس کو تو آگ میں جلا دینا چاہیے جس طرح ہماری بہن آگ میں جل رہی ہے وہ لوگ بھی آگ میں جلیں۔" صبور کا بس چلتا تو وہ ان سب کو اصل میں آگ میں جلا دیتی اس کی بات سے سنبل بھی متفق ہوئی لیکن اس کے ذہن نے سنبل کی بات کو اپنے اندر قید کر لیا ۔آگ...آگ.....آگ.... سمیرا اوپر کمرے میں صفائی کرتی ہوئی الجھی ہوئی لگ رہی تھی ہاں جیسے وہ کسی کا انتظار کر رہی ہو۔اس نے کپڑے طے

کر کے الماری میں رکھے اور ٹیبل پر رکھے فون پر متوجہ ہوئی۔ ہونٹوں پر بار بار اپنی زبان پھیرتے ہوئے وہ اپنے انگلیوں کو توڑ رہی تھی جس کی ٹٹ ٹٹ آواز آرہی تھی۔ تبھی اس کا فون جگمگایا اور ساتھ ہی ساتھ اس کا چہرہ بھی اس نے فوراً ہی فون اٹھالیا۔ "آپ کیا فون پر ہی بیٹھی ہوئی تھیں" سمیر اس کے اچانک ایک ہی رنگ پر فون اٹھانے پر حیران ہنستے ہوئے بولا سمیرا کو خود پر تھوڑا سا غصہ آیا. "نہیں میں تو ابھی ابھی فون کو دیکھ رہی تھی اچانک آپ کی کال آئی تو اٹھالیا ویسے انتظار کروانا اچھی بات نہیں ہوتی" وہ دیوار سے لگ کر سنبھل کر بولی اس کا دل بری طرح مچل رہا تھا سمیر نے اس کے آخری جملے کو غور سے سنتے ہوئے ایک گہری سانس لی تھی "مطلب آپ میری کال کا انتظار کر رہی تھی" وہ پکڑی گئی لیکن اب لڑکی ہونے کے ناتے اس کو تھوڑا تو جھوٹ اور ڈرامہ کرنا تھا اس نے فوراً ہی قطعی انداز

میں منع کر دیا" بالکل نہیں میں تو اپنے کام میں مصروف تھی" دوسری طرف سے زور زور سے ہنسنے کی آواز آئی اس کے ہنسنے پر وہ بھی ہلکا سا مسکرائی. "اوکے اوکے محترمہ میں سمجھ گیا اپ میری کال کا انتظار نہیں کر رہی تھی ہم ہی دیوانے ہوئے جا رہے تھے آپ کے انتظار میں" سمیرا کی ایک دھڑکن مس ہوئی اس کے چہرے پر یک دم سے سرخی چھانے لگی۔اتنے دنوں سے بات کرنے کے بعد ان دونوں میں اب تھوڑی بہت بے تکلفی آگئی تھی۔خوشی کے مطابق سمیرا اسے اپنے پیار کے جال میں پھنسا رہی تھی اور خود بھی دھنس رہی تھی اس نے ایسا کھڈا کھودا جس میں وہ پہلی کھودی اس کے بعد زبردستی ہی صحیح سمیر کو بھی لے لیا۔"اپ کی بہن کی طبیعت کیسی ہے اب" سمیر نے رمشا کی طبیعت کو دھیان میں رکھتے ہوئے پوچھا" کچھ بھی بدلاؤ نہیں آیا ہے ابھی بھی ویسے ہی ہے" سمیرا نے اداسی

بھرے لہجے میں کہا دوسری طرف سمیر بھی کچھ اداس سا ہوا "آپ ان کا علاج کروانے میں دیر کیوں کر رہے ہیں" سمیر کے سوال پر وہ مکمل طور پر خاموش ہو گئی. اس سوال کا جواب اس کے پاس نہیں تھا. دونوں کے درمیان اب ایک طویل خاموشی کا وقفہ آیا. سمیر کو کسی نے پیچھے سے بلند آواز میں بلایا وہ سمیرا سے معذرت کرتا ہوا فون بند کر کے چلا گیا. سمیرا فون رکھتے ہی اداس ہو گئی، جیسے وہ چاہتی تھی کہ سمیر اس سے اور بات کرے، تھوڑی دیر اور اس کی آواز سنتی رہے۔ وہ فون کو گھورتی رہی، جیسے امید ہو کہ دوبارہ گھنٹی بج اٹھے گی، لیکن خاموشی نے اسے مزید تنہا کر دیا۔

وہ کھڑکی کے پاس جا کھڑی ہوئی، باہر ہلکی بارش ہو رہی تھی۔ پانی کے قطرے شیشے پر ٹکرا کر پھسل رہے تھے، بالکل اسی طرح جیسے اس کی آنکھوں میں سمیر کی جدائی کا درد ٹھہر کر بہنے کو تیار تھا۔

کاش، وہ اسے روک لیتی۔ کاش، وہ کہہ دیتی کہ "بس تھوڑی دیر اور بات کرو، آج دل بہت اداس ہے..."

پولیس سٹیشن میں آج رونق آئی تھی یا یوں کہوں کہ خوشی آئی تھی۔ وہ کالے برخے میں نقاب کو اپنے ہاتھ میں پکڑے ہوئی تھی۔ سرخ چہرہ، سوجی ہوئی آنکھیں۔ "آپ فوراً ایف آئے آر درج کریں" خوشی نے رمشاہ کی رپورٹس اور اس کے تصاویرات کو پولیس انسپکٹر کے سامنے

رکھتے ہوئے کہا۔ پولیس انسپیکٹر پانچ چباتے ہوئے لاپرواہی سے اسے دیکھ

رہا تھا اس نے فائل کو اہستہ سے بازو میں کیا اور خوشی سے مخاطب

ہوا" شریمتی جب کوئی بیمار ہوتا ہے تو لوگ ہاسپٹل جاتے ہیں نہ کہ پولیس

تھانے "اس کی باتوں سے لگ رہا تھا کہ وہ اس کیس کو ٹالنا چاہ رہا ہے. خوشی

نے غصے سے اپنی مٹھیاں بھینچ کر ٹیبل پر دے ماری جس سے ٹیبل پر پڑا پیپر

ویٹ اچھل کر نیچے زمین پر گر گیا اور اس کی آواز پورے پولیس اسٹیشن میں

گونجی۔ وہ یک دم سے کھڑی ہوئی اور پولیس آفیسر کی آنکھوں میں آنکھیں

ڈال کر بولنے لگی "میری بیٹی کی طبیعت خراب اس ہاسپٹل کی دوائیوں کی

وجہ سے ہوئی ہے اگر میری بیٹی کو کچھ ہوا تو اس ہاسپٹل اور آپ کے پولیس

تھانے کو آگ لگا دوں گی میں۔ اور یقین کیجئے آپ کا قانون اور قانون کا کوئی

باپ بھی میرا کچھ بگاڑ نہیں سکتا" پولیس اس کی حرکت سے خوفزدہ ہو کر

کھڑا ہوا اس نے پان سمیت اپنا تھوک نکلا اور رومال سے اپنا پسینہ صاف کرنے لگا وہاں موجود ہر شخص ڈر کر کھڑا ہو گیا تھا"اب بھی نہیں لکھیں گے ایف ائی آر"خوشی نے دانت چباتے ہوئے پولیس کے عین مقابل آ کر کھڑی ہو کر پوچھی پولیس نے خوفزدہ چہرے کے ساتھ نفی میں سر ہلایا"میں اس میں آپ کی کوئی مدد نہیں کر سکتا"

"تو تیار رہیے اپنی موت کے لیے"وہ اپنی فائل اور تصویریں لیتی وہاں سے چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد پولیس اسٹیشن میں ایک عجیب سا سنٹا چھا گیا ہواؤں نے اپنا رخ بدل کر اس علاقے کا ساتھ چھوڑ دیا پولیس اسٹیشن میں موجود ہر شخص اپنے سینے پر ہاتھ رکھے انسپیکٹر کو دیکھ رہا تھا۔انسپیکٹر نے ٹیبل پر پڑا پانی کا گلاس اٹھایا اور ایک سانس میں پورا پانی پی گیا۔خالی گلاس کو ٹیبل پر واپس رکھ کر اس نے کسی کو کال کر کے خوشی کی حرکت کا

بتایا دوسری طرف کہ جواب کو سن کر وہ تھوڑا مطمئن ہوا اور واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا اور باقیوں کو بھی اپنے اپنے کام میں واپس لگنے کے لیے کہا۔

خوشی جب گھر آئی تو بہت تھکی ہوئی تھی وہ اتے ہی زمین پر سر پکڑے بیٹھ گئی صبور نے اس کے ہاتھ سے فائل اور تصویریں لے کر دراز میں رکھ دی سنبل نے اپنی ماں کو پانی تھمایا خوشی نے پانی کا گلاس واپس زمین پہ رکھ کر زور زور آواز میں رونے لگی۔اس کے رونے پر اس کی تمام بیٹیاں پریشان ہو کر اس کے اعتراف بیٹھ گئی سمیرا نے اپنی ماں کو سینے سے لگا کر چپ کرانے کی کوشش کی مگر وہ چھپ ہونے کا نام نہیں لے رہی تھی سنبل کے رگوں میں خون ارتعاش کرنے لگا۔"ایسا کیا ہوا ممی آپ کیوں رو رہی ہیں اس طرح" سمیہ خوشی کے پیروں میں بیٹھی بڑی فکر مندی سے بولی

خوشی سمیرہ کے سینے سے الگ ہو کر اپنے آنسوں صاف کرنے لگی "سارے بک چکے ہیں کوئی بھی ایف ائی آر لکھنے کو تیار نہیں کتے ہیں سالے سب "ان سب بہنوں نے ایک دوسرے کو دیکھا خوشی ایک بار پھر رونے لگی۔ روتے روتے وہ رمشاہ کے پاس آئی جو آہستہ سے آنکھیں کھولے اسے دیکھ رہی تھی۔امید. اس کی آنکھوں میں امید تھی. جینے کی خواہش تھی. خوشی نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اپنے ٹھنڈے ہاتھوں میں اس کا گرم ہاتھ لے کر ایک بار پھر وہ رونے لگی "میں تمہیں بچا لوں گی میرے بچے "وہ اس کے ہاتھ کو اپنی آنکھوں پر لگا کر روتے ہوئے بولی رمشاہ آہستہ سے اپنے بستر سے اٹھی اور اس کے آنسو پونچھنے لگی "ممی مجھے آپ پر بھروسہ ہے آپ مجھے بچا لیں گی مجھے جینا ہے ممی "یہ کیسی بے بسی تھی جو خوشی پر طاری ہوئی تھی اس نے رمشا کو سینے سے لگا یا ایک ہاتھ سے

وہ اپنے آنسو پونچھنے لگی اور دوسرے ہاتھ سے رمشاہ کے بالوں کو سہلانے لگی. اس نے اپنی پوری زندگی میں اتنا بے بس خود کو کبھی نہیں پایا تھا اب بس ایک راستہ تھا رحیم کی واپسی. اس کا باپ ہی اب اس کی شفا تھا مگر وقت کھیل کھیلنے میں ماہر ہے.

وہ دوپہر میں رمشاہ کو کھانا کھلا کر دوائیاں دے کر چھت پر آ کر رحیم کو فون کرنے لگی۔ رحیم شاید مصروف تھا اسی لیے تین چار بار کال کرنے کے بعد اس نے غصے سے فون اٹھایا اور فون اٹھاتے ہی وہ خوشی پر برس پڑا "تم کیا عقل سے پیدل ہو تمہیں پتہ نہیں کہ میں اس وقت کام میں مصروف ہوتا ہوں ایسے بھی کس کی موت آئی ہے جو تم مجھے بار بار کال کر رہی ہو" اس کے چیخنے کے باوجود بھی خوشی روتی چلی گئی رحیم کے لیے یہ عجیب تھا اس

نے شادی کے اتنے سالوں بعد خوشی کو کبھی روتے ہوئے نہیں دیکھا تھا یہ اس کے لیے عجیب تھا"آپ کی بیٹی کی موت ہونے والی ہے" وہ رونے کے درمیان سسکیوں کے ساتھ بولی اور رحیم پر ساتوں آسمان ایک سات گر پڑے اور اس کے پیروں تلے ساتوں زمین ہٹ گئی تھی. وہ بیک وقت کانپنے لگا اور اس کے پیروں سے جان نکلنے لگی وہ خود کو سنبھالنے کے لیے وہاں کرسی پر بیٹھ گیا. اس کی آنکھیں یک دم سے نم ہونے لگی اور خیالوں کا ایک بڑا سا طوفان اس کے ذہن میں امڑ آیا. "کسے کیا ہوا ہے" وہ بمشکل بول پایا خوشی نے اپنے آنسوں صاف کر کے ایک گہری سانس لی "رمشا کی طبیعت بہت خراب ہے ڈاکٹر نے کہا ہے کہ اس کی کڈنی خراب ہو گئی ہے اور جلد سے جلد ٹرانسپلانٹ کرنا ہو گا آپ جلدی آجائیے ورنہ ہم دونوں اپنی بیٹی کو کھو دیں گے" وہ کہہ کر ایک بار پھر شدت سے رونے لگی اس نے

خود کو مضبوط ثابت کرنا ترک کر کے ٹوٹنا منظور کیا۔ وہ عورت تھی چاہے جتنا مرضی خود کو مضبوط بنا لے ایک لمحے میں آ کر وہ ٹوٹ جاتی ہے لیکن جب سامنے اولاد ہو ٹوٹنا لازم ہو جاتا ہے کئی دیر تک رحیم اسے سمجھاتا رہا۔

جب ایک باپ کو پتہ چلتا ہے کہ اس کی اولاد بیمار ہے، تو وہ پل پل مرنے لگتا ہے۔ یہ جانتے ہی کہ جس وجود کے لیے اس نے دنیا کی ہر تکلیف اپنے اوپر لی، وہ خود تکلیف میں ہے، اس کے دل پر جیسے پہاڑ ٹوٹ پڑتے ہیں۔

وہ چاہے کتنا ہی مضبوط کیوں نہ ہو، اندر سے ٹوٹنے لگتا ہے۔ وہ اپنی اولاد کے چہرے کی زردی دیکھ کر خود بے رنگ ہو جاتا ہے، اس کی ہر کمزوری اپنے وجود میں محسوس کرنے لگتا ہے۔ اگر بچہ رات کو کروٹیں بدلتا ہے، تو باپ

کا دل بھی بے چین رہتا ہے۔ اگر بچے کو درد ہوتا ہے، تو باپ کی روح کانپ اٹھتی ہے۔

وہ اپنی دعاؤں میں شدت لے آتا ہے، اپنے آنسو چھپا کر مسکراہٹ کا لبادہ اوڑھ لیتا ہے، تاکہ اس کی اولاد کمزور نہ پڑے۔ وہ ڈاکٹروں کے چکر کاٹتا ہے، دواؤں کی بوتلوں میں شفا تلاش کرتا ہے، اور ہر سانس میں بس یہی دعا کرتا ہے کہ "یا اللہ! میری جان لے لے، مگر میری اولاد کو صحت دے دے۔"

یہی تو باپ ہوتا ہے — جو اولاد کے درد میں خود گھلنے لگتا ہے، پل پل مرتا ہے، مگر پھر بھی اپنی اولاد کے لیے ہمیشہ مسکرا کر جیتا ہے۔

مصباح سمیہ سنبل صبور اپنے ہاتھوں میں کالا پتھر لیے اس گورنمنٹ ہاسپٹل کے سامنے ایک صف میں کھڑے تھے۔چاروں نے مختلف رنگ کے کپڑے پہن رکھے تھے مگر تینوں کے بال پونی میں بندھے ہوئے تھے۔وہ مختلف کردار کی لڑکیاں آج ایک ٹیم کی شکل میں دکھائی دے رہی تھی۔ صرف اس لیے کہ اس پتھر کی عمارت نے ان کی بہن کو بے بس اور مجبور کر دیا ہے

"آگ لگادیں"۔ صبور نے پتھر کو فضا میں اچھال کر واپس ہاتھ میں لیتے ہوئے کہا.

"زندہ دفنادیں"۔ مصباح نے ترش نگاہوں سے ہاسپٹل کے دیواروں کو چاروں طرف سے دیکھتے ہوئے کہا۔

"ٹکڑے ٹکڑے کر دیں" سمیہ اپنی مٹی کو بھینچتی ہوئی بولی۔ ان چاروں کے آخر میں کھڑی سنبل شاطرانہ مسکراہٹ لیے ہاسپٹل میں چلتے پھرتے لوگوں کو دیکھ کر اپنے دل میں ابلیس سے گفتگو کر رہی تھی۔

"برباد کر دیں" یہ جملہ ان تینوں سے الگ اور زیادہ وزن دار تھا اس جملے میں وہ تینوں جملے بھی شامل تھے اور اس کے ساتھ کئی جملے بھی ایڈ ہو رہے تھے۔ ان تینوں نے بیک وقت ایک ساتھ سنبل کو دیکھا اور ایک دلفریب مسکان ان کے چہروں پر آئی انہوں نے ایک ساتھ وہ پتھر زور سے ہاسپٹل کی چھت پر موجود ایک بڑے سے بلب کی سمت مارا۔ بلب کی روشنی یک دم سے ہوا میں بکھر گئی اور اس کے ساتھ اس کے کانچ چھت پر ٹوٹ کر بکھر گئے۔ وہاں چلتے پھرتے لوگوں نے ان چاروں کو عجیب نگاہوں سے دیکھا۔ مگر وہ سب کی نظروں سے بے نیاز واپس پلٹ گئے ان چاروں کے

دماغ اب ایک ہو گئے تھے اور ایک ایسی ترکیب بنا رہے تھے جس سے بچ پانا کسی کے بس میں نہ تھا۔ سنبل کے دماغ کے ساتھ ساتھ اس کی تینوں بہنوں کا دماغ بھی ابلیس کے قبضے میں تھا ان چاروں کو اب راہ اپنی مرضی سے ابلیس دکھانے والا تھا۔

سنبل تقریبا اٹھ دس دن بعد اپنے استاد کے پاس آئی تھی۔ اس بار وہ غفہ میں داخل ہوتے ہوئے اکیلی تھی اس کی انگلیوں نے ڈیوڈ کی انگلیوں کو بہت یاد کیا۔ اس نے عادتا گردن اوپر کر کر وہاں غیر موجود وجود کو تلاشا جو ہر بار اس راستے میں اس کے ساتھ ہوتا۔ وہ زخمی سی مسکراتی ہوئی اندر چلی گئی۔ ہمیشہ کی طرح اس کا استاد اسی حالت میں دائرے میں بیٹھا ابلیس کی عبادت کر رہا تھا۔ سنبل کے آنے کے آہٹ سے اس نے اپنی آنکھیں

کھولی اور سنبل کو اپنے پاس آ کر بیٹھنے کے لیے کہا۔ سنبل چھوٹے چھوٹے قدم لیتی اس کے برابر آ کر بیٹھ گئی۔اس کے ارد گرد صرف گندگی تھی پاخانہ جانوروں کا گوشت انسانوں کا گوشت ہر طرح کی گندگی۔ "بہت دن بعد آئی ہو" اس کے استاد نے اس تصوراتی ابلیس کے مجسمے کے سامنے ہاتھ جوڑی ہوئی سنبل سے دھیمے لہجے میں کہا. سنبل نے آنکھ کھول کر اپنے استاد کو دیکھا اور طنزیہ انداز میں مسکرائی۔ "آپ کمال کرتے ہیں سوال ایسے پوچھ رہے ہیں جیسے آپ کو کچھ پتہ ہی نہیں ہے" وہ اس کے ساتھ اتنے دنوں سے رہ کر یہ جان چکی تھی کہ وہ اس کے بارے میں ہر چیز جانتا ہے وہ اس کے ساتھ ہو یا نہ ہو. ابلیس کے پیروکار سنبل کی خبر اس تک پہنچا ہی دیتے ہیں کیونکہ سنبل اب ابلیس کی سب سے چہتی بیٹی بن چکی تھی اس کا استاد فخریہ انداز میں مسکرایا "اسی وجہ سے ابلیس نے تمہیں چنا ہے" اس

کی استاد کی تعریف کی وہ عادی ہو چکی تھی اس نے ہاتھ جوڑے مجسمے کو دیکھا

"ابلیس میں سنبل تجھ سے مدد مانگتی ہوں۔ (ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں) دور کسی مکان میں سورۃ فاتحہ پڑھا جا رہا تھا خدا کے دو بندے ایک اس کے آگے مسجود اور ایک اس کے آگے جس نے اس کے حکم کی تعمیل نہیں کی۔ ابلیس جھوم جھوم کر خوشی منا رہا تھا۔

"میری بہن بہت بیمار ہے اسے شفا دے۔" (بے شک شفا صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے).

"جس کی وجہ سے میری بہن کی یہ حالت ہوئی ہے اسے آگ میں جلا دے" (بے شک اللہ کے سوا کوئی کسی کو نقصان یا نفع نہیں پہنچا سکتا).

"تو میرا مالک ہے" (بے شک تمام جہانوں کا رب ایک اکیلا اللہ ہے) اس کا استاد اس کے دعا کے طریقے اس پر فخر کرنے لگا۔ غوفہ میں مشالیں اپنے

آپ جلنے لگی۔جنات اور شیاطین ایک ساتھ اپنے سردار ابلیس کے حکم پر ناچنے لگے۔وہاں لگے دھاتوں کے سامان بج رہے تھے اس کا استاد س سنبل سے بے حد خوش ہوا. "ابلیس خوش ہوا"اس کے استاد نے بلند آواز میں ناچتے ہوئے کہاوہ اندھادھن موسیقی پر گول گول برہنہ حالت میں ناچ رہا تھا۔ سنبل بھی اپنے استاد کے ساتھ ناچنے لگی اس کے پونی میں بندھے بال آزاد ہوگئے۔اور ہوامیں بکھر گئے۔ شیطانی رسومات ہم جان کرانجانے میں کر دیتے ہیں۔یاجان کر فخر سے کرتے ہیں اور ساتھ یہ دعویٰ بھی کرتے ہیں کہ ہم شیطان کواپنادشمن مانتے ہیں کتنے ہی بے وقوف ہے انسان۔

آج بہت دنوں بعد خوشی کو خدا یاد آیا وہ عشاء کی نماز کے لیے باہر وضو کر رہی تھی اس کے وضو کا پانی ہر بار کی طرح لوگوں کے پیروں میں آرہا تھا۔ ہر بار کی طرح لوگ اسے بنا کچھ کہے گذرتے گئے۔ وہ رب کے بندوں کو پریشان کر کے اسی رب کے سامنے اپنی مشکلات لے جارہی تھی۔ وہ وضو کر کے اندر آئی۔ جانماز بچھا کر اس نے نماز کی نیت باندھی۔ اس کی زبان میں لکنت آنے لگی۔ اس کے دماغ میں ہزاروں خیال تھے وہ ایک خیال سے نماز نہیں پڑھ پارہی تھی۔ اس نے جیسے تیسے نماز مکمل کی اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا اب اسکا پورا فوکس اللہ پر تھا یہ تو ایسے ہی ہوا جیسے دن بھر مزدوری نہ کر کے تنخواہ لینے آجاؤ۔ ("اے اللہ میری بیٹی کو صحت دے") وہ ایک ہی دعا بار بار پڑھ رہی تھی۔

درمیانی رات کا وقفہ :-

ہاسپٹل کے اسٹور روم سے کسی کے ہسنے کی آواز آرہی تھی۔ کمرے کے اندر لال روشنی میں دو چہرے جگمگا رہے تھے۔ نرس نرملا اور ڈاکٹر لوکیش ایک دوسرے کے بہت قریب تھے۔ نرملا کا ہاتھ لوکیش کی گردن کے اعطراف تھا۔ وہ دونوں ابھی ابھی ہاسپٹل کی انوینٹری کو اسٹور روم میں شفٹ کروا کر اندر ہی رہ گئے تھے۔ "آپ نے آج مجھ پر غصہ کیوں کیا" نرملا کسی بات پر لوکیش پر خفا تھی۔ "ارے جان تم نے دوسرے برینڈ کی دوا کیوں دی" وہ نرملا کے گال سہلاتے ہوئے بولا - "آگے سے مت کرتا" وہ اس کو ہدایت کر کے گلے لگا لیا۔ وہ دونوں ایکسٹرا مریٹیل افیئر چلا رہے تھے دونوں ہی شادی شدہ تھے مگر کتے کو گھی کہاں ہضم ہوتا ہے۔ وہ دونوں اپنے کام میں مصروف تھے۔ نرملا کو کچھ جلنے کی بو آئی۔ وہ لوکیش سے الگ

ہوئی اور چاروں طرف دیکھنے لگی۔اس کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئی۔ اسٹور روم کے چاروں طرف آگ تھی۔نرملا اور لوکیش دروازے کے پاس آکر زور زور سے دروازہ پیٹ کر مدد مانگنے لگے مگر ان کی آواز باہر نہیں جا پائی۔آگ دھیرے دھیرے انونٹری میں لگنے لگی نرملا اور لوکیش نے پلٹ کر دیکھا اب وہ دونوں آگ کی زد میں تھے۔لوکیش کھڑکی کے پاس دوڑتا ہوا آیا اور وہاں پڑا ایک بیٹ لے کر کھڑکی پہ دے مارا مگر آگ پوری قوت سے اندر آئی اور وہ اس آگ میں کسی لکڑی کی مانند جلنے لگا۔وہ چیختا رہا چلاتا رہا نرملا سے مدد مانگتا رہا مگر نرملا تو اپنی جان کو بچانے کا راستہ ڈھونڈ رہی تھی۔لیکن اسے ہر دروازہ بند نظر آیا اس کی انکھوں کے سامنے اس کی ساری زندگی ریت کی مانند پھسلنے لگی۔ایک آگ کا بڑا سا دھماکہ اس کی آنکھوں کے سامنے چمکا وہ اڑ کر باہر پہنچی اس کا پورا جسم آگ میں جل رہا

تھا۔ وہ پوری انونٹری جل کر راخ ہو چکی تھی مگر اس کے علاوہ کسی ایک جگہ پر بھی چنگاری تک نہیں آئی تھی۔ پورا اہاسپٹل بالکل ٹھیک تھا سوائے اس سٹور روم کے۔ تمام ڈاکٹرز نرسنگ سٹاف دھماکے کی آواز پر سٹور روم پہنچے اور ایک انجانے ڈاکٹر کو جلتا ہوا دیکھ وہ کچھ کر نہ پائے۔ کچھ ڈاکٹروں نے فائر بریگیڈ کو کال کیا تو کچھ نے پانی سے آگ بجھانے کی ناممکن کوشش کی۔ مگر پھر بھی وہ آگ رکنے کا نام نہیں لے رہی تھی کسی نے پیچھے سے آکے کہا کہ کمرے کے پیچھے والی زمین پر کسی نرس کی لاش جلی پڑی ہے۔ ڈاکٹرز نے کمپاؤنڈر سے دریافت کیا تو پتہ چلا کہ وہ دونوں سٹور روم میں انونٹری شفٹ کرنے آئے تھے اور وہ دونوں اور کوئی نہیں بلکہ ڈاکٹر لوکیش اور نرس نرملا ہے۔ ڈاکٹرز کو ان دونوں کی مرنے کی کوئی فکر نہیں تھی انہیں

فکر تھی تو بس اس جلی ہوئی انونٹری کی۔ جس پر بہت پیسے خرچ ہوئے تھے

۔

شیطان وہ مخلوق ہے جو اللہ کے کی رحمت سے محروم رہا اس نے اپنی انا اور غرور کو اللہ کے حکم کے اوپر رکھا۔ شیطان یعنی ابلیس کا ذکر ہم بچپن سے سنتے آئے ہیں وہ کیا تھا کیا بنا اور کیا کرنا چاہتا ہے۔ خدا نے قرآن میں کئی مرتبہ ہمیں اس سے دور رہنے کا حکم دیا ہے اور کہا ہے کہ شیطان انسان کا کھلم کھلا دشمن ہے وہ اللہ کے بندوں کو بھٹکا کر اپنا پیرو کار بنانا چاہتا ہے۔ ہم میں سے نہ جانے کتنے لوگ دن میں کتنی بار اللہ کو ناراض کر کے شیطان کے ساتھی بن جاتے ہیں۔ ہم سب خواہشات کے تلے دبے ہوئے ہیں۔ کوئی رب سے ڈر کر حلال کما رہا تھا کوئی موت سے ڈر کر ہر حرام طریقہ اپنا

رہا ہے۔ شیطان مالی حالت تک ہی محدود نہیں ہے۔ یہ انسان کو ہر طرح سے اپنے قابو میں لانا چاہتا ہے۔ انسان وہاں سکون ڈھونڈتا ہے جہاں آدم علیہ السلام کو سزا کے طور پر بھیجا گیا تھا۔ انسان کو سکون شیطان کئی چیزوں میں دکھاتا ہے۔ کسی کو زنا میں کسی کو حرام تعلقات میں کسی کو پیسوں میں کسی کو موسیقی میں تو کسی کو دوسروں کے غموں میں - سکون... سکون... سکون.

عارضی طور پر وہ اس کو پا بھی لیتا ہے مگر دائمی حقیقت کا سودا کر کے - آج کل کے دور میں شیطان بننا بہت آسان ہے سر پر ٹوپی ہاتھ میں تسبیح چہرے پر داڑھی رکھ کر لوگ معصوم بچیوں کے ساتھ زبردستی کرتے ہیں۔ اپنے جسم کو پوری طرح چھپا کر گھر سے دعا پڑھ کر لڑکیاں اپنے بوائے فرینڈ سے ملنے جاتی ہے۔ فجر کی نماز پڑھ کر دکاندار اپنے گراہوں کے سامنے ناپ

تول میں دھوکہ کرتا ہے۔ نکاح کے پاک بندھن میں بند کر عورت اپنے شوہر سے ناجائزہ خواہشات کرتی۔ بچے ماں باپ کو دھکے مار کر گھر سے نکال دیتے ہیں۔ ماں باپ بچوں کو بچپن میں ذہنی بیمار بنا دیتے ہیں۔ پردہ بے پردہ سب برابر ہو گئے ہیں۔ ہم سب میں شیطان ہے بس ہم اللہ کی رحمت سے محروم نہیں ہے۔ توبہ کر لو ایسے معاف کر دیتا ہے جیسے ہم نے کبھی کچھ کیا نہ ہو۔

زمانہ آیا ہے جاہلیت کا واپس

اب ہر فرد میں ابلیس ہے

اذان سن کر پیدا ہوا مسلمان

سیاہ کاری کا خریدا رہے

اب تو کھلے عام دعوت دی جاتی ہے

دین کی نہیں جاہلیت کی

شیطان کا مجسمہ بنا کر

پردہ انسان برہنہ ہو جاتا ہے۔

پاکی نصف ایمان ہے

ابلیس کی محبت میں انسان

گندگی اختیار کرتا ہے

جس کو بنایا رب نے ایک دوسرے کو سمجھنے کے لیے

اسی پر اس کا بندہ کالا جادو کرواتا ہے

ہنس رہا ہے ابلیس اور رب کا بندہ

اے اشرف المخلوقات تو یہ کیسا گناہ کرتا ہے۔

سنبل کی گذارش سے ابلیس کے ساتھیوں نے آگ تو لگادی مگر اب شفا کا ذمہ تو خدا کے پاس ہے۔ وہی بیماری دیتا ہے اور وہی دوا۔ سنبل اپنی بہن کے برابر سوئی اس کے ماتھے پر ہاتھ رکھ کر کچھ منتر پڑھ رہی تھی۔ رمشا کی حالت میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی۔ رحیم کی واپسی کا کوئی نشان نہیں تھا۔ مگر اس نے اپنے تعلقات استعمال کر کے رمشا کے علاج کا بندوبست کروادیا تھا۔ وہ اپنی بیٹیوں کی تصویر کو فون میں سکرول کر رہا تھا ان کے مسکراتے چہرے دیکھ کر اس کی آنکھیں نم ہونے لگی۔ "معاف کرنا بچوں یہ تمہاری ماں کی ضد ہے" وہ اپنا چہرہ پہنچتا ہوا زیر لب بڑبڑایا. "کیا ہوا تمہیں تم نہیں جارہے ہونا" اس کی دوسری بیوی عربی زبان میں بولی اور اس کے پاس آکر

اس کے کاندھے پر سر رکھ کر بیٹھ گئی. "نہیں جا رہا صرف پیسے بھجوائے ہیں" اس نے بھی عربی میں جواب دیا. وہ خاتون تھوڑی مطمئن سی ہوئی. دونوں اسی طرح بیٹھے رہے. ضد میں ایک باپ ہار گیا اور باپ کے ہار سے بڑی کوئی ہار نہیں ہوتی۔

"کنور سا ہم یہاں کیوں آئے ہیں" روشنی اور کنور کسی سنسان ندی کے کنارے آئے ہوئے تھے وہ چار دیواروں سے تھک گیا تھا دل لگانے کے لیے اس نے نئی جگہ چنی تھی۔ وہ روشنی کا ہاتھ پکڑ کر ایک بڑے سے پتھر پر آ کر بیٹھ گیا۔ وہاں چھاؤں تھی ندی میں پانی بے آواز حرکت کر رہا تھا ندی کے اس کنارے ایک لمبی قطار میں پرندے بیٹھے ہوئے تھے اور کہیں کہیں بطخ دوسرے بطخ کے ساتھ پانی کھیل رہا تھا دور کہیں پانی میں کشتی تیر رہی

تھی لاوارث سی جیسے اس کا نہ کوئی سواری ہو اور نہ کوئی ملاح۔ سورج پیڑوں کے پیچھے تھا۔ کنور نے اس خوشگوار موسم میں روشنی کو دیکھا جو نارنجی رنگ کے فراک میں بالوں کو ایک کلچ میں باندھے ہاتھوں میں ہری چوڑیاں جو اسی نے پچھلی بار اسے دی تھی آنکھوں میں باریکی سی لگایا گیا کاجل۔ اس نے ایک نظر اپنے آپ پر ڈالی جو ایک امیر زیادہ ہو کر بھی عام سے لباس میں تھا۔ وہ اہستہ سے ہنس دیا۔ "بہت دیکھ لیا تجھے اندھیرے میں اجالے میں دیکھنا تھا اس لیے لے آیا مگر یہاں تو سب سے زیادہ تو چمک رہی ہے" روشنی اس کی آنکھوں میں دیکھتی ہوئی سرخ ہوئی اس نے فورا اپنا چہرہ موڑ لیا. کنور نے اس کو ایک بار پھر اپنی طرف متوجہ کیا وہ آسانی سے دیکھ پا رہا تھا کہ روشنی کی آنکھیں ستاروں کی مانند چمک رہی ہیں. "آپ اتنے دنوں بعد کیوں آئے ہیں رہتے وہیں" روشنی نے خفگی جتائی۔ "کام تھا

پگلی" ہر بار ایک ہی بہانہ اور وہ ہر بار اس بہانے سے مطمئن ہو جاتی جیسے اسے کسی اور چیز کو جاننے کی ناامید تھی اور نہ ہی تجسس۔" تو بھی بزی تھی دو دن سے کال کیوں نہیں کیا" کنور نے بھی جوابا خفگی جتائی۔ خوشی ایک دم سے ایک طویل وقفے کے لیے خاموش ہو گئی۔ وہ اپنی انگلیوں کے ساتھ کھیلتے ہوئے آہستہ سے بولی" بہن کی طبیعت خراب ہے" کنور نے کوئی جواب نہیں دیا لیکن اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا" کیا وہ مجھ سے زیادہ ضروری ہے" روشنی نے فورا نفی میں سر ہلایا" آپ سے زیادہ ضروری تو میری جان بھی نہیں ہے" اس نے نرم لہجے میں کہا کنور نے اس کی آنکھوں میں بڑی آسانی سے خود کو کھونے کا ڈر دیکھا وہ ہلکا سا مسکرایا اس کے کالے بال ہوا میں لہرائے اور اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی۔ روشنی اس مسکراہٹ پر ہزار بار خود کو مار سکتی تھی اور کسی کو بھی مار سکتی تھی۔

سورج کی روشنی میں وہ دونوں ایک سنسان ندی کے کنارے بیٹھے ہوئے گمنام جوڑا الگ رہے تھے۔ان دونوں کے بیچ ایک بار پھر خاموشی کا سلسلہ آیا۔روشنی نے سوچا کہ کنور ایک امیر زادہ ہے اس کے پاس بڑی سے بڑی بیماریوں کا علاج کرنے کا طریقہ ہوگا تو اس نے رمشاہ کی بیماری کا علاج اس سے مانگنے کی ایک کوشش کرنی چاہیے اس نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے اسے دیکھا اور تین چار بار پلک مار کر اس کی آنکھوں میں دیکھا"کنور سا آپ کچھ کر دیجیے میری بہن کے لئے"کنور نے اس کی گزارش کو سنتے ہی اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا"تو میرے ساتھ آئی ہے تو میری بات کر"کنور بہت زیادہ غصہ ہوا اسے اس بات کی بالکل توقع نہیں تھی اسے ایک لمحے کے لیے لگا کے وہ اپنی ضرورت اس کے سامنے بیان کر رہی ہے اور اسے استعمال کر رہی ہے جبکہ استعمال تو وہ خود ہو رہی تھی۔وہ غصے سے اٹھ کھڑا ہوا روشنی

بھی اس کے رد عمل کو سمجھتی ہوئی کھڑی ہو کر اس سے معذرت کرنے لگی "معاف کر دیجئے کنور سا" وہ اس کے سینے سے لگ کر بولی لیکن کنور نے اسے حقارت سے خود سے دور کیا اور کہا "سارا موڈ خراب کر دیا میں نے یہاں تجھے اپنا وقت گزارنے کے لیے لایا تھا سوچا تھا کہ کچھ وقت سکون سے گزاروں گا لیکن تجھے تو میرا سکون برداشت نہیں ہوتا" وہ غصے سے بولتا ہوا جیپ کی طرف چلا گیا اب روشنی کے اعصاب ڈھیلے پڑ رہے تھے وہ رونے کے لیے بالکل تیار تھی۔ وہ اس کے پیچھے اسے بلند آواز میں بلاتی ہوئی چل پڑی وہ دونوں جیپ کے سامنے آ کر رکے روشنی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے روک لیا۔ کنور پلٹا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا "نہیں کروں گی اب ناراض مت ہویئے" اس نے بچوں والے انداز میں کہا مگر کنور پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا تو اس نے اس کے عین سامنے آ کر پھوٹ

پھوٹ کر رونا شروع کر دیا کنور اس راجستھان کی درجہ حرارت میں موم

کی طرح پگھل گیا اس نے فورا اسے گلے لگا لیا اور چپ کرانے لگا۔ مرد پتھر

ہوتا ہے مگر عورت کے آنسو اسے پگلا ہی دیتے ہیں۔ وہ اس کو چپ کرا کے

اس کے آنسوں کو پونچنے لگا اپنی جیپ سے سفید رومال نکال کر وہ اس کے

آنسوؤں کو پونچتا ہوا اس کے بالوں کو سہلانے لگا اس نے دیکھا کہ اب تک

اس کے چہرے پر جو شرم سے سرخی چھائی ہوئی تھی اب رونے کی وجہ سے

اس کے گال اور کان لال ہو گئے ہیں اور اس کی ناک بہہ رہی ہے روشنی نے

اس کے رومال سے اپنی ناک کو صاف کیا کنور نے اسے خوش کرنے اور اس

کے دل جوئی کرنے کے لیے بازار سے لائے ہوئے جیپ میں پڑے سفید

اور سرخ گلابوں کا گجرا نکالا اس پر نظر پڑتے ہی روشنی کی آنکھیں ایک بار

پھر خوشی سے چمکنے لگی کنور نے آہستہ سے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور

اس کو بڑی محبت سے پہنانے لگا" تیرے لیے لایا تھا" اس نے گجرے پہنا کر اس کے ہاتھ کا چومتے ہوئے کہا" آپ میری خواہش ہیں کنور سا" وہ اس کا تشکر کرتی اس کے ہاتھوں کا بوسہ لینے لگی اور اس کے سینے سے لگ گئی.

"اب چلیں" وہ اس کو ہلکا سا خود سے الگ کرتے ہوئے بولا اس نے نم آنکھوں سے اسبات میں سر ہلایا وہ دونوں اس عالی شان کالی جیب میں بیٹھ کر واپس نکلے۔

گورنمنٹ ہاسپٹل سے کوئی آگ لگنے کی انویسٹیگیشن کے لیے رپورٹ لکھا کر آیا تھا۔ پولیس نے دوسرے دن ہی آگ لگنے کی چھان بین شروع کر دی۔ ہاسپٹل کے اس احاطے میں موجود کیمرے چیک کیے ہاسپٹل کے دیگر سٹاف سے بات چیت کی ان سے پوچھا مگر کوئی وجہ معلوم نہیں ہوئی۔

اس نرس اور ڈاکٹر کی فیملی نے گورنمنٹ ہاسپٹل کے اوپر کیس فائل کر دیا تھا کیونکہ دونوں ہی فیملی پرسنز تھے۔ ان دونوں کا یوں اچانک کسی آگ میں جل کر مر جانا کوئی اتفاق تو تھا نہیں۔ ہاسپٹل والوں نے ان لوگوں کو بہت سمجھایا لیکن وہ لوگ نہیں مانے ہسپتال پٹل پر چاروں طرف سے خطرہ بن رہا تھا ان کے ہاسپٹل کی انونٹری کا ایک بڑا اور قیمتی حصہ راخ بن گیا تھا اور ان کے سٹاف کے دو ممبر مر چکے تھے۔ اور سب سے خاص بات تھی یہ سب کرنے والا سب کی آنکھوں سے غائب تھا۔ اس علاقے کے ایس پی نے آس پاس کے لوگوں سے پوچھتاچ کی لیکن وہاں کے لوگوں نے انہیں بتایا کہ ایسا تو اس رات وہاں چیخنے چلانے کی کوئی آواز نہیں آئی بلکہ ہاسپٹل کے اندر بھی دیگر سٹاک نے یہی کہا کہ اس نرس اور ڈاکٹر کی چیخنے چلانے کی کوئی آواز نہیں آئی۔ دھماکے کی آواز بھی کئی دیر بعد پوری

انونٹری جلنے کے بعد آئی یہ تھوڑا عجیب تھا۔ اسی لیے اس بات کو کوئی ہضم نہیں کر پا رہا تھا۔ اے ایس پی نے ہاسپٹل میں لوگوں سے پوچھتاچ کی کہ کیا کسی نے کوئی غلطی سے سیکرٹ یا کوئی آگ کی چنگاری وہاں چھوڑ دی ہو مگر مریضوں نے بھی صاف انکار کر دیا پولیس کے لیے کیس کسی بھول بھولیا کی مانند ہو گیا تھا۔

رمشا کی حالت میں تھوڑی بہتری آئی تھی۔ رحیم نے کسی آدمی کو بھیج کر رمشا کو ڈریم ہاسپٹل میں ایڈمٹ کروایا تھا اور خوشی بھی اسی کے ساتھ تھی۔ گھر میں بس باقی لڑکیاں تھیں سمیرا اور روشنی اپنی باقی بہنوں کو اسکول بھیج کر گھر کی صفائی میں مصروف ہو گئی۔ سمبل تو اپنے استاد کے پاس چلی گئی مگر اس کی شکل میں شیطان کا ایک ساتھی اسکول پہنچا تاکہ کسی

کو کوئی شک نہ ہو۔ شیطانوں کے لیے یہ بہت آسان ہے یہ ہماری شکل اختیار کر کے رشتوں میں دراڑ ڈالتے ہیں فساد کرتے ہیں یہ صرف انسانوں کی ہی نہیں بلکہ کئی جانوروں کی شکل اختیار کر کے انسانی مخلوق کو نقصان پہنچانے کی پوری پوری کوشش کرتے ہیں۔ سمیہ اور مصباح آج ایک ساتھ مصباح کے اسکول گئے ہوئے تھے پڑھائی کے لیے نہیں بلکہ رگھوناتھ کو خوف کا ایک اور ڈوز دینے کے لیے۔ صبور اپنی جیب میں کینڈیز کا خزانہ بھرے اپنے اسکول کے گراؤنڈ میں تمام بچوں کو کھیلتا ہوا دیکھ کر بدمزہ ہو رہی تھی۔ اس نے آج دو چوٹیاں ڈالی ہوئی تھی اور اس کے یونیفارم میں سالن کا داغ لگ گیا تھا وہ بے زارگی سے کلاس میں آ کر اپنی آخری بینچ پر بیٹھ گئی۔ نہ اسے کسی کو سلام کرنے میں کوئی دلچسپی تھی نہ کسی کو دوست بنانے میں۔ اس کی دلچسپی بس لڑائی جھگڑے کو دیکھنے میں ہوتی

حالانکہ وہ یہ خود بھی کرتی تھی اس کے لیے بہت آسان تھا لڑائی کرنا بھی اور کروانا بھی۔ اس نے دل ہی دل میں وہاں آتے ہی بہت دعا کی کہ کوئی لڑائی ہو جائے لیکن ایسا کچھ نہیں ہوا۔

ہاسپٹل کے وی آئی پی روم میں سفید چادر کے بیڈ پر لیٹی ہوئی رمشا کا چیک اپ ایک مشہور ڈاکٹر، ڈاکٹر عاصف کر رہے تھے سفید کوٹ پر ان کے نام کا پلیٹ آنکھوں پر ٹرانسپرینٹ چسمہ۔ وہ ایک ایک جانکاری برابر کھڑی نرس کو دے رہا تھا اور نرس اس کو لکھ رہی تھی۔ بیڈ کے پاس کرسی پر بیٹھی خوشی اپنی بیٹی کے بالوں میں ہاتھ سی ہلا رہی تھی۔ "آپ فکر نہ کریں ہم نے کڈنی کا انتظام کر دیا ہے آپ کے ہسبینڈ نے کوئی کمی نہیں چھوڑی" ڈاکٹر عاصف خوشی کو تسلی دیتے ہوئے بولا۔ "شکریہ ڈاکٹر" خوشی اپنے آنسوں

پونچھتے ہوئے کہاڈاکٹر نرس کے ساتھ باہر چلا گیا۔ رمشا سوئی ہوئی تھی۔
خوشی اپنی بیٹی کو دیکھ کر مطمئن اور پر سکون ہوئی۔

مصباح اپنی کلاس میں چلی گئی مگر سمیہ پچھلی بار کی طرح پیچھے سے اسٹاف روم میں کھڑکی پھلانگ کر کے اندر داخل ہوئی۔ اس نے اپنے ہاتھ جھٹرکتے ہوئے آگے قدم بڑھایا اور رگھوناتھ کی جگہ آکر کھڑی ہو گئی۔ اس کے چہرے پر ایک شاطرانہ مسکراہٹ آئی اس نے رگھوناتھ کا کھانے کا ڈبہ نکالا اور اس میں اپنی جیب سے نکال کر لوز موشن کی دوا ملادی۔ اور جلد جلد ڈبہ بند کر دیا اور واپس چلی گئی۔ اور باہر کی دیوار پھلانگ کر فرار ہو گئی نہ اسے واچ مین نے دیکھا نہ کسی اور نے۔

کھانے کے وقت سب بکریوں کی طرح کلاس سے باہر آئے۔اس شانت اسکول میں اب مچھی مارکیٹ لگائی گئی تھی۔سب بچے پورے گراونڈ میں گروپ کی شکل میں جگہ جگہ بیٹھے ہوئے تھے۔تمام استاد اپنی اپنی کتابیں لے کر اسٹاف روم کی طرف چل پڑے۔سب استاد ہنسی خوشی اسٹاف روم میں داخل ہوئے۔سب لوگ سنک میں ہاتھ دھو کر کھانے بیٹھ گئے۔ کھانے کی خوشبو ایک دم سے سارے کمرے میں پھیل گئی۔رگھوناتھ نے روٹی کا نوالہ توڑ کر دال میں ڈوبویا اور پہلا لقمہ لیا۔اسے کچھ احساس نہیں ہوا وہ یوں ہی ہستے ہساتے کھانا کھا رہا تھا۔۔کھانے کے بعد وہ کچھ دیر یو نہی بیٹھے بات کر رہے تھے۔کلاس کی بیل بجی تو سب بچے کلاس کے اندر چلے گئے۔رگھوناتھ بھی اپنی سائنس کی کتاب لے کر کلاس میں داخل ہوا آتے ہی اس کی نظر مصباح پر پڑی جو اسے گھور رہی تھی اور ساتھ ہی ساتھ مسکرا

رہی تھی اس کی مسکراہٹ سے رگھوناتھ کو ڈر لگا اس نے سب بچوں کو کتابیں کھولنے کے لیے کہا اور پڑھانا سٹارٹ کر دیا۔ درمیان میں اسے اپنے پیٹ سے گڑ گڑ کی آواز آئی اس نے اور تمام بچوں نے ایک ساتھ اس کے پیٹ کی طرف دیکھا۔ رگھوناتھ نے آواز کو نظر انداز کر کے دوبارہ پڑھانا شروع کیا۔ دو تین منٹ کے بعد آواز پھر سے آئی۔ اور ساتھ ہی اس کے پیٹ میں درد شروع ہونے لگا اس کتاب ٹیبل پر رکھ کر اپنے پیٹ پر ہاتھ پھیرا اور بھاگ کر کلاس کے باہر چلا گیا۔ اس کے جاتے ہی سب بچے ایک ساتھ ہسنے لگے۔

سنبل اور اسکا استاد آگ کے سامنے بیٹھے پوجا کر رہے تھے۔ اس دائرے میں آج تارا بنا ہوا تھا اور اس کے درمیان ایک عورت کی تصویر تھی۔

سنبل اور وہ شخص اس عورت پر کالا جادو کر رہے تھے۔ سنبل آگ میں اس عورت کا نام لے کر کچھ ڈال رہی تھی۔ آگ ایک دم سے بھڑک رہی تھی مگر سنبل بے خوف وہ کر رہی تھی پیچھے شیطان کا مجسمہ اپنی شاگردہ کو دیکھ کر مسکرا رہا تھا۔ وہ اپنے ہاتھ میں کالے کپڑے کی گڑیا لے کر اس پر کالی تیز دھار لمبی لمبی سوئیاں چبھانے لگی اسی کے ساتھ اس کو اس عورت کی چیخنے کی آواز آ رہی تھی۔

اس کے اعطراف اس کے شوہر کی جو اسے سنبھالنے کی کوشش کر رہا تھا مگر وہ پریگنیٹ عورت اپنا 9 مہینے کا پیٹ لے کر زمین پر پیر رگڑ رگڑ کر رو رہی تھی۔ ان آگ کی لپٹوں میں وہ منظر صاف دیکھ پا رہی تھی۔ اس نے اس پتلے پر کچھ رنگ ڈالے سرخ زرد -اس عورت کے منہ سے خون نکلنے لگا۔ سنبل آہستہ سے مسکرائی اس نے وہ گڑیا آگ میں ڈال دی وہ عورت کی

ناک سے اب خون آرہا تھا اسکا شوہر بے بسی سے اپنی بیوی کو گود میں لے کر ہاسپٹل کے لیے گھر سے نکلا اس کے آنسوں اس کی بیوی کے آنسوؤں میں مل رہے تھے۔ آدمی نے اپنی بیوی کو کار میں سلایا اور خود گاڑی چلانے لگا وہ جتنا تیز چلا سکتا تھا اس نے اتنا تیز چلایا۔ لیکن آدھے راستے میں اس کی موت ہو گئی۔ مگر پھر بھی وہ آدمی اسے اسپتال لے آیا مگر ڈاکٹر نے اس سے کہا کہ بچہ اور ماں دونوں مر گئے ہیں وہ زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھا چیخ چیخ کر رونے لگا۔ سنبل نے سکون کی سانس لی اور اپنی جگہ سے اٹھی۔ "واہ رے واہ تو نے ایک ہی بار میں کر دکھایا" اس نے سنبل کے کاندھے تھپتھپاتے ہوئے کہا۔ سنبل نے کوئی جواب نہیں دیا وہ پانی پی کر اپنا حلیہ درست کرنے لگی۔ "کل آؤں گی" اس نے غفہ سے نکلتے ہوئے بلند آواز میں کہا۔ وہ چلی گئی تو اسکا استاد شیطان کے مجسمہ کے سامنے کھڑا ہو کر سنبل کی تعریف

کرنے لگا۔ سنبل نے جاتے ہوئے اپنے استاد سے کچھ انگوٹھیاں لے لی تھی ۔اس نے کہا تھا کہ وہ یہ اپنی ماں کو پہنائے گی۔اب وہ مکمل طور پر شیطان بن چکی تھی۔ بچپن کے کورے کاغذوں پر اس نے تارے اور کالا جادو لکھا تھا۔

ایک کیفے کا اونر اپنے کیبن میں بیٹھا اپنی ملکیت کا آنکھوں سے دورہ کر رہا تھا۔دو ملازم ٹیبل صاف کر رہے تھے کچھ آرڈر لے رہے تھے کچھ آرڈر دے رہے تھے۔ کیش کاؤنٹر پر کھڑی کالی ٹی شرٹ میں مسکرا کر بل بتا رہی تھی۔ مرکزی دروازے پر لگے جگمگاتے ستارے اور ان کے دائیں طرف

بیٹھا رہا وہ ایک لڑتا ہوا کپل۔ آدمی اپنا غصہ قابو کرتے ہوئے سامنے بیٹھی زرد لباس میں ملبوس لڑکی کی باتیں سن رہا تھا۔ لڑکے کی داڑھی بڑی ہوئی تھی اور چہرے پر تھکاوٹ وہ بیزاری تھی۔ گلے میں لٹکتا تعویذ ہاتھ میں سرخ مندر کے دھاگے۔ "تم نے مجھ سے پیار کیا ہے یا میرے پیسوں سے "آخر کار آدمی نے بولا. اس کے بات پر لڑکی نے طنزیہ طور پر اس کے لیے تالیاں بجائی۔ ریسٹورنٹ میں بیٹھے لوگ ان دونوں کی طرف متوجہ ہوئے۔ "پیسے.... اف تمہاری غلط فہمی. تم کہیں کہ رانا پرتاب نہیں ہو جو تمہارے پیسوں پر مروں گی "لڑکی نے دانت چباتے ہوئے آدمی کی طرف جھک کر کہا. آدمی نے چاروں طرف دیکھا ہر نظر اس پر تھی.
"تمہاری جاب چلی گئی تمہارا بزنس ختم ہو گیا تم ایک دماغی مریض بن گئے اب میں تمہارا اچھا سوچ رہی ہوں تو تم مجھے گولڈ گر کہہ رہے ہو" وہ بے

یقینی سے ایک ایک لفظ چبا چبا کر بول رہی تھی اور سامنے کھڑا شخص اسے ترش نگاہوں سے دیکھ رہا تھا. "میں دماغی مریض نہیں ہوں"

"تم ہو... تم کہتے ہو کہ تمہیں کوئی نظر آتا ہے, بلاتا ہے تم ایک جگہ جانا چاہتے ہو پہنچ دوسری جگہ جاتے ہو" وہ لڑکی باتوں سے کم ہاتھوں سے زیادہ بات کر رہی تھی اس کا چہرہ غصے کی وجہ سے سرخ ہو چکا تھا اس کے جوڑے میں بندھے بال اس کی مسلسل حرکت کی وجہ سے کھل کر اس کے کاندھے پر لہرا رہے تھے. لوگوں کے درمیان سرگوشیاں شروع ہو گئی تھی کچھ لوگ اس کی ویڈیوز بنانے لگے. ایک سرونٹ ان کے پاس آیا" میڈم، سر آپ کی وجہ سے ہمارے باقی کسٹمرز ڈسٹرب ہو رہے ہیں آپ یہاں سے چلے جائیں" اس سرونٹ نے بڑے ہی نرمی اور سلجھے ہوئے انداز میں کہا۔ ملازم کے کہنے کی دیر تھی لڑکی نے اپنے والٹ سے بل کے پیسے نکالے اور

ٹیبل پر زور سے رکھ دیے اور پیر پر ٹکتے ہوئے وہاں سے چلی گئ۔ آدمی نے تمام لوگوں سے معذرت کی اور وہ بھی اس کے پیچھے چلا گیا جب وہ باہر آیا تو وہ جا چکی تھی۔ 'جے پور راجستھان' باہر آتے ہی اس نے بل بورڈ پر راجستھان کا ویڈیو دیکھا وہ کسی ٹورزم کا ویڈیو چل رہا تھا. وہ گردن جھکائے چلنے لگا. فٹ پاٹ پر صرف وہ تنہا تھا روڈ پر بھی گاڑیاں نہ کے برابر تھیں۔ اور سڑک کے اس پار ایک بچہ سائیکل چلا رہا تھا. اس نے زندگی میں اتنی بے عزتی کبھی نہیں سہی تھی وہ اس عورت کے کہنے پر سائیکرائٹس کے پاس جا رہا تھا مگر کوئی تبدیلی نہیں آ رہی تھی تو اس نے جانا چھوڑ دیا۔ اس کے ماں باپ بھائی بہن بھابھی سب ایک کار ایکسیڈنٹ میں مر گئے۔ اسے عجیب چیزیں دکھائی دینے لگی اسے دماغی مریض قرار دیا گیا اسے بھری محفلوں میں ذلیل کیا جانے لگا وہ پس منندی کی حد پر تھا. وہ خالی دماغ سے

گردن جھکائے بس چلتا رہا اس کی نظروں میں صرف زمین تھی۔ آس پاس کا منظر اس نے دیکھنے کی تکلیف نہیں کی تھی۔ وہ جانا تو اپنے گھر جاتا تھا لیکن پہنچ قبرستان گیا تھا۔ اسے یہ علم ہی نہیں ہوا کہ وہ ایک قبرستان میں ایک انجان قبر کے پاس بینچ پر آکر بیٹھا ہے۔ ایک درخت کے نیچے وہ بیٹا گمنام تھا۔ قبروں پر گلاب تھے تو ان کے اعتراف گل نرگس۔ وہ ہوش میں تب آیا جب اس کے سامنے پاگل فقیر آکر چلانے لگا۔ اس نے چونک کر چاروں طرف دیکھا پھر اس بھکاری کو۔ وہ فورا کھڑا ہو گیا اس کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا اس کے پیر کانپنے لگے۔ "تو صحیح ہے وہی ہے جو تو دیکھتا ہے" بھکاری بار بار اس سے یہی کہہ رہا تھا وہ اس کی باتیں سن کر اپنے بالوں اور چہرے کو بری طرح نوچ رہا تھا. اس کی دماغ کی رگیں پھٹ رہی تھی اسے کسی کے چلانے کی آوازیں آرہی تھی "وہ تجھے مار دے گی, وہ تجھے مار دے

گی" بھکاری اپنے دھن میں اس سے کہہ رہا تھا. وہ آدمی دھیرے دھیرے اپنے حواس کھو بیٹھا اور زمین پر گر گیا. دور کہیں سے بھکاری کے ہسنے اور تالی بجانے کی آواز آرہی تھی۔ آہستہ آہستہ اس کے آگے اندھیرا چھانے لگا اور اس کی انکھیں بند ہو گئی۔

ایک ویران اور سنسان جگہ پر کھڑا تھا، جہاں ہر طرف دھند چھائی ہوئی تھی۔ اچانک، دھند میں سے ایک مانوس مگر بھیانک سایہ ابھرا—وہی شخص، جسے اس نے دھوکہ دیا تھا۔ اس کی آنکھوں میں درد، چہرے پر غصہ، اور وجود میں ایک ایسی وحشت تھی جو سیدھا اس کی روح میں اتر گئی۔

"تمہیں لگا تھا کہ سب بھول جاؤں گی؟" وہ سایہ سرگوشی میں بولی، لیکن اس کی آواز گرج کی طرح گونجی۔

وہ پیچھے ہٹنے لگا، مگر زمین نے جیسے اس کے قدم جکڑ لیے۔ سایہ قریب آتا گیا، اور اچانک اس کے چہرے پر وہی تکلیف نمودار ہوئی، جو اس نے اپنے دھوکے سے کسی اور کو دی تھی۔ اس کی اپنی چیخیں گونجنے لگیں، مگر کوئی سننے والا نہیں تھا۔

اچانک، سایہ ہنسا—ایک سرد، زہریلی ہنسی—اور بولا، "دھوکہ دینے والا کبھی سکون سے نہیں جی سکتا!"

ایک جھٹکے سے وہ بستر سے اٹھ بیٹھا، ماتھے پر پسینہ، سانس بے ترتیب، اور دل وحشیانہ انداز میں دھڑک رہا تھا۔ وہ خواب نہیں تھا، وہ اس کے ضمیر کی چیخ تھی، جو اسے ہر رات سنائی دینے لگی تھی...

اسے جب ہوش آیا تو وہ ہسپتال کے بیڈ پر لیٹا ہوا تھا۔ اس کے ماتھے پر بینڈ تج اور اس کے ہاتھ میں گلوکوز کے ڈرپ لگی ہوئی تھی۔ بیڈ کے ایک طرف وہی لڑکی جس سے وہ لڑ کر آیا تھا ڈاکٹر سے بات کر رہی تھی۔ ایک یاداشت کا حصہ اس کے ذہن سے غائب تھا۔ اس نے آہستہ سے اس لڑکی کو آواز دی۔ "سنجنا" اس نے مدھم لہجے میں لمبے بالوں والے لڑکی کو آواز دی سنجنا فورا اس کی طرف متوجہ ہوئے اور فکر مندی اس کے چہرے اور بالوں کو چھونے لگی۔ "تم ٹھیک ہو" وہ کچھ گھنٹوں پہلے والی لڑکی نہیں تھی

۔اسکا نرم لہجہ، دل سے جگی فکر، اور اسکا محبت بھرا لمس۔ڈاکٹر نے سنجنا کے کے ہاتھ میں کچھ دوائیاں لکھ کر پکڑا دی اور چلا گیا۔ سنجنا اس کے بازو میں کرسی کھینچ کر بیٹھ گئ۔ "میں یہاں کیسے پہنچا" اس نے آہستہ اور دھیمے میں لہجے میں سامنے بیٹھی لڑکی سے دریافت کرنا چاہا۔ سنجنا نے اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور کہنا شروع کیا. "جب میں گھر پہنچی تو مجھے تمہارے فون سے کال آئی کوئی آدمی تھا اس نے کہا کہ تم قبرستان میں بے ہوش پڑے ہوئے ہو اور تمہارے فون میں میرا آخری کال تھا تو اس نے مجھے کال کر کے آنے کے لیے کہا. وہ سانس لینے کے لیے رکی. "جب میں نے سنا تو میں بھاگ کر تمہارے پاس آئی آئم سوری رونق مجھے تمہارے ساتھ ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا آئم ریلی سوری" وہ ندامت سے روتی ہوئی بولی. رونق نے اسے مسکرا کر دیکھا اس کی مسکان دیکھ کر وہ چپ ہو

گئی. "مجھے وہ چھوڑ کیوں نہیں دیتی سنجو مجھے وہ ہر جگہ دکھائی دیتی ہے۔
رونق نے روہانسی سے آواز میں کہا۔اس کی آنکھوں میں نمی دیکھ کر سنجنا
نے اسے فوراً گلے سے لگا لیا۔اس سے الگ ہو کر وہ اندازہ لگا سکتی تھی کہ وہ
کتنا مجبور ہے۔اٹس اوکے رونق ہم کوئی حل نکال لیں گے "اس نے تسلی
دینے والے انداز میں کہا. اپنے رومال سے اس نے اسکے کے آنسوں کو پونچا
"میرے پاس صرف تم ہو مجھے مت چھوڑنا سنجو "التجا گزارش منت تھی جو
اس کے آنسوؤں کے ساتھ بہہ رہی تھی. "میں غصہ کروں گی ناراض بھی
ہو جاؤں گی مگر چھوڑوں گی نہیں "اس نے اسے انداز میں نمی کے ساتھ
کہا. وقت نے ان دونوں کو ایک ٹپیکل کپل بنا دیا تھا بریک اپ پیچ اپ لڑنا
پھر ملنا یہ ہمیشہ سے تھا۔

ایک خواب تھا جو دیوان کو ستا رہا تھا ایک حقیقت تھی جو اس کی دشمن تھی۔ راتوں کی حرام ہو گئی تھی۔ خود کو مصروفیت کا عادی بنا لیا تھا۔ دوپہر کی کڑکتی دھوپ میں عادت کے بر خلاف دیوان آج گھر پر تھا اور ریوان کام پر ۔ دوپہر کے کھانے کے بعد ریشمی اس کے پیر دبا رہی تھی۔ وہ سفید لباس میں تھا جو وہ صرف گھر میں پہنا کرتا۔ "آپ مجھ سے ابھی بھی ناراض ہیں" ریشمی نے کمرے میں پھیلی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا۔ کمرہ بہت زیادہ روشن تھا باہر سے آنے والی روشنی کمرے کو مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔ دیوان نے گردن اٹھا کر اسے دیکھا۔ اور ہلکا سا مسکرایا۔ "تیرے لیے میں نے سب سے لڑائی کر لی کیا تجھ سے ناراض ہو سکتا ہوں" اس کے جواب پر ریشمی اسے بے یقینی سے دیکھنے لگی اتنے سالوں بعد اس نے اس سے اتنے نرم لہجے میں بات کی تھی۔ دیوان نے اپنے پیر واپس لے لیے اور ادب سے

اس کے سامنے بیٹھ گیا۔ ریشمی نے اس کی آنکھوں میں دیکھا۔ ''تو غلطیاں کرنا چھوڑ دے پھر مجھ پر تیری حکومت ہو گی مانا کہ تو ایک غریب خاندان سے آئی ہے لیکن اب تو اس حویلی کی بڑی بہو ہے اپنا عہدہ بنا اور اسے سنبھال'' وہ بے حد سنجیدہ گی مگر نرم لہجے میں اسے ہدایت نصیحت کر رہا تھا اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ اسنے کبھی بھی اپنے کنور سا کی باتوں کا برا ماننا سیکھا ہی نہیں تھا۔ اتنے دنوں بعد دیوان نے اسے اپنے گلے لگایا تھا۔ ریشمی کو شدت کی دھوپ میں بھی ٹھنڈک کا احساس ہوا۔ حویلی کی دیواریں خاموش تھی ہال میں صوفے اور کرسیوں پر تنہائیوں کی محفل سجی ہوئی تھی۔ دشا اپنے بچوں سے ملنے رام پور گئی ہوئی تھی اور کستوری دیوی بھی اسی کے ساتھ گئی ہوئی تھی۔ تمام ملازم اپنا اپنا کام ختم کر کے آرام کر رہے تھے۔ حویلی بالکل سنسان تھی۔

ریوان آج کسی کام کے سلسلے میں ریگستان کی طرف آیا ہوا تھا۔ وہ اور اس کے ساتھ کچھ لوگ تھے دراصل وہ زمین پرتاب کی تھی اور آئے ہوئے لوگ اس زمین پر کام کرنا چاہ رہے تھے حالانکہ ریوران نے انہیں کافی سمجھایا کہ وہاں کوئی کام نہیں کیا جا سکتا لیکن ان کی ضد پر کستوری دیوی نے ریوان کو ان لوگوں کے ساتھ بھیج دیا۔ وہ ان کو وہاں کا علاقہ دکھا رہا تھا۔ اس نے ریت میں قدم رکھا۔ ریت سے اترتا اسکا احساس سارے ریگستان کی زیر زمین میں پھیل گیا۔ "آپ یہاں کیا کام کریں گے" ریوان ان لوگوں کو مخاطب کرتے ہوئے بولا۔ "کھدائی۔ ہمیں شک کہ اس جگہ کوئی قیمتی چیز قید ہے" ان لوگوں میں ایک نے کہا۔ "لاشیں ہی ملیں گی آپ کو "ریوان کی بات پر وہ لوگ چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "اب

ریگستان میں یہی قید ہوتا ہے" ریوان نے کندھے اچکا کر کہا۔ وہ لوگ خاموش ہو گئے۔ اتنے میں ہی وہاں ایک طوفان آیا۔ ریت ان سب کی آنکھوں میں آنے لگی۔ "جلدی چلو یہاں سے" ریوان ان لوگوں کو لے کر وہاں سے بھاگا۔ وہ بھاگ کر راستے پر آئے۔ ڈرائیور نے ان سب کو پانی دیا۔ بھاگنے کی وجہ سے ان سب کا سانس پھول رہا تھا۔ انہوں نے ایک سانس میں پانی پیا۔ "اب بھی کام کرنا چاہتے ہیں" ریوان نے کچھ دیر بعد کہا ان لوگوں نے فوراً نفی میں سر ہلایا اور ریوان سے معذرت کر کے وہاں سے برق رفتاری سے غائب ہو گئے۔ ان کے جانے کے بعد ریوان نے ڈرائیور سے مخاطب ہو کر کہا "لاتوں کے بھوت باتوں سے نہیں مانتے۔ ان سے کتنی بار کہا کہ یہاں کام کرنا ناممکن ہے اور یہ یہاں کسی قیمتی چیز کو ڈھونڈنے آئے تھے جو اس ریگستان میں قید ہے" وہ طنز کرتا ہوا کار میں

بیٹھا. پیسنجر سیٹ پر بیٹھے وہ کھڑ کی سے باہر ریگستان کو دیکھنے لگا. ریت میں دھساں وہ کھنڈر نما گھر کسی کے بھی رونگٹے کھڑے کر سکتا تھا۔ ریوان کے جسم میں موجود ہر بال کھڑا ہو گیا تھا اس کا ذہن سند ہو گیا تھا۔ وہ اپنا رخ بدل نہیں پایا جب تک کار اس راستے پر رہی تھی اس نے اپنی نظروں کا سفر روک دیا تھا۔ ڈرائیور نے کار دائیں طرف موڑی تو ریگستان اس کی آنکھوں کے سامنے غائب ہو گیا۔ ایک ہوا سی اس کے کانوں میں آئی۔ ہوا میں موجود آواز وہ بہت آسانی سے سن اور سمجھ سکتا تھا۔ اس نے ونڈو بند کر دی اور سامنے دیکھنے لگا۔

رانا خاندان کی وہ پرانی حویلی، جو کبھی راجستھان کی شان ہوا کرتی تھی، اب وقت کے بے رحم تھپیڑوں کا شکار ہو چکی تھی۔ ایک زمانہ تھا جب اس کے

بلند و بالا دروازے، سنگ مرمر کے ستون، اور وسیع آنگن شاہی جاہ و جلال کی گواہی دیتے تھے، مگر اب در و دیوار پر ویرانی کا راج تھا۔

حویلی کے مرکزی دروازے پر لگا لوہے کا بڑا کواڑ زنگ آلود ہو چکا تھا، اس پر کندہ نفیس نقوش اب مدھم پڑ چکے تھے۔ اندر داخل ہوتے ہی دالان میں شکستہ جھاڑ فانوس لٹک رہا تھا، جس کی شیشے کی پتیاں وقت کے گرد میں چھپ چکی تھیں۔ فرش پر کہیں کہیں پرانی راجستھانی ٹائلیں نظر آتی تھیں، جو اب ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔

لمبے برآمدے، جہاں کبھی ریشمی پردے لہراتے اور شہزادیوں کے ناز و انداز بکھرتے، اب سنسان پڑے تھے۔ در و دیوار پر پرانی تصویریں لٹک

رہی تھیں، جن میں رانا خاندان کے شاندار ماضی کی جھلک تھی — کسی میں رانا صاحب اپنے گھوڑے پر سوار نظر آتے، تو کسی میں راجستھانی لباس میں سجی ہوئی رانی اور راج کماریوں کی تصویریں۔

حویلی کے باغیچے، جہاں کبھی خوشبو بکھیرتے پھول کھلا کرتے تھے، اب سوکھ چکے تھے۔ فوارے، جو کبھی پانی کی مدھر موسیقی بکھیرتے تھے، اب خاموش کھڑے تھے۔

حویلی کی سب سے پرانی اور پراسرار جگہ اس کا تہہ خانہ تھا، جہاں کے دروازے پر ابھی بھی ایک بڑا تالہ لگا تھا۔ کہتے ہیں، وہاں کئی راز دفن

ہیں——شاید وہ خزانے، جو حملہ آوروں سے چھپائے گئے، یا وہ کہانیاں جو رانا خاندان کے زوال کا سبب بنیں۔

یہ حویلی اب صرف ایک ماضی کی یادگار تھی، جو ہر آتی جاتی ہوا کے جھونکے کے ساتھ اپنے کھنڈر ہونے کا نوحہ سناتی، اور گزرے وقت کی عظمت کو حسرت بھری نظر سے دیکھتی تھی۔

ریوان کھانا کھانے کی بجائے اپنی کسی بند حویلی کی طرف آیا۔ڈرائیور نے کار حویلی کے سامنے روکی وہ حویلی بہت پرانی اور خستہ حالت میں تھی۔ گیٹ پر واچ مین پہرا دے رہا تھا۔اندر داخل ہوتے ہی باہر سے حویلی کی دیواروں پر ریوان نے نظر دوڑائی۔ حویلی کی دیواریں کبھی بھی گر سکتی تھی

اوراس کی کھڑکیوں کے کانچ پھوٹ گئے تھے شاید بچوں نے بال سے یا پتھر سے مار کرانہیں پھوڑے تھے۔حویلی کا مرکزی دروازہ قیمتی اور مضبوط ہونے کی وجہ سے ویسے کا ویسا تھا۔مگر پوری حویلی کسی بھوتیا کھنڈر کی مانند ہوگئی تھی جس میں اگر کوئی بھوت نہ بھی ہو تو انسان جانے سے کترائے۔

حویلی کے چاروں طرف باؤنڈریز پر کانچ لگائے گئے تھے اور حویلی کے اعتراف لگائے گئے پیڑ مر چکے تھے اور ان کے پتے ساری حویلی میں کچرے کی مانند پھیلے ہوئے تھے۔ریوان نے واچ مین کو بلند آواز میں بلایا واچ مین ایک بوڑھا شخص تھا نیلے لباس میں سر پر کالی ٹوپی رکھی ہاتھ میں لکڑی پکڑے اسے دیکھ رہا تھا" کوئی آیا تھا اسے دیکھنے کے لیے "

"نہیں چھوٹے صاحب یہاں پہ تو کوئی بھی نہیں آتا نہ پرندہ نہ جانور میں ہی رہتا ہوں جی دن بھر مالکن نے کہا کہ رات میں چلے جاؤ تو رات کو چلا جاتا

ہوں ویسے بھی اس کھنڈر میں کون ہی آئے گا" دیوان کے مقابل ریوان ایک نرم طبیعت کا مالک تھا اسی لیے کستوری دیوی کے سلطنت کے ملازم ریوان سے اچھے سے اور بے دھڑک بات کیا کرتے تھے لیکن کبھی بھی ان باتوں میں اپنی اوقات نہیں بھولا کرتے تھے۔ سامنے کھڑا ہوا سادہ لباس میں شخص اچاروں طرف دیکھنے لگا خستہ دیواروں پر کوئلے سے لیلا مجنوں کی داستانیں لکھی گئی تھی۔ ہندوستان میں یہ عام ہے جہاں پتھر لاوارث ملا وہیں ایک عشق کی داستان لکھی جاتی ہے۔ ریوان نے واچ مین کو واپس جانے کے لیے کہا۔ لکڑی پکڑ کر واپس آہستہ آہستہ قدم لے کر چلا گیا اور اپنی کرسی پر جا کر بیٹھ گیا۔ ریوان نے پلٹ کر اسے دیکھا وہ بہت آہستہ ارام سے اپنی کرسی پر بیٹھ رہا تھا۔ کرسی کے بازو میں نیلے رنگ کی پانی کی بوتل تھی اور بائیں طرف اس کا کھانے کا ڈبہ "کیا ماں جی نے کبھی اس حویلی کو

بیچنے کی بات کی" ریوان ڈرائیور سے مخاطب ہوا کیونکہ وہ ڈرائیور کستوری دیوی کا خاص ملازم تھا جو انہیں جہاں مرضی چاہے لے جایا کرتا۔ ڈرائیور نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے ریوان کو بغور دیکھا" ہاں چھوٹے صاحب بہت لوگوں نے اس حویلی کو تصویر میں دیکھ کر ہی منع کر دیا کیونکہ یہ کھنڈر سی بڑی خوفناک لگتی ہے مالکن نے اس کو گرا کر بیچنے کا سوچا تھا" ڈرائیور جتنا جانتا تھا اور سنا تھا سب ریوان کو بتا دیا کیونکہ ریوان کے پاس راز محفوظ رہتے تھے۔

پولیس سٹیشن میں بیٹھا عیسی بہت پریشان اور الجھا ہوا تھا۔ اس کی اعطراف فائلوں کا انبار تھا۔ ہر فائل میں ایک ادھوری کہانی تھی جسے نہ کسی نے پورا کرنے کی کوشش کی نہ ہی بند کرنے کی۔ پولیس اسٹیشن کا سارا اسٹاف

پرانے گڑے مردوں کو تلاش رہا تھا۔ عیسی نے ایک ٹیم گورنمنٹ ہاسپٹل کی طرف نظر رکھنے کے لیے بھیجی تھی اور ایک ٹیم گورنمنٹ اسکول کی طرف جہاں کچھ دن پہلے وہ گیا تھا۔ اس نے ایک خاص جگہ کو مارک کر کے کہا کہ یہاں کھدائی کر کے دیکھو۔ اس نے لیپ ٹاپ کھولا اور گورنمنٹ ہاسپٹل کے خلاف جو ایف ائی آر لکھائی گئی تھی ان کو اوپن کیا۔ وہ دو کیسز ڈاکٹر لوکیش اور نرس نرملا کی خاندان نے کیے تھے۔ وجہ لکھی گئی تھی کہ ان دونوں کی آگ میں جلنے سے موت ہو گئی یہ سننے میں تھوڑا عجیب تھا کہ آگ کی وجہ اتنے سالوں بعد میں معلوم نہیں پڑھی تھی۔ ہاسپٹل کا سنگل فرد بھی اس بات سے واقف نہیں تھا۔ اس نے بڑے غور سے ڈاکٹر لوکیش اور نرس نرملا کی تصویروں کو دیکھا۔ عیسی نے نرملا کے ہاتھ میں ایک قیمتی سونے کا بریسلٹ دیکھا جو اس کی موت کے وقت اس کے ہاتھ میں موجود

تھا اور آگ سے بچ گیا تھا۔ عیسی نے نرملا کی بیک گراؤنڈ ہسٹری نکالی۔ نرملا ایک ون بی ایچ کے اپارٹمنٹ میں اپنے شوہر ایک بیٹا اور ساس سسر کے ساتھ رہا کرتی تھی۔ وہ ایک غریبی کی شکار تھی۔ دن بھر ماری ماری ہاسپٹل میں کام کرتی لیکن اسے اتنی تنخواہ نہیں دی جاتی تھی جتنی اس کی ضرورتیں تھی۔ عیسی کو یہ حیرانی ہوئی کہ جب اس کی مالی حالات اتنے خراب ہے تو یہ اتنا قیمتی بریسلٹ کیسے افورڈ کر سکتی ہے۔ اسے ایک ہنٹ ملا۔ اس نے اب ڈاکٹر لوکیش کی بیک گراؤنڈ ہسٹری نکالی اور اسٹیشن کی فائل میں اس کی جانکاری کچھ یوں تھی کہ وہ ایک امیر خاندان کا بیٹا تھا جو شادی شدہ تھا اور اس کی دو اولاد تھی بیوی کسی کالج میں پروفیسر تھی اور وہ ایک ریسیڈنشیل ڈاکٹر تھا جس کی اچھی خاصی سیلری تھی۔ عیسی نے حوالدار کو آواز دی۔ حوالدار اجازت لیتا ہوا اندر داخل ہوا۔ عیسی نے گردن اٹھائے بغیر انگلیوں

کی حرکت کو روکے بغیر اس سے کہا "ڈاکٹر لوکیش اور اس نرملا کی کال ہسٹری نکلوا اگر ان دونوں میں کوئی مسلسل بات ہو رہی ہو تو اس کو سرکل کر کے میرے کیبن میں لاؤ" حوالدار اپنا حکم سن کر واپس چلا گیا۔ اس کے بعد اے ایس پی کو بلایا اے ایس پی اندر اجازت لیتا ہوا داخل ہوا اور اجازت لے کر عیسی کے مقابل بیٹھ گیا۔ عیسی نے لیپ ٹاپ بند کر کے اسے بغور دیکھتے ہوئے کہا ہے "جو انونٹری اس آگ میں جلی تھی کیا تم نے اس کا ریکارڈ نکالا تھا وہ کس برانڈ کی تھی کس کمپنی سے آئی تھی اس پر کتنا پیسہ خرچ ہوا تھا" اے ایس پی نے اپنا تھوک نگلا۔ "جی سر دیوان سر نی اس کیس کو کلوز کرنے کے لیے کہا تھا اسی لیے کوئی رپورٹ یا اس کی جان کاری درج نہیں کی گئی" ایس پی نے آہستہ سے کہا۔ عیسی نے اسے غصے سے دیکھا اور اپنے دانت چبائے۔ "تمہیں سیلری گورنمنٹ دیتی ہے یا وہ دیوان جو

اس کے کتے بنے پھرتے ہیں مجھے نہیں پتہ تم کیا کرو گے لیکن مجھے اس انونٹری کی پوری پوری جانکاری چاہیے "اے ایس پی کھڑا ہو کر اس سے معذرت کرنے لگا اور اس کا حکم سن کر اسبات میں سر ہلاتا ہوا وہاں سے چلا گیا۔ عیسی نے پزل کے حصے جوڑنے سے شروع کیے۔ ہر ایک کڑی ہر ایک پزل دیوان راجپوت پر آ کر ختم ہو رہا تھا۔ ہاسپٹل میں آگ لگنا اس آگ میں دو لوگوں کی موت کے کیس کو دیوان کا بند کروانا اور اس انونٹری کو کھو کر بھی اس کا اتنا شانت رہنا تھا۔ عیسی کا سب سے بڑا شک دیوان پر تھا۔

ریم اپنا سب کام ختم کر کے اپنے ملازموں کے ساتھ باہر بیٹھی گفتگو کر رہی تھی۔ آج اس گفتگو کا موضوع سائے تھا۔ جو اس کے ملازموں کو ستا رہے

تھے اور ڈرا رہے تھے۔اس کے تمام ملازموں نے یہی کہا کہ ہم یہاں پر

رات کے وقت ایک منٹ بھی رک نہیں سکتے رات میں رہنے والی ملازمہ

نے یہی کہا کہ وہ رات کو اکیلے گھر میں گھوم نہیں سکتی کیونکہ اسے کسی کے

گھومنے کی کا احساس ہوتا ہے۔" تمہیں پتہ ہے وہ سائے تمہیں کیوں

ڈراتے ہیں"اس نے سب کے مسئلے کو سننے کے بعد ان سے پوچھا۔

ملازموں نے نفی میں سر ہلایا" کیونکہ تم خود ڈرپوک ہو تم راستے میں چلتے

ہوئے خود کے سائے سے ڈر جاتے ہو ہوا کی آواز سے ڈرتے ہو جب اس

ہوا سے گھر میں کوئی سامان گر جائے تو کہتے ہو کہ کسی نے گرایا ہے تم جو

سوچتے ہو تمہارے ساتھ وہی ہوتا ہے۔جو تم سوچتے ہو دماغ اسی کو ایک

شکل دے کر تمہارے سامنے پیش کرتا ہے اور تم اسے سچ مان لیتے "اس کی

باتیں ملازموں کے سر کے اوپر سے جا رہی تھی وہ کوئی سائنس کی باتیں

سننا نہیں چاہتے تھے نہ انہیں لاجیکل باتوں میں کوئی دلچسپی تھی۔ وہ وہی گھسی پٹی روایتی باتیں سننا چاہتے تھے "جب تم مندر میں ہوتے ہو کیا تب بھی تمہیں وہ سائے نظر آتے ہیں" ملازموں کے چہروں پر نظر ڈالتے ہوئے ریم نے ان کے تعاثرات کو پڑھتے ہوئے پوچھا۔ ملازموں نے فورا نفی میں سر ہلالایا اور کہا کہ "جی وہاں تو بھگوان رہتے ہیں وہ وہاں نہیں آتے" ایک ملازم ٹوپی صحیح کرتے ہوئے بولا۔ "اور تمہارا بھگوان کیا کہتا ہے"

"جی وہ کہتا ہے کہ وہ ہر جگہ ہے" ملازمہ کے جواب پر ریم تھوڑا سا مسکرائی۔ "ہر جگہ ہے تو کیا تمہارے دل میں نہیں ہے" سب ملازم اس کے بات پر ایک دوسرے کا چہرہ دیکھنے لگے۔ ان میں سے ایک نے کہا کہ "جی بالکل ہے"

"تو پھر تم اس کے ہوتے ہوئے سائے سے کیوں ڈرتے ہیں تمہیں یقین
ہے نا تو اس پر قائم رہو تو تمہیں ڈر نہیں لگے گا" کریم میں پر سکون انداز
میں کہا اور اپنے کندھے اچکائے "جب یقین بہت مضبوط ہو تو وہ ایسے
چھوٹی موٹی طاقتوں سے کمزور نہیں پڑتا۔ اگر ابلیس بھی سامنے آئے تو وہ
کہتا ہے کہ میں تجھ سے نہیں ڈروں گا کیونکہ میرا خدا تجھ سے بڑا ہے اور اسی
نے تجھے بنایا ہے اور وہ بری طاقت سے خدا کی پناہ میں آجاتا ہے" وہ پر سکون
انداز میں سب ملازم کے دل میں ہمت بھر رہی تھی۔ اور یہ ان کے چہرے
صاف ظاہر تھا۔ "جی اب ہم ان سے نہیں ڈریں گے اگر ہم ڈرنا بند کر دیں
گے تو وہ ہمیں نظر آنا بند کر دیں گے" سب ملازموں نے ایک آواز میں کہا
اور خود سے عہد کیا کہ وہ اپنے آستا کا دامن نہیں چھوڑیں گے۔ اور اپنے میں
بھگوان پر پورا یقین کریں گے۔ ریم کے چہرے پر اک دلفریب مسکراہٹ

آئی۔ سورج کی روشنی میں اس کے گال سرخ ہو کر مزید خوبصورت کر رہے تھے۔اس کے سر کے اعطراف باندھا گیا وہ سیاہ ادپٹا اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگا رہا تھا۔

ریوان دیر رات گھر پہنچا۔اس نے چاروں طرف نظر دوڑائی پوری حویلی خالی تھی۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا۔اسے شدت کی بھوک لگی تھی۔ وہ سب سے پہلے کمرے میں فریش ہونے گیا۔اسے دشا کی کمی بہت زیادہ محسوس ہو رہی تھی۔ وہ فریش ہو کر کپڑے بدل کر ڈائنگ ٹیبل کے پاس آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ ملازم کو بلانا نہیں چاہتا تھا اسلئے اس نے خود ہی کھانا گرم کرنے کا فیصلہ کیا۔ کچن میں داخل ہوتے ہی اسے اپنی آنکھوں کے سامنے دشا نظر آئی. سرخ ساڑی میں ملبوس بالوں کو کھلا چھوڑے کانوں میں

ہیرے کی ایئرنگ ہونٹوں پر سرخ لالی وہ اپنے حلیہ سے بالکل مختلف تھی۔ اس نے آگے قدم بڑھایا۔دشا نے اس کی طرف دیکھا وہ اس کے لیے کھانا گرم کررہی تھی۔ریوان اس کے برابر آکر رکا اس کے بالوں کو اپنی دو انگلیوں سے ہٹانے لگا جو بار بار اس کے پرکشش رخسار پر آرہے تھے۔دشا کے چہرے پر سرخی مائل ہوئی اس سے پہلے ریوان اس کے مزید قریب بڑھتا اس کا وہم ٹوٹ گیا۔اس نے پلکیں جھپکائی تو وہ ابھی بھی کچن کے دروازے پر تھا۔کچن میں اس کے علاوہ کوئی نہیں تھا اس نے اپنے اس خوبصورت وہم کو سوچا اور مسکرا اٹھا۔دشا کا خیال بھی اسے تروتازہ کر دیتا تھا اس کے وجود کی تو بات ہی کچھ اور تھی۔وہ اس اداسی سے مسکراتا ہوا فریج کھولنے لگا فریج میں کھانا تھا اس نے وہ بھگونے نکالے اور اس کو اون میں گرم کرنے کے لیے رکھ دیے۔کچن کاؤنٹر سے لگے ہوئے اس نے دشا

کو کال کیا۔ دو تین رنگ کے بعد ہی کال اٹھائی گئی۔ دشا نے فون اٹھاتے ہی اس کے خیریت پوچھی "تیرے بنا بہت برا حال ہے" اس نے اداسی سے کہا دوسری طرف دشا بھی کچھ اداس ہوئی "آپ نے کھانا کھایا"

"نہیں ابھی گرم کر رہا ہوں"

"کسی ملازم کو آواز دے دیتے"

"نہیں سب سو چکے ہیں" دشا کو اپنے وہاں آنے پر پچھتاوا ہوا۔ وہ ہوتی تو اسے ایک گلاس کا بھی محتاج نہ بناتی۔ بیوی کی اہمیت اس کی غیر موجودگی میں پتہ لگتی ہے۔ ویسے تو ریوان اس کی موجودگی میں بھی اس کی قدر کیا کرتا تھا لیکن اس کی غیر موجودگی اسے بیمار کر رہی تھی۔ ریوان نے اون سے کھانا نکالا اور پلیٹ میں ڈال کر ڈائننگ ٹیبل پر آ کر بیٹھ گیا اور کھانے لگا۔ "میں کل آجاؤں گی" دشا نے روہانسی آواز میں کہا "کیوں" راجما

چاول چباتے ہوئے ریوان نے کہا" کیونکہ یاد آ رہی ہے آپ کی" دوسری طرف دشا خفگی سے بولی" یاد تو مجھے بھی آ رہی ہے" ریوان نے اس کی خفگی کم کرنی چاہی" کل آ جاؤ تیرے بنا دل نہیں لگتا" ریوان بہت بے بسی سے بولا دشا کے دل کو کچھ چبھا اس کی بے بسی اس کے لیے سب سے بڑی ہار تھی. وہ کھانا ختم ہونے تک اس سے بات کرتا رہا کھانا ختم ہونے کے بعد اس نے پلیٹ واپس باورچی خانے میں رکھ دی اور اپنے کمرے میں آ گیا ریوان دشا کو اپنی پوری دن کی مصروفیت بتا رہا تھا۔ وہ بیڈ پر چھت کو گھورتا ہوا دشا سے فون میں اس کی مصروفیت سن رہا تھا کہ وہ پورا دن بچوں کے ساتھ رہی ان کے ساتھ وقت گزارا کستوری دیوی کے ساتھ ان کے کچھ رشتہ داروں کے گھر گئی۔ کمرے میں ہلکی سی روشنی تھی اور اے سی کی ہوا چل رہی تھی لیکن یک دم سے کمرے میں کھڑکیاں اپنے آپ کھل گئیں

اور ہوا کا ایک بڑا سا جھونکا اندر آیا جس سے پردے اور جھومر زور زور سے حرکت کرنے لگا۔ دشا کو بھی ان ہواؤں کی آواز آئی اس نے ریوان کو فورا کھڑکیاں بند کرنے کے لیے کہا۔ ریوان اس کی بات مان کر بیٹھ سے اٹھا اور کھڑکیوں کے پاس آیا اس سے پہلے وہ کھڑکی بن کرتا اسے گیٹ کے اس پر وہ نظر آئی۔ جس کا چہرہ وہ کبھی نہیں بھول سکتا تھا آج وہی لباس میں تھی انہی زرد لباس میں ہاتھوں میں ہری چوڑیاں اور گجرے تھے۔ ریوان ایک لمحے کے لیے سانس لینا بھول گیا وہ چاہتا تو تھا کہ وہ اپنے خوف سے روبرو ہوتا لیکن اسے اپنے سامنے پا کر اس کے دل کی دھڑکنیں بے ترتیب ہو رہی تھی۔ وہ دور کھڑی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی جیسے بہت سالوں بعد اس کی آنکھوں کو ٹھنڈک ملی ہو۔ لیکن ریوان نے اپنے چہرے پر کوئی تعثر آنے نہیں دیا اس نے کھڑکی بند کر دی اور ایسے ظاہر کیا کہ جیسے اس نے کچھ دیکھا

ہی نہیں اس کے حواس بہت زیادہ سٹرانگ تھے وہ واپس دشا کی طرف متوجہ ہو گیا. عیسی جس سچ کو ڈھونڈ رہا تھا وہ سچ اس کے دل میں قید تھا وہ ایک اچھا رازداں تھا۔ اسے لوگوں کے راز رکھنے آتے تھے اور خود کے بھی۔ وہ اپنی زندگی کا بہترین اداکار تھا کس کے سامنے کون سا جذبہ دکھانا ہے اسے بہت اچھی طرح سے معلوم تھا۔ اور جب سامنے اس کی من پسندیدہ عورت اس کی بیوی ہو تو وہ ہر جذبے کو پیچھے چھوڑ سکتا تھا۔ اس کے لیے اس کی زندگی میں سب سے اہم کوئی تھا تو وہ صرف اور صرف دشا تھی اور وہ تھی بھی ایسی جس کے لیے ساری دنیا لٹائی جائے۔ دشا کچھ دیر بات کر کے فون رکھ دیا۔ وہ بیڈ پر کروٹ لیتا ہوا اپنی آنکھیں بند کر کے سونے کی کوشش کرنے لگا۔ لیکن اس کی آنکھوں میں بار بار وہ چہرہ نظر آ رہا تھا جسے وہ بھلانے کے اتنے سالوں سے کوشش کر رہا تھا۔ اس نے ہمت کر کے

ایک بار کھڑکی کھولی اس کی نظر اب بھی وہیں پر رکی اور وہ سایہ اب بھی وہیں تھا جیسے اس کو یقین تھا کہ وہ واپس ضرور آئے گا وہ ایک شاطرانہ انداز میں مسکرائی۔اس کی چوڑیوں کی کھنکن سے پوری حویلی کی دیوار جاگ گئ اور اس کی آنکھوں کی چمک سے پیڑ پر سوئے ہوئے پرندے تک نظر آنے لگے۔باؤنڈری کے اعتراف جو چھوٹے چھوٹے بلب لگائے گئے تھے وہ بجھ گئے۔ریوان کی نظر میں صرف وہ تھی۔ریوان کا دماغ کام کرنا بند کر چکا تھا۔ایک بار پھر اس کے ذہن میں دشا کا خیال آیا دشا کا چہرہ آیا اس نے زیر لب کچھ منتر پڑھے اور کھڑکی بند کر دی۔

دشا کی غیر موجودگی اس کے لیے ناقابل برداشت تھی۔وہ جہاں بھی جاتا، اسے ایسا لگتا جیسے وہ اب بھی وہیں موجود ہو، مگر ہاتھ بڑھانے پر صرف خلا محسوس ہوتا۔

گھر کی ہر چیز میں اس کی خوشبو بسی ہوئی تھی——دیوار پر ٹنگی ہوئی اس کی پسندیدہ تصویر، الماری میں رکھی ہوئی وہ کتابیں جن کے صفحے وہ موڑ کر رکھتی تھی، اور وہ چائے کا کپ جو ہمیشہ آدھا چھوڑ دیتی تھی۔ لیکن اب، ہر چیز خاموش تھی، جیسے ان کا بھی دم گھٹ چکا ہو۔

کچھ گناہ میرا پیچھا نہیں چھوڑتے

کچھ غلطیاں مجھے آگے بڑھنے نہیں دیتی

قوت مرداں بہت ہے جگرِ بشر میں

کم بخت سائے سے لڑنے نہیں دیتی۔

رات کے 11 بجے تھے اب تک عیسی پولیس اسٹیشن میں ہی تھا۔جو ٹیم اس نے اسکول کی طرف بھیجی تھی وہ ڈر کر واپس آگئی تھی اور دوسری خالی ہاتھ ۔عیسی کا غصہ آسمان پر تھا۔وہ اتنا تھک چکا تھا کہ اس پورا بدن درد کر رہا تھا اسے اب ریم کے ہاتھ کی چائے اور دوائی کی ضرورت تھی۔اس نے ریم کو فون کر کے کہہ دیا تھا کہ وہ اس کا انتظار نہ کرے اور کھانا کھا کر سو جائے ۔"دیوان.. دیوان...دیوان"عیسی اپنے بال کو نوچتا ہوا غصہ ہو رہا تھا۔

حوالدار نے اس کے کہنے پر کافی اس کے ٹیبل پر رکھ دی۔وہ کرسی پر بیٹھ کر کافی پینے لگا۔اے ایس پی اپنے ہاتھ میں ایک رپورٹ لے کر اس کے کیبن میں داخل ہوا کافی پیتا ہوا عیسی لاپرواہ سا اس کو دیکھنے لگا۔اس کے بال اس کے چہرے پر بری طرح بکھرے ہوئے تھے جیسے وہ ایک ہاتھ سے پیچھے کر

رہا تھا۔ اے ایس پی نے ایک نظر اس کو دیکھا اس کی حالت دیکھ کر اس کو اندیشہ ہو گیا کہ وہ کتنا تھکا ہوا اور غصے میں ہو گا اس لیے اس نے کچھ کہے بغیر فائل ٹیبل پر رکھی اور چلا گیا۔ عیسی نے کوئی رد عمل نہیں کیا وہ یوں ہوئی کافی پیتا رہا کچھ دیر بعد وہ کافی کا کپ خالی کو ٹیبل پر رکھ دیا۔ ٹیبل پر پڑی فائل اٹھا کر اس نے ڈاکٹر لوکیش اور نرس نرملا کے کال ریکارڈ چیک کیے کال ریکارڈ سے یہ صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ ان کی روزانہ اور مسلسل باتیں ہوا کرتی تھی یہ کوئی عام بات نہیں تھی۔ عیسی نے یہ اندازہ لگا لیا کہ ان دونوں کے بیچ میں ضرور کوئی ایک پروفیشنل تعلق سے زیادہ ذاتی تعلق بھی ہے۔

اس نے اب نرملا کی بینک کی ہسٹری کو چھاننے کا سوچا وہ کافی کے بعد بھی نہ چاہتے ہوئے بھی نیند کا شکار ہو رہا تھا اسے بری طرح نیند آرہی تھی اس نے فائل کو ٹیبل پر رکھا اور اس پر پیپر ویٹ رکھ دیا۔ اس کے کیبن میں ایک

سنگل صوفہ تھا اس پر سفید کشن رکھے گئے تھے۔ وہ اس صوفے پر آ کر لیٹ گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی آنکھ لگ گئی اور وہ نیند کی وادیوں میں گم ہو گیا۔

سائیکولوجیکل کلینک کا ماحول خاموش اور سنجیدہ تھا، مگر ایک عجیب سی کشش بھی رکھتا تھا۔ دیواروں پر ہلکے رنگوں کا امتزاج، مدھم روشنی، اور خاموشی کو توڑتی ہوئی دیوار گھڑی کی ٹک ٹک — یہ سب ایک پرسکون مگر گہرے ماحول کو جنم دے رہے تھے۔

استقبالیہ پر ایک سنجیدہ مگر ہمدرد نظر آنے والی خاتون بیٹھی تھیں، جو آنے والوں کے نام رجسٹر میں درج کر رہی تھیں۔ ان کے چہرے پر وہی نرم

مسکراہٹ تھی جو شاید ہر اس شخص کے لیے ضروری تھی، جو یہاں اپنے اندرونی زخموں کا علاج کروانے آیا تھا۔

انتظار گاہ میں مختلف لوگ بیٹھے تھے۔ کوئی خاموشی سے دیوار پر ٹنگے ذہنی صحت سے متعلق پوسٹرز کو دیکھ رہا تھا، جن پر "ڈپریشن ایک بیماری ہے، کمزوری نہیں" اور "اپنے جذبات کو نظرانداز مت کریں" جیسے جملے لکھے تھے۔ کچھ لوگ اپنی انگلیاں مروڑ رہے تھے، کسی کی آنکھوں میں انجانی سی بے چینی تھی، اور کوئی سر جھکائے بیٹھا تھا، شاید اپنے خیالات کے بھنور میں الجھا ہوا۔

ایک دروازہ کھلا، اور اندر سے ایک مریض باہر نکلا۔ اس کی آنکھیں نم تھیں، مگر چہرے پر بوجھ کچھ کم محسوس ہو رہا تھا، جیسے اس نے کوئی گہرا راز کسی ہمدرد کو سونپ دیا ہو۔ ڈاکٹر، جو ایک مہربان اور سمجھدار شخصیت لگ رہے تھے، اگلے مریض کو اندر بلانے کے لیے مسکرا کر دیکھنے لگے۔

کلینک کے ایک طرف چھوٹا سا کتابوں کا گوشہ تھا، جہاں ذہنی صحت، نفسیاتی مسائل اور خودی کو سمجھنے سے متعلق کتابیں رکھی تھیں۔ قریب ہی ایک نرم روشنی والا کونہ تھا، جہاں کوئی خاموشی سے بیٹھ کر گہرے سانس لے سکتا تھا، جیسے اپنے خیالات کو تھوڑا آرام دینے کی کوشش کر رہا ہو۔

یہ کلینک صرف ایک جگہ نہیں تھی ——یہ ان زخموں کا مسکن تھا جو دکھائی نہیں دیتے، ان کہانیوں کا گھر تھا جو لفظوں میں قید ہونے کے لیے ترس رہی تھیں، اور ان لوگوں کی پناہ گاہ تھی جو اپنی جنگ لڑتے لڑتے تھک چکے تھے، مگر پھر بھی امید کی ایک کرن ڈھونڈ رہے تھے۔

رونق سنجنا کے ساتھ ایک ماہر نفسیات کے پاس آیا ہوا تھا۔ سنجنا سفید ٹی شرٹ اور بیگی جینز میں رونق کے ساتھ باہر ویٹنگ ایریا میں اس کے ہاتھوں میں ہاتھ پکڑے اسے تسلی دیتے ہوئے انداز میں بیٹھی ہوئی تھی۔ رونق بہت گھبرایا ہوا تھا وہ اس کے ہاتھ کی پشت کو سہلاتے ہوئے اسے دلاسا دے رہی تھی۔ اور اس کا ڈر دور کر رہی تھی۔ اس نفسیات کے ڈاکٹر کے کلینک میں بھیڑ کم تھی لوگ بھول جاتے ہیں کہ دماغ بھی جسم کا حصہ ہے

اسے کچھ ہو جائے تو لوگ علاج کروانے سے کتراتے ہیں۔ سنجنا کے ضد پر رونق نے اپنی ہار مان لی تھی۔ نیکسٹ رونق کا نام لیا گیا تو اسے اکیلے اندر جانا پڑا۔ لیکن کھڑکی سے سنجنا انہیں باسانی دیکھ اور سن سکتی تھی۔ ڈاکٹر نے رونق کو کاؤچ پر کمفرٹیبل ہو کر بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ کاچ پر بیٹھتا ہوا چاروں طرف دیکھنے لگا کمرے کی دیواریں سفید تھی اور اس کی دیوار پر دماغ کے تصاویر اور اس سے جڑے بیماریوں کا چاٹ لگا یا گیا تھا۔ رونق کے پیچھے والی دیوار پر سوامی ویوے کانند کی تصویر لگائی گئی تھی۔ رونق کے دائیں طرف دیوار پر ایک بڑی سی کھڑکی تھی جہاں سے باہر کا منظر صاف نظر آرہا تھا۔ کمرہ کافی بڑا تھا اور اے سی کی ٹھنڈی ہوا اس کمرے کے درج حرارت کو متوازن کر رہی تھی۔ ڈاکٹر اپنی کرسی پر بیٹھا رونق کے تعثرات کو پڑھ رہا تھا۔ اس کی آنکھوں کے نیچے گہرے کالے ہلکے پڑ گئے تھے جس سے صاف

پتہ چلتا ہے کہ وہ کافی راتوں سے سویا نہیں تھا۔اس کی بڑی ہوئی شیو بتا رہی تھی کہ وہ کتنا تھکا ہوا ہے اور اسے وہ شیو کرنے کا یاد ہی نہیں رہا۔اس کے انگلیوں کے نیچ مٹی جمی ہوئی تھی اور اس کے ناخن بڑھ گئے تھے۔ڈاکٹر موہن اپنے کریئر کا سب سے عجیب مریض دیکھ رہے تھے۔وہ دماغ کو پڑ نہیں پا رہے تھے جیسے اس کے دماغ پر کسی نے تالا لگا یا ہو اس کے دماغ کو سمجھنے کے لیے انہوں نے گفتگو کا آغاز کیا۔"تو رونق بتایئے آپ کے بارے میں" ڈاکٹر کے سوال پر رونق نے چونک کران کی طرف دیکھا اور خود کے سینے پر انگلی رکھ کر آنکھوں سے پوچھا کہ کیا وہ اس سے بات کر رہے ہیں. "میرا نام رونق ہے پیشے سے ایک وکیل اور بزنس مین تھا" ڈاکٹر موہن اپنی کرسی سے اٹھ کر اس کے سامنے ایک آرام کرسی پر آکر بیٹھ گئے

اور گھٹنوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر اسے غور سے دیکھنے لگے۔ "تھا کا کیا مطلب ہے رونق"

"اب نہ میں وکیل ہوں اور نہ بزنس مین" رونق بنا جھجھکے بات کر رہا تھا۔

"اور ایسا کیوں ہوا کیا ایک اچھے وکیل اور بزنس مین نہیں تھے"

"نہیں میں ایک بہت اچھا وکیل اور بزنس مین تھا میں نے اپنے کریئر میں بہت کیس جیتے ہیں اور بہت سارے آمدنی بھی کمائی ہے"

"پھر ایسا کیا ہوا رونق کہ تم نے سب گنوادیا"

"خواہش.... خواہشوں کے تلے دب گئی ہے میری ساری زندگی. اب مجھ میں جینے کی بھی خواہش نہیں رہی. جب بھی میں کچھ کرنا چاہتا ہوں وہ میرے سامنے آجاتی ہے وہ مجھے برباد کرنا چاہتی ہے اور کر بھی چکی ہے. اب اس کا مقصد صرف اور صرف میری جان لینا ہے" ڈاکٹر موہن نے

اپنی ٹائی ڈھیلی کر کے ایک گہری سانس لی رونق کے زبان میں کوئی لکنت نہیں تھی بس خوف تھا وہ جھوٹ نہیں بول رہا تھا. "کون رونق! کون ہے جو تمہیں آگے بڑھنے نہیں دیتی" موہن نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے اس سے دریافت کرنا چاہا رونق نے گردن اٹھا کر ان کی انکھوں میں دیکھا رونق کی آنکھیں انسوؤں سے چمک رہی تھی اور آواز حلق میں اٹک گئی تھی. "بولو رونق کون ہے وہ. تم مجھ سے جو چاہے بات کر سکتے ہو" ڈاکٹر موہن نے اس کی خاموشی کو توڑنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا رونق نے اپنے آنسوں صاف کیے اور سامنے گول میز پر پڑا پانی کا گلاس اٹھا کر ایک سانس میں سارا پانی پی گیا. موہن کو اندازہ ہو گیا کہ وہ نہیں بول پا رہا ہے. "کیا آپ ڈپریشن کا شکار ہیں" یہ وہ سوال تھا جو سنجنا نے پوچھنے کے لیے کہا تھا رونق نے فورا نفی میں سر ہلایا. "میں ڈپریشن میں نہیں ڈپریشن

مجھ میں ہے میں راتوں کو سو نہیں پا رہا ہوں مجھے بھوک نہیں لگتی میرے دماغ ایک ہی موضوع کو لے کر بار بار اسی پر کام کرتا ہے میرا دماغ اور کچھ سوچنے نہیں دیتا" کھڑکی سے دیکھتے ہوئے سنجنا کی آنکھیں نم ہونے لگی. اس نے اپنے دل پر ہاتھ رکھ کر اپنی بے بسی کو قابو کیا. لیکن اس سے زیادہ بے بس کوئی تھا تو اس کمرے کے اندر سفید دیواروں کے درمیان بیٹھا وہ سیاہ کاری میں مبتلا شخص تھا جس کی زندگی اندھیروں کا مرکز بن گئی تھی. "کیا تمہیں لگتا ہے کہ تم اس سے باہر آ پاؤ گے" اس کے سوال پر رونق ہلکا سا مسکرایا۔ وہ جب مسکرایا تو اس کی آنکھوں سے انسو چھلک کر اس کی داڑھی میں مل گیا۔ اس نے ایک بار پھر اپنے جیب سے رومال نکال کر اپنی آنکھیں صاف کی. کیا مرد بھی روتے ہیں؟۔ہاں مرد بھی روتے ہیں اور ان کا رونا عورتوں کے رونے سے مختلف ہوتا ہے ان کے آنسو تب ہی باہر آتے

ہیں جب وہ بے بسی کی انتہا پر ہو ورنہ مرد کہاں روتے ہیں۔ "میں نے بہت بار کوشش کی ہے. مندر گیا ہوں چرچ گیا ہوں مسجد بھی گیا ہوں. جس جس کتاب نے کہا کہ سکون خدا کے گھروں میں ہے میں وہاں وہاں جا کر سکون مانگ کر آیا ہوں اس بے بسی سے نجات مانگ کر آیا ہوں۔ لیکن شاید میں ہی بہت زیادہ برا ہوں اسی لیے مجھے ہر خدا نے ٹھکرا دیا اور وہ سایہ مجھے نہیں چھوڑے گا وہ مجھے اس ڈپریشن میں ڈوبا دے گا" باہر کھڑی سنجنا کے حواس نے اس کا ساتھ چھوڑ دیا وہ یک دم سے شدت سے روتی ہوئی کرسی پر بیٹھ گئی اس کے دل کی رگیں پھٹ رہی تھی۔ "تمہیں کیا لگتا ہے تم کیسے باہر آؤ گے اس سے "ڈاکٹر موہن کو بھی اس کی باتوں سے بہت اداسی اور تکلیف ہو رہی تھی لیکن انہوں نے اپنے چہرے پر کوئی تعثر ظاہر ہونے

نہیں دیا انہوں نے ایک اور سوال کیا. "مجھے نہیں لگتا کہ میں اس سے باہر آؤں گا میں نے ہار مان لی ہے"

"اسی وجہ سے تم باہر نہیں آ پا رہے ہو کیونکہ تم نے ہار مان لی ہے ایک بار تم اس سے لڑ کر تو دیکھو شاید تمہاری جیت ہو جائے"

"ڈاکٹر موہن لڑائی اپنے جیسوں سے کی جاتی ہے ان سے نہیں جو ہوا کی مانند ہیں"

"میں تمہیں کچھ دوائیاں دیتا ہوں تمہارا دماغ تنہائی کی وجہ سے تمہیں یہ سب دکھا رہا ہے سائنس کی زبان میں ہم اسے ہیلوسنیشن کہتے ہیں" ڈاکٹر موہن جانتا تھا کہ یہ وہ نہیں ہیں جو وہ کہنا چاہ رہا ہے وہ کوئی ہیلوسنیشن کا شکار نہیں ہے اس کا دماغ خالی نہیں ہے. رونق نے اسبات میں سر ہلایا اور اس کا شکریہ ادا کیا. اپنے ہاتھ سے دوائیاں لیتے ہوئے ڈاکٹر موہن کی نظر اس کے

ہاتھ پر پڑی اس کا ہاتھ جلا ہوا تھا" یہ ہاتھ کیسے جلا رونق نے ان کے ہاتھ سے دوائیں لی اور اپنا ہاتھ دیکھا" مجھے نہیں پتہ میں بھی ابھی دیکھ رہا ہوں" وہ بے یقینی سے اپنے ہاتھ کو دیکھتا ہوا بول رہا تھا ڈاکٹر کو ایک اور حیرانی ہوئی وہ پاگلوں کا ڈاکٹر تھا لیکن سامنے کھڑا شخص اسے بہت آسانی سے پاگل بنا رہا تھا۔

عیسی ایک بار پھر گورنمنٹ اسکول پہنچا اپنی کار کو باہر پارک کر کے وہ اندر ایا نیلے شرٹ فولڈ سلیوز اور کالی چمکدار پینٹ ہاتھ میں قیمتی گھڑی بالوں کو جیل سے سیٹ کیا گیا تھا۔ وہ اس بار اکیلا آیا ہوا تھا اس نے پیچھے جیب سے گن اور گلوز نکالے۔ گلوز کو نکال کر پہنے اور بندوق تانے آگے بڑھا۔ وہ اس جگہ آیا جہاں وہ پچھلی بار آکر رکا تھا۔ حولدار نے اس جگہ سفید چونے

سے دائرہ بنایا ہوا تھا۔اس نے آس پاس کوئی تیز چیز ڈھونڈی وہاں بہت
ساری چیزیں تھی پیڑ کے اس پر ایک زنگ لگی لوہے کا روڈ تھا اس نے گلوز
پہنے ہاتھوں سے اس روڈ کو اٹھایا اور اس جگہ آکر وہ زمین کھودنے لگا۔دو
تین فٹ کھودنے کے بعد اس کے ہاتھوں نے ہار مان لی۔اس نے ایک لمبی
اور گہری سانس لی اس کے بال سے جیل ہوا میں خارج ہو چکا تھا اور بال ہوا
سے بری طرح بکھر چکے تھے۔اس نے شرٹ کے اوپری دو بٹن کھولے
اور ہوا میں شرٹ کے کالر کو جھٹکا۔اس کو ایک بہت زیادہ گندی بو آنے لگی
اس نے جیب سے ماسک نکال کر پہن لیا۔اور ایک بار پھر کھودنے لگا یک
دم سے اس کے ہاتھ رک گئے اس کی آنکھوں نے کسی کے سر کو دیکھا بند
آنکھیں چہرے پر زخم سر پر لگے تازے گھنے بال وہ ابھی بھی تازہ تھا۔اس
نے آس پاس کھودا تو اسے باقی ٹکڑے بھی ملے۔اس نے ان ٹکڑوں کو ہاتھ

لگائے بغیر ان کی تصویریں لی اور فورنسک ٹیم کو بھیجی اور وہاں جلدی پہنچنے کے لیے کہا۔ اس نے دل کو مضبوط بنا کر ان ٹکڑوں باہر نکالا اس سے بہت زیادہ گندی بو آرہی تھی دکھنے میں وہ ٹکڑے بالکل تازے تھے ان ٹکڑوں کو دیکھ کر اس کا دل دہل گیا۔ اب شاید وہ کہی راتوں تک سو نہیں پائے گا۔

وہ وہیں پیڑ کے سائے تلے بیٹھ گیا اور حقارت سے گلوز نکال کر پھینک دیے۔ وہ فورنسک ٹیم کے آنے کا انتظار کرنے لگا اس نے حقارت سے ان ٹکڑوں سے نظر ہٹائی اس کے پیٹ میں گڑبڑ ہونے لگی اسے اتنی گندی فیلنگز آنے لگی کہ وہ الٹی کر بیٹھا۔ اس نے اپنے کریئر میں ایسا کچھ نہیں دیکھا تھا وہ الٹی کر کے بحال ہو کر پیڑ سے دور آ کر بیٹھ گیا۔ کچھ دیر بعد فورنسک ٹیم وہاں پہنچی عیسی کو اس حالت میں دیکھ کر انھوں نے سب سے پہلے اسے پانی پلایا۔ ٹیم نے سارے ٹکڑوں کو جمع کر کے آئس باکس میں رکھ دیے

۔"سر آپ جائیں یہاں سے آپ کی طبیعت خراب ہو رہی ہے. ایک شخص نے کہا اسی شخص نے عیسی کو کار تک چلنے میں مدد کی عیسی کار میں بیٹھتے ہی سٹیرنگ پر سر دیے اپنی آنکھیں بند کر لی. "اے اللہ کتنے ظالم لوگ ہیں انسانیت ہی نہیں ہے "اس کی آنکھوں سے آنسوں پھسل کر نیچے گرا ریم کا میسج آیا تو اس نے اپنے آنسوں پونچے اور گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

وہ جب گھر پہنچا ریم اس کا صوفے پر بیٹھے انتظار کر رہی تھی۔اس کے ہاتھ میں کوئی کتاب تھی جسے وہ عیسی کے آنے پر بن کر چکی تھی۔وہ مسکراتے ہوئے عیسی کی طرف بڑی مگر عیسی کے چہرے پر زرد پن دیکھ کر اس کی مسکراہٹ غائب ہو گئی۔عیسی نے فوراا سے گلے لگا لیا ریم کی آنکھیں حیرت کے مارے بڑی ہو گئی اور فکر مندی سے اس کے دل کی دھڑکنیں

تیز ہونے لگی۔ وہ عیسی کے پیٹ سہلاتے ہوئے پوچھنے لگی کہ کیا ہوا ہے جب کہ ریم اپنے کاندھے پر عیسی کے آنسوں کو محسوس کر پا رہی تھی عیسی کی آنکھیں بہہ رہی تھی۔ "عیسی کیا ہوا ہے آپ کیوں ہو رہے ہیں" اس نے فکر مندی سے اسے الگ ہوئے بغیر پوچھا۔ "ریم یہ دنیا بہت ظالم ہے لوگوں میں تھوڑی سی بھی انسانیت باقی نہیں ہے "عیسی کی پوری کریئر میں ریم نے پہلی بار اسے اس طرح پایا تھا۔ یہ اس کی شخصیت کے بر خلاف تھا. "کسی حیوان نے ایک انسان کو ٹکڑے ٹکڑے میں کاٹ کر زمین میں گاڑ دیا" عیسی ریم سے الگ ہو کر روہانسی سے آواز میں بول رہا تھا. "عیسی یہی تو قیامت سے پہلے قیامتیں ہیں" کریم اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لیے بڑی محبت اور نرمی سے بول رہی تھی. عیسی ایک بار پھر اس کے سینے سے لگ گیا باہر کھڑے ملازم عیسی کو حیرانی سے دیکھ رہے

تھے. ریم نے ان کو اشارے سے اپنے اپنے کام میں مصروف ہونے کے لیے کہا. عیسی سے الگ ہو کر ریم نے اسے کمرے میں لا کر بٹھا دیا. عیسی اتنا تھکا ہوا تھا کہ وہ پیر بیڈ کے نیچے چھوڑے بیڈ پر لیٹ گیا ریم نے اس کے جوتے نکالے. سورج کی کڑکتی دھوپ اب شام کی سکونت میں بدل گئی تھی. ریم کے کمرے سے ٹھنڈی ٹھنڈی سورج کی شعائیں اندر داخل ہو رہی تھی. الماری سے عیسی کے کپڑے نکال کر اس نے واش روم میں رکھ کر باہر آئی عیسی کو بیڈ سے اٹھا کر اس نے اسے فریش ہونے کے لیے بھیج دیا. جب تک وہ نہا کر آرہا تھا تب تک وہ اس کے لیے کچھ بنانے کے لیے کچن کی طرف چلی گئی. کچن میں ملازم کھانا گرم کر رہے تھے تو اس نے صرف چائے بنانے کا سوچا۔ ملازمہ کھانہ گرم کر کے ڈائننگ ٹیبل پر رکھ رہی تھی اور ریم چائے کو ابال پر چھوڑ کر کمرے میں آئی۔ تب تک عیسی

سادہ لباس میں باہر کھڑکی کے پاس کھڑا سورج کی طرف دیکھ رہا تھا سورج جب آسمانوں میں ڈھل چکا تھا اور چاند آسمان میں دھیرے دھیرے عروج ہو رہا تھا۔ کسی کی عروج کے لیے ہمیشہ کسی کو زوال اپنانا پڑتا ہے. وہ کچھ کہے بغیر عیسی کو ڈائننگ ٹیبل پر لا کر بیٹھا دیا اور خود اس کے ساتھ بیٹھ گئ اس کی پلیٹ میں کھانا سرو کرتے ہوئے وہ بڑی اداس لگ رہی تھی۔ عیسی نے اس کے چہرے پر اداسی بہت پہلے نوٹس کر لی تھی۔ "اب میں ٹھیک ہوں تم زیادہ پریشان مت ہو" اس حرم کا ہاتھ پکڑ کر بڑی نرمی سے بولا جو اباریم نے اپنی پلکیں جھپکائے اور اسے تسلی دینے والے انداز میں کہا کہ "ہم سب کبھی نہ کبھی ایسا دیکھ لیتے ہیں جو ہمارے دل کو دہلا دیتا ہے جو ہمیں نہیں دیکھنا ہوتا ہے لیکن جب ہم ایسے حادثات سے روبرو ہوتے ہیں تو ہمیں ہمت سے کام لینا چاہیے آپ ایسے پروفیشن میں ہیں جہاں یہ سب عام ہے

بس آپ پہلی بار ان سب سے روبرو ہوئے ہیں" عیسی نے مسکرا کر اسے دیکھا. " صحیح کہا تم نے یہ عام ہے. دنیا ایسے حیوانوں سے بھری پڑی ہے" عیسی افسوس سے کہتا ہوا کھانا کھانے لگا.

آج جب ریوان گھر پہنچا تو اس کا سکون اس کے سامنے تھا۔ وہ گلابی راجستھانی ساڑی میں ملبوس سر پر گھونگٹ رکھے ہاتھوں میں ہری چوڑیاں پہنے کستوری دیوی کے بازو میں بیٹھے اس سے کچھ باتیں کر رہی تھی۔ اس کے مقابل بیٹھی ریشمی ان دونوں کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھی۔ اتنے دنوں بعد وہ مسکراتا ہوا گھر میں داخل ہوا اسے لگا کہ یہ حویلی اب گھر ہے۔ وہ اندر آتے ہی اپنی ماں کے پیر چھو کر ان کو پرانام کرنے لگا۔ کستوری دیوی نے اپنے بیٹے کو بہت ساری دعائیں دی اور اپنے بازو بیٹھنے کے لیے

کہا" جاؤ ریشمی بہو چائے بنا کر لاؤ" کستوری دیوی نے سرمہدی سے ریشمی

کو حکم دیا وہ اپنا سر ہلاتے ہوئے کچن کی سمت چل پڑی. کچھ دیر تک وہ اپنی

ماں سے بات کرتا رہا اور بیچ بیچ میں اپنی جان دشمن کو نہارتا رہا. ریشمی چائے کا

ٹرے پکڑے ہال میں آئی ٹرے کو ٹیبل پر رکھ کر وہ اپنے کمرے میں چلی

گئی کستوری دیوی نے اسے سختی سے دیکھا. اپنی ماں کو چائے کا کپ پکڑا کر

اس نے دوسرا کپ اپنی بیوی کے ہاتھ میں دیا. کستوری دیوی نے ناگواری

سے اپنے بیٹے کو دیکھا۔ لیکن اس کی نظروں سے لاپرواہ ریوان اپنی بیوی کو

دیکھتا رہا

ریوان ساری دنیا سے بے خبر اپنی بیوی کو محبت پاش نظروں سے دیکھتا رہا۔

وہ اس کی ہر حرکت کو ایسے دیکھ رہا تھا جیسے یہ لمحہ ہمیشہ کے لیے قید کر لینا

چاہتا ہو۔ مگر اس کی بیوی... وہ ہال میں اپنی ساس سے گفتگو میں مصروف تھی۔ یا شاید یہ محض ایک اداکاری تھی۔

اس کے چہرے کا رنگ بدل رہا تھا، ہلکی سی سرخی اس کی پیشانی سے گالوں تک پھیل رہی تھی۔ کیا یہ شرم تھی؟ غصہ؟ یا پھر کوئی چھپی ہوئی بے چینی؟ ریوان الجھ کر رہ گیا۔ وہ ہر لفظ، ہر ادا، ہر نظر کو پرکھنے لگا، مگر وہ کوئی نتیجہ اخذ نہ کر پایا۔

چائے پینے کے بعد ریوان اور دشا اپنے کمرے میں آ گئے۔ کمرے میں آتے ہی ریوان نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے گلے لگا لیا۔ کتنے دنوں بعد وہ اسے اتنا قریب پا کر بے حد پر سکون ہوا۔ دشا کا گھونگھٹ سرک کر اس کے

کاندھے پر گرا اور اس کے بال کھل گئے اس کے بالوں میں ریوان اپنا سر دیتے ہوئے ان کی مہک کو محسوس کرنے لگا دل کو چھو جانے والی مہک۔ کو کئی دیر تک بنا کچھ بولے ایسے ہی کھڑا رہا۔ "ہٹیے کوئی آ جائے گا" کچھ دیر بعد دشا نے اس کو زبردستی خود سے الگ کرتے ہوئے کہا. ریوان کچھ بدمزا سا مسکرایا دشا الماری کی طرف کہی اور ریوان کے کپڑے نکالنے لگی۔ کیا تھا جو ریوان کو اس کے بنا سب ادھورا لگتا تھا اس کا کمرہ اس کا گھر اس کی زندگی اس کے ہاتھ سے بنی چائے اس کے ہاتھ کا بنا کھانہ۔ "بچے کیسے ہیں. پڑھائی تو اچھی چل رہی ہے نا" کمرے میں پھیلی سنسان خاموشی کو توڑتے ہوئے ریوان نے کہا. کپڑوں کو حمام میں رکھ کر واپس آتی دشا مسکرائی اور اس بات میں سر ہلایا "بچے اچھے ہیں اور پڑھائی بھی اچھی چل رہی ہے دونوں کی. آپ کو تو پتہ ہے وہ دونوں کتنے فرمانبردارہ اور سلجھے ہوئے ہیں" ریوان اس

کے بعد سے متفق ہوتا ہوا مسکرایا اور اس کو اپنے پاس آکر بیٹھنے کا اشارہ کیا.

دشا اس کے برابر میں آکر بیٹھی اور اپنی چوڑیوں کے ساتھ گردن جھکائے

کھیلنے لگی. ریوان نے کچھ کہے بغیر اس کے گود میں سر رکھ کر اپنی آنکھیں

بند کر لی. دشا نے کوئی احتجاج نہیں کیا اور اس کے بالوں کو سہلانے لگی. "تو

ہے تو یہ جہان ہے ورنہ میری ساری دنیا سنسان ہے" وہ نیند کے غنودگی

میں آہستہ دھیمے پیار بھرے لہجے میں بولا. اس نے آنکھیں کھولے بغیر

محسوس کیا کہ دشا کا چہرہ سرخ ہو گیا ہو اس کی چوڑیوں کی کھن کھن پورے

کمرے میں زندگی بخش رہی تھی. "اب میں کبھی آپ کو چھوڑ کر نہیں

جاؤں گی جب بھی بچے یاد آئیں گے میں انہیں یہاں بلالوں گی لیکن آپ کو

چھوڑ کر نہیں جاؤں گی" وہ اس کے سر پر اپنا سر رکھ کر معصومیت سے بولی

ریوان بند آنکھوں سے مسکرایا. "چار پانچ دن میں آپ سے دور کیا ہو گئی

آپ نے تو اپنا خیال بھی نہیں رکھا دیکھیے کتنے دبلے ہو گئے ہیں" کل تک یہ جملے وہ ماں سے سنا کرتا تھا آج اس کی بیوی اس کا ہاتھ پکڑ کر اسے اس کے وزن کا احساس دلا رہی تھی. وہ آنکھیں کھول کر اسے بغور دیکھنے لگا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گئے ہیں اس کے چہرے کو اپنے ہاتھ میں لیتے ہوئے بولا کہ "نہیں دبلا ہوا ہوں بس تجھے ایسا دکھ رہا ہوں" وہ اس کو دلاسہ دیتے ہوئے بولا جبکہ دشا نے فورا نفی میں سر ہلا دیا. شام میں گونجتی مغرب کی اذان کہیں دور سے ریوان کے کان میں پڑی اور ذہن نے ایک بار پھر ماضی کو دماغ میں دہرایا۔ دشا دیکھ پا رہی تھی کہ ریوان کے چہرے کی مسکراہٹ غائب ہو گئی ہے۔ اور وہ الجھ گیا ہے صرف چند لمحوں میں وہ اس طرح بدل جاتا ہے کہ کوئی اسے پہچان نہیں پاتا. "کیا ہوا آپ کو" دشا نے الجھتے ہوئے

انداز میں پوچھا ریوان نے مسکرانے کی کوشش کی اور نفی میں سر ہلا کر دشا کو اپنی سینے سے لگا لیا۔

راتیں جتنی خوشگوار سنسان تنہائی پسند ہوتی ہیں اتنی ہی یہ شور بھی کرتی ہیں۔رات خدا کی باقی مخلوق کی زندگی کا وقت ہے انسانوں کی ہی طرح جنوں شیاطین کا قافلہ زمین پر آتا ہے. کتابوں سے چاروں طرف سے گھرا ہوا وہ شخص لائبریری کے آخری کونے میں کرسی پر بیٹھا ٹیبل پر رکھی کتاب پڑھ رہا تھا۔کتاب راتوں کی ہی تھی کالا جادو کی کتاب۔اس نے کالے جادو سے متعلق ایک لمبی ریسرچ کر رکھی تھی مگر باوجود اس کے اسے اپنا علم ادھورا محسوس ہوتا تھا۔سفید بال جو پونی میں بند ہوئے تھے آنکھوں پر لگایا گیا چشمہ ہونٹوں پر بار بار زبان کو پھیرتا ہوا، چہرے پر

سنجید گی ایک کان میں موتی پہن رکھا تھا۔ ہاتھوں میں مختلف رنگ کی انگوٹھیاں اور دھاگے پیروں میں چپل نہ جوتے کالے لباس میں شخص سفید گڑیا لگ رہا تھا۔ لائبریری کے باہر تنہائی تھی اور اس تنہائی کو توڑتے ہوئے پرندوں کی آواز اور کتوں کا بھونکنا۔ ڈیوڈ نے کتاب کا پنہ پلٹا اور اپنے چشمے کو ناک کے اوپر چڑھایا اچانک سے لائبریری میں پھیلی خاموشی ٹوٹی جب ڈیوڈ کا فون بجا دوسری طرف حکم سن کر اس نے فون کاٹ دیا۔ اس کالی کتاب پر بنے چمکاڈر اور کھوپڑیوں کو الفاظوں کے حوالے چھوڑ کر وہ چل پڑا۔ کھڑکی سے آنے والی ہوا میں اس کتاب کے پنے اپنے آپ پلٹنے لگے پلے پلٹنے کی آواز پوری لائبریری میں گونج رہی تھی۔ پنا پلٹنا ایک دم سے رک گیا پیج نمبر 302 پر آکر ہوا نے دم لیا پنے پر تین خوفناک شکلیں تھیں جن کے نیچے ان کے نام لکھے گئے تھے۔ پہلا ایک آنکھ والا مسیح دجال،

دوسرا پانی میں غرق ہونے والا فرعون، تیسرا غرور کے نیچے دب کر مرنے والا نمرود۔ وقت کی کتاب میں بہت سے شیاطین آئے ہیں مگر یہ تین میں سے دو نے انسانیت کو اچھل پتھل کر کر رکھ دیا تھا اور ایک آکر کر دے گا۔ فرعون اور نمرود انسانی جسم میں سب سے بڑے شیاطین رہے ہیں۔ ان تصویروں کے نیچے ایک بڑی تھیوری لکھی گئی تھی اور اس کے آخر میں اس تھیوری کا مصنف۔ 'شیطان کی بیٹی' تین سال پہلے لکھی گئی یہ ہندی زبان میں کتاب آج کئی زبانوں میں شائع ہو چکی تھی اس کتاب کا وہ حصہ بے حد ڈراونا اور ہیبت ناک تھا اس کو لکھنے والا واقعی کوئی شیطان تھا۔ آج کل کا جو جاہلیت کا دور ہے ایسے دور میں ایسی کتابوں کا شائع ہونا اور ان کا مسلسل پڑھتے رہنا کوئی خاص بات نہیں ہے۔ لوگ بڑے شوق سے ایسی کتابوں کو پڑھتے اور لکھتے ہیں اور انہیں اصل زندگی میں عمل کرنے کی کوشش بھی

کرتے ہیں۔ جبکہ قران اللہ تعالی کی آسمان سے اتاری گئی نورانی کتاب ہے

جسے حضرت محمد صلی اللہ علیہ و سلم نے ساری امت کو ایک تحفے کے طور پر

بخشا ہے اسے لوگ پڑھنے سے اور عمل کرنے سے کتراتے ہیں۔ایک بار

پھر ہوا نے پنوں کو پلٹ کر کتاب کو بند کر دیا کتاب کا کور ایک شیطان کے

مجسمے کے سامنے سجدہ کرتی ہوئی چھوٹی لڑکی کی تصویر تھی جو حقیقت سے

حد درجے میل کھاتی تھی۔

صبح صبح آفتاب کی روشنی اس وسیع کمرے میں پھیل چکی تھی چونکہ کمرے

کی اے سی بند تھی اسی لیے قدرتی ہواؤں نے اندر اپنا ڈیرہ جمار کھا ہوا تھا۔

کمرے میں لگے سفید پردے ہوا سے بے اختیار ہل رہے تھے اور سفید چادر

میں سویا ہوا شخص یک دم سے فون کی رنگ سے بیدار ہوا۔ "سر فور نسک

ٹیم نے بتایا کہ وہ ٹکڑے تین سال پہلے ہی کاٹ دیے گئے تھے۔ صبح صبح عیسی کو ایک بری خبر سننے کو ملی وہ بیڈ پر آنکھیں رگڑتا ہوا بری خبر سن کر برا سا منہ بنا کر دیوار کو دیکھنے لگا۔ اسے وہ ٹکڑے یاد آئے تو اسے بے حد کراہت محسوس ہوئی۔ "ٹیم نے بتایا کہ وہ شخص کم سے کم 50 سال کا تھا اسے بہت ساری بری عادتیں تھی جیسے شراب نوشی سگریٹ نوشی "عیسی بیڈ سے اتر کر باہر کھڑکی کی طرف آکر سورج کی روشنی میں نمودار ہوا اسے کل رات جو اس شخص کے لیے غم ہوا تھا اب وہ غصے میں بدل گیا تھا اس نے سوچا کہ جو بھی شخص کے ساتھ ہوا بالکل صحیح ہوا. "کوئی کریمنل ریکارڈ" اس نے آفیسر کی بات ختم ہونے کے بعد پوچھا دوسری طرف آفیسر نے ایک لمبی سانس خارج کرتے ہوئے کہا کہ "ابھی دیکھ کر بتاتا ہوں" اور فون رکھ دیا۔ وہ فون کو بازو ٹیبل پر رکھ کر سورج کے تلے جیتی دنیا کو دیکھ رہا تھا

لائٹ کے تاروں پر ایک قطار میں چوڑیاں بیٹھی ہوئی تھی اور اس کے باغیچے میں مالی پیڑ پودوں کو پانی دے رہا تھا اور دوسرا ملازم باہر صحن کی صفائی کر رہا تھا۔ اسے کچن سے پریشر کوکر کی سیٹی کی آواز آئی اسے احساس ہوا کہ وہ اپنے گھر میں ہے۔ وہ اپنے بالوں میں ہاتھ پھیرتا ہوا نہانے چلا گیا۔

رمشاہ کے آپریشن کے بعد اسے آئی سی یو میں شفٹ کروایا گیا تھا۔ وہ تاروں میں الجھی آکسیجن ماسک کے ذریعے آہستہ آہستہ سانس لے رہی تھی۔ دروازے پہ شیشے کے اس پار اس کی ماں اسے آنکھوں میں نمی لیے دیکھ رہی تھی۔ آپریشن کامیاب ہوا تھا لیکن اس کا ایڈزا ابھی اسی طرح کا

تھا۔اس نے اپنے ہاتھ میں تھرتھراتا فون اٹھایا اور اپنے آنسوں پونچھتے ہوئے ہیلو کہا۔دوسری طرف رحیم بے صبری سے اپنی بیٹی کی خبر جاننے کے لیے بار بار اس کے بارے میں پوچھ رہا تھا۔خوشی کہ خون میں ابال آنے لگا اس نے آنسوں پونچھ کر وہیں کرسی پر بیٹھ گئی۔"اگر آپ کو اپنی بیٹی کی اتنی ہی فکر تھی تو آپ آئے کیوں نہیں" وہ رمشاہ کے طبیعت کے بارے میں بتانے کے بجائے اپنا غصہ نکالنے لگی جو کہ جائز تھا۔"وہاں بیٹھ کر ہاتھ پر ہاتھ رکھے آنسوں بہانے سے کچھ نہیں ہوتا یہاں آکر اگر آپ بیٹی کی حالت دیکھتے تو جیتے جی مر جاتے میں نے آپ سے کہا تھا کہ آجائیے لیکن آپ نے میری بات نہیں سنی" دوسری طرف رحیم خاموشی سے اسے سنتا رہا۔"میں آنا چاہتا تھا لیکن میرا پاسپورٹ ریجیکٹ ہو گیا ہے" رحیم نے دھیمے نرم لہجے میں سفید جھوٹ بولا بیڈ پر اسے اس کی

دوسری بیوی نظروں کے حصار میں لیے اپنے ناخنوں پر نیل پالش لگا رہی تھی وہ اس سے ڈرتا ہوا سوچ سوچ کر بول رہا تھا.

"جھوٹ ! جھوٹ ہے یہ جب آپ کو آنا ہی نہیں تھا تو امیدیں بھی نہیں دلانی چاہیے تھی" خوشی ایک دم سے سختی سے پیش آنے لگی اور یہ سختی اس کی بدتمیزی میں بدلنے لگی تھی.

"تمہاری ضد کی وجہ سے ہے یہ جھوٹ یہ سچ سب. اگر تم مجھے یہاں رہنے کے لیے مجبور نہ کرتی تو میرے بچے اس طرح نہ جی رہے ہوتے" آخر کار برسوں کی خاموشی نے دم توڑا وہ صوفے سے اٹھ کر گیلری میں جا کر اسی کے انداز میں بات کرنے لگا جس انداز میں خوشی اس سے بات کر رہی تھی.

"میں نے آپ کو ہمارے بچوں کے لیے ہی وہاں رہنے کے لیے کہا تھا لیکن جب ان کو آپ کی ضرورت ہو تو آپ کو یہاں رہنا چاہیے تھا صرف دعوے کرنے سے کوئی باپ نہیں بن جاتا" عورت کے پاس جب کوئی ہتھیار نہیں ہوتا تو وہ طنز کرتی ہے مرد کو اس کے تمام گناہ یاد دلاتی ہے.

"ہاں جیسے تو تم تو بہت اچھی ماں ہو" انا کے معاملے میں مرد بھی کہاں پیچھے رہتا ہے ایسے معاملات میں تو مرد سے کوئی جیت ہی نہیں سکتا جہاں اس کی انا اڑے آجائے۔

"مجھ پر انگلی اٹھانے سے پہلے اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھیے اتنے سالوں سے آپ کے بچوں کو سنبھال رہی ہوں" آخر کار خوشی نے احسان جتایا۔

"سنبھال رہی ہو برباد کر دیا ہے تم نے میری بیٹیوں کو اپنی خواہشوں کے تلے ان سب کو دبا دیا ہے تم خیال رکھتی ہو ان کا تم کو تو اپنی مائکے والوں سے اور گھومنے پھرنے سے فرصت ہی نہیں ملتی تم کیا خیال رکھو گی میرے بچوں کا. تمہیں تو ایک بیٹا چاہیے تھا اور دور کہیں اب بھی یہ خواہش ہے تم میں" سات بیٹیوں کے بعد بھی جو بیٹے کی خواہش تھی خوشی کو وہی طعنہ سننے کو ملا۔

"ہاں ہے خواہش اگر ایک بیٹا ہوتا تو میں یہاں تن تنہا مر رہی نہیں ہوتی" ہاسپٹل کے کسی سٹاف نے اسے باہر جا کر بات کرنے کے لیے کہا تو باہر کھڑی زور زور اواز میں بات کرنے لگی وہاں بیٹھے لوگ اسے عجیب نظروں سے دیکھنے لگی مگر اس سے بے فکر وہ لاپرواہ سی وہ اپنے جذبات کا مظاہرہ بڑے غصے سے کرنے لگی۔ "خوشی یہ سب ہمارے ہاتھ میں نہیں

ہوتا ہے اللہ جو دیتا ہے اسی پر توکل رکھنا چاہیے " گیلری کے ریلنگ پر ہاتھ

رکھ کر اس نے دانت چباتے ہوئے رک رک کر الفاظ ادا کیے جبکہ خوشی کا

غصہ تھوڑا سا بھی کم نہ ہوا. "بہت توکل کر لیا مجھے میرے صبر کا کوئی پھل

نہیں ملا" وہ بدگمانی کی انتہا پر تھی اور شیطان اسی کا منتظر تھا. کمرے کے اندر

سے اس کی دوسری بیوی نے اسے عربی میں اندر آنے کے لیے کہا خوشی

نے آہستہ سے ہی مگر اواز سن لی تھی اس نے حیرت سے پوچھا" کون ہے "

رحیم نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا کہ "میرے کولیگ ہے جانا ہو گا

مجھے "اس نے فورا فون ٹھاک سے رکھ دیا کچھ دیر تک آسمان کے نیچے

کھڑی خوشی اپنی فون کو دیکھتی رہی اس پر آہستہ آہستہ بند ہوتا اپنے شوہر کا

نام بھی دیکھ رہی تھی شاید سورج کی طرح اس کا وجود بھی اس کی زندگی میں

ڈھلنے والا تھا۔

سمیرا آج کئی دنوں بعد سمیر سے اسی کیفے میں ملنے آئی ہوئی تھی۔ سفید پیروں تک آتا فراک کندھوں پر پھیلایا گیا سفید چمکیلا دوپٹہ بالوں کو کلچ میں باندھے ہوئے کان میں سونے کے چھوٹے ایئرنگ لیکن پھر بھی وہ خوبصورت نہیں لگ رہی تھی اس کے چہرے پر گلو تھا مگر رونق وہ نور نہیں تھا اس کی آنکھوں کے گرد پھیلے وہ حلقے اس کی سانولی رنگت کو بڑھا رہے تھے۔اس کے مقابل بیٹھا کرسی پر وہ شخص سرمئی رنگ کے ٹی شرٹ میں اس سے بات کرنے کا آغاز کرنے والا تھا"اب آپ کی بہن کی طبیعت ٹھیک ہے؟"ان دونوں کے بیچ میں پھیلی طویل خاموشی یک دم سے اس کے سوال پر ٹوٹی سمیرا نے کافی کا مگ نیچے رکھ کر اسے بغور دیکھتے ہوئے اسبات نے سر ہلایا"آپ کے والد نہیں آئے"دوسرے سوال پر اس کے

آنکھوں میں عجیب سی الجھن اتری اور اس کے چہرے پر مسکان ڈھل گئی. اس نے صرف نفی میں سر ہلایا ایسے سوالوں سے اکثر وہ بے چین ہو جاتی تھی وہ تو یہ بھی بھول گئی تھی کہ اس کا کوئی باپ ہے۔ سمیرا نے کچھ دیر کے لئے خاموشی اختیار کر لی جبکہ سمیر اس کو سننا چاہتا تھا۔ "آپ کو بولنا پسند نہیں ہے کیا" سمیر نے اسے بغور دیکھتے ہوئے پوچھا۔ سمیرا نے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے نفی میں سر ہلایا۔ "عجیب. لڑکیوں کو تو بولنے کی عادت ہوتی ہے" وہ ہنس کر بولا- "میں ان لڑکیوں میں سے ہوں جس طرح کی لڑکیوں کو آپ جانتے ہیں" سمیرا نے چبھنے والے انداز میں کہا تو سمیر کے چہرے کا رنگ غائب ہو گیا۔ "کیا مطلب ہے آپ کا" سمیر نے نا سمجھنے والے انداز میں پوچھا سمیرا نے کرسی پر ٹیک لگا کر اسے مسکرا کر دیکھا۔ "جیسا کہ آپ جانتے ہوں گے کہ لڑکیوں کو بولنے کی عادت ہے

میں ان لڑکیوں میں سے نہیں ہوں مجھے کم اور درست بولنے کی عادت ہے"اس نے درست الفاظوں کا استعمال کرتے ہوئے کہا. سمیر کچھ مطمئن سا ہوا۔"میں اپنی ماں سے بات کروں ہماری منگنی کے لیے"اس نے سمیرہ سے پوچھا سمیرا نے بے اختیار اسبات میں سر لایا سمیر کے چہرے پر ایک دل فریب مسکراہٹ آئی جنگ جیت جانے والی"او کے پھر جب آپ کی بہن گھر واپس آجائے تو میری ماں آپ کی ماں سے بات کرے گی"سمیرا نے خوشی سے دو تین بار اپنا سر پر جوش انداز میں ہلایا سمیر اس کی خوشی کو محسوس کر سکتا تھا اس نے اپنا ہاتھ اگے کر کر سمیرا کہا تھا اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کے ہاتھ کی پشت کو اپنے انگوٹھے سے سہلانے لگا سمیرہ کی ریڑھ کے ہڈی میں یک دم سے سنسناہٹ ہوئی اس نے اپنی نظریں جھکالی اسے اس حرکت کی توقع بالکل نہیں تھی لیکن ایسا بھی نہیں تھا کہ وہ اس

حرکت سے انکمفرٹیبل ہوئی تھی. اسے اچھا لگا تھا اس کی پوری زندگی میں کسی لڑکے نے اسے چھوا تھا. اسے ہی اپنی زندگی میں محبت کا پہلا لمس لگا. سمیر نے ہلکے سے اس کے ہاتھ کو اوپر کیا اور اس کے ہاتھ کو اہستہ سے چوما۔ "شکریہ" وہ تشکرانہ انداز میں اس کے ہاتھ کو واپس نیچے رکھتے ہوئے بولا سمیرا نے جواباً اسے مسکرا کر دیکھا. کچھ دیر بعد وہ یوں ہی بیٹھے بات کرتے رہے اور اس کے بعد وہ دونوں اپنے اپنے گھر کے لیے روانہ ہو گئے۔

محبت کیا کیا کر سکتی ہے؟ محبت انسان کو حیوان بنا سکتی ہے, محبت حیوان کو انسان بنا سکتی ہے, محبت انسان کو فرشتہ بنا سکتی ہے, محبت انسان کو کامیاب بنا سکتی ہے, محبت انسان کو بربادی کی حد تک پہنچا سکتی ہے, محبت مذہب بدلوا سکتی ہے, محبت خدا سے ملوا سکتی ہے. محبت کے کئی سارے رخ ہیں اور

یہ رخ انسان کا نفس طے کرتا ہے. اس ریگستان میں دھنساوہ گھر ایسے ہی کچھ محبت کے ثبوت اکٹھا کر رہا تھا۔ وہ اپنے من پسندیدہ شخص کے سامنے پیر جمائے اس کے ہاتھوں میں ہاتھ لیے اس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے مذہب بدلنے کے دعوے کر رہی تھی. "کیا تو میرے لیے اپنا مذہب چھوڑ دے گی" اس کے سوال پر وہ بے اختیار اپنا سر اسبات میں ہلانے لگی. "تو اتنا پیار کرتی ہے مجھ سے" اس شخص کو جیسے یقین نہیں آیا اسے شاید اپنی ذات میں کھوٹ محسوس ہونے لگا۔ "سب کر سکتی ہوں سب چھوڑ سکتی ہوں" ان محبت کے دعووں کو ریگستان کا ہر ذرہ سن پا رہا تھا۔ باہر دور کہیں سے مندروں میں گھنٹیوں اور آرتی کی اوازیں آ رہی تھی لوگ اپنے خدا کو سب چھوڑ چھاڑ کر منع رہے تھے تو کوئی خدا کو چھوڑ کر انسانوں کو منا رہے تھے. سامنے بیٹھا وہ شخص ندامت سے اپنی گردن جھکا کر اس سے کہنے

لگا"اگر میں نے تجھے دھوکہ دے دیا ہے تو"اس کی بات پر روشنی کے چہرے پر سفید رنگ چڑھ گیا۔"تو میں مر جاؤں گی اور مرنے کے بعد بھی آپ کو نہیں چھوڑوں گی" وہ اس کی بات پر چونک کر اسے دیکھنے لگا وہ کچھ اور بن گئی تھی۔ کنور نے اس کے ہاتھ سے اپنا ہاتھ پیچھے کیا اور اٹھ کھڑا ہوا ۔"کیا ہوا کنور سا" وہ اس کو پیچھے سے گلے لگاتی ہوئی بولی۔ کنور کے پیر تھم گئے۔"تو ایسی باتیں کرتے ہیں کہ مجھے ڈر لگنے لگتا ہے" وہ بھی نہ پلٹے بے رخی سے بولا۔"کنور سا میں تو صرف کہہ رہی تھی آپ تھوڑی نہ مجھے دھوکہ دیں گے"کنور سمجھ گیا کہ اس کا ہر قدم اسی کے عمل کا نتیجہ ہوگا ۔اس نے روشنی کو خود سے الگ کر کے اسے اپنی طرف متوجہ کیا اس کے چہرے کو اپنے دونوں ہاتھوں میں لے کر اس کی خوبصورت پر کشش آنکھوں میں دیکھنے لگا سارا کمال تو آنکھوں کا تھا اس چاند جیسے چہرے پر و

آنکھیں کسی ستاروں کی مانند تھی بے شک وہ خوشی کی سب سے حسین بیٹی تھی۔"اگر وقت نے ہمیں ایک ساتھ رہنے نہ دیا تو"خوشی نے خفگی سے اس کے ہاتھ جھڑکے "میں وقت کو ختم کردوں گی ساری دنیا کو آگ لگا دوں گی اگر کوئی ہم دونوں کو ساتھ رہنے نہیں دے رہا تو میں اس کو جان سے ماردوں گی"کنور ایک بار پھر خوفزدہ ہو گیا روشنی یکدم سے اس کے سامنے آکر کھڑی ہو گئ. "کنور سا آج آپ کو کیا ہو گیا ہے آپ ایسی باتیں کیوں کر رہے ہیں" وہ اس کے خوفزدہ چہرے کو غور سے دیکھتے ہوئے اسے تسلی دینے والے انداز میں بولی جبکہ کنور اور دو قدم پیچھے ہوا۔ "تو بھول مت میں کنور سا ہوں میرے سامنے ایسی باتیں مت کیا کر" وہ اپنے رباب میں آکر بولا اور سامنے کھڑی وہ شخص کو اس کی اوقات یاد دلانے لگا۔روشنی نے گردن جھکا کر ندامت کا اظہار کیا" معاف کر دیجئے کنور سا

آگے سے نہیں ہو گا" دولت نے محبت کی ساری ہیکڑی اتار دی۔ اگر محبت اپنے تخت پر بیٹھی ہنس رہی ہوتی ہے تو اس کے اوپر لگا وہ دولت کا تاج اسے رلا رلا کر مار دیتا ہے۔ دولت کے سامنے محبت کی کوئی اوقات نہیں بچتی۔

کوئی خوف سبز کے چہرے پر امڑ رہا تھا گاڑی چلاتا ہوا کنور کچھ ڈرا ہوا سا تھا جیسے اس کا جھوٹ کا پردہ فاش ہو چکا تھا۔ اس کے ذہن میں روشنی کی باتیں گونج رہی تھی۔ خوف کے بہت سے چہرے ہوتے ہیں اور ہر چہرہ اپنا الگ خوف رکھتا ہے۔ روشنی کے چہرے نے اسے خوف کے ہر چہرے کا دیدار کروایا تھا۔ اسٹرینگ گھماتے ہوئے اس نے ایک نظر باہر ڈالی مندر اور مسجد میں لوگوں کا حجوم تھا۔ دو مختلف رنگوں میں مذہب کو بانٹا گیا تھا۔

کستوری دیوی اپنے پتی پرتاب کے ساتھ زمینوں کو دورہ کرنے کے بعد اپنی سفید چمچماتی کار میں بیٹھ کر اپنے دوسرے سفر کا مزہ لے رہی تھی۔اس کے برابر بیٹھا وہ شخص راجستھانی پگڑی میں ماتھے پر تلک لگائے لمبی لمبی مونچھیں ہاتھوں میں چاندی کا کڑا راجستھانی لباس۔اس شخص کے چہرے پر قدرتی طور پر روب تھا۔ کستوری دیوی سرخ ساڑی کا گھونگٹ ڈالے ہونٹوں پر سرخ لالی گلے میں سونے کے بہت سارے زیورات وہ ایک حکمرانی تھی اور حکمرانی لگ رہی تھی۔ڈرائیور نے حویلی کے سامنے کار روک دی تمام ملازم بھاگتے ہوئے کار کے پاس آئے۔کار سے باہر قدم نکالتے ہی سارے ملازم پرتاب کے پیر پڑھ کر اسے نمسکار کرنے لگے

"کھڑی کھمبارانا جی "(راجستھان میں یہ سلام کرنے کا طریقہ ہوتا ہے) سارے ملازم پیر چھو کر ہاتھ جوڑ کر اس کی عزت افزائی کرنے لگے۔ ملازموں نے ان دونوں کا آگے چلنے کے لیے راستہ دیا۔ وہ پرتاب کی خاندانی حویلی تھی جہاں وہ اب نہیں رہتے تھے مگر کبھی کبھی وہاں کا دورہ کیا کرتے تھے۔ پرتاب کے پیچھے چلتی کستوری دیوی حسد سے اپنے پتی کو دیکھ رہی تھی اور اس کی بنائی گئی سلطنت کو۔ اس کے قدموں کی چاپ کو روند کر آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں ہال میں آکر بیٹھ گئے۔ پرتاب مرکزی تخت پر بیٹھا جو نہایت خوبصورت اور قیمتی تھا۔ ہال میں کچھ لوگ پہلے سے ہی اس کا انتظار کر رہے تھے سب لوگ اس کو سلام کرنے کے لیے کھڑے ہوئے اور ایک ساتھ گردن جھکا کر سلام کرنے لگے۔ کستور دیوی پرتاب کے پیچھے کھڑی ان سب کو دیکھ رہی تھی "بیٹھ جاؤ" پرتاب نے بڑے

رعب وہ دبدبے سے کہا ملازموں نے ان سب کو جوس دیا اور اپنے کام میں

واپس لگ گئے۔ ملازم نے پرتاب کے اشارے پر کستوری دیوی کو بیٹھنے کے

لیے کرسی دی وہ اپنا گھونگٹ سنبھالتی ہوئی پرتاب کے پیچھے بیٹھ گئی "بتاؤ کیا

کر سکتا ہوں" وہ راجہ پرتاب کی بڑی نرمی سے بولتا تھا وہ بے تحاشہ دولت کا

مالک اپنے لوگوں کے ساتھ نرمی سے پیش آتا تھا شاید اس لیے وہ راجہ تھا.

لوگوں میں ایک شخص نے جوس کا گلاس گول میز پر رکھ کر پرتاب کو

مخاطب کرنے لگا "رانا صاحب آپ کی جو ریگستان میں زمین ہے ہم چاہتے

ہیں کہ وہاں دیوی ماں کا مندر بنے "آدمی نے پر سکون انداز میں اپنی بات

رکھی اس کے بات پر وہ مسکرایا۔ "رانا جی ریگستان میں لوگ جا نہیں پاتے

کہتے ہیں کہ ڈر لگتا ہے اب اپنی زمین سے لوگ ڈرنے لگے ہیں اس لیے ہم

چاہتے ہیں کہ وہاں دیوی ماں کا استھان ہوں "دوسرے آدمی نے بھی اپنا

خیال پیش کیا" چودری صاحب یہ تو بڑا بڑھیا خیال ہے دیوی ماں کی کرپا سے ہی میں یہاں ہوں میں آپ لوگوں کی بات سے سہمت ہوں" پرتاب رانا نے متفق ہو کر کہا۔ صوفے پر بیٹھے سارے لوگ خوشی سے ایک دوسرے کو دیکھنے لگے "میں کرواتا ہوں کام" رانا نے خوش دلی سے کہا "رانا جی آپ سچی میں ہمارے لیے راجہ ہیں ہم دھنیے ہو گئے جی" ایک آدمی نے ہاتھ جوڑ کر تشکرانہ انداز میں کہا" کہاں راجہ ہوں میں. یہ سب تو دیوی ماں کی بھیک ہے ہم تو غلام ہیں دیوی ماں کے" وہ شان و شوکت صرف اس کی حویلی میں دکھاتا تھا نہ کہ اپنے لوگوں پر کستوری دیوی نے غصے سے سب لوگوں کو دیکھا (سب بھکھاری ہیں) اس نے دل ہی دل میں سوچا" اب ہم چلتے ہیں جی" سب نے ایک ساتھ اٹھ کر اجازت مانگی ان کے ساتھ پرتاب بھی اٹھ گیا اور ان کو نمسکار کہتا ان کو جانے کی اجازت دی

ان کے جانے کے بعد حویلی میں ایک دم سے خاموشی چھا گئی۔ لوگوں کے جانے کے بعد پرتاب نے کستوری دیوی کو سامنے آ کر بیٹھنے کے لیے کہا ملازم ٹیبل صاف کر کے خالی گلاس لے کر اندر لے جانے لگی "تجھے پتہ ہے کہ تیرے دونوں بیٹے آج کل کیا کر رہے ہیں" پرتاب کا لہجہ اور انداز بالکل ہی بدل گیا تھا اب وہ بے حد سخت اور سنجیدہ تھا "جی رانا صاحب" کستوری دیوی نے گردن جھکائے جواب دیا "دونوں کا دھیان کام میں نہیں ہے ایک کو پڑھنے کے لیے شہر بھیجا تو وہاں آوارہ گردیاں کرتا ہے اور دوسرا ہماری آنکھوں کے سامنے ہمیں کھیل دکھاتا ہے اس سے اچھا بیٹیاں پیدا ہوتی" وہ راجستھانی لہجے میں بے حد سنجیدگی اور سختی سے دانت چباتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ "جی میں سمجھا دوں گی" کستوری دیوی نے گردن جھکا کر کہا تو پرتاب نے ہنسنا شروع کر دیا پوری حویلی میں ان کے ہنسنے کی

آواز گونج رہی تھی "تو سمجھائے گی.... ارے تو تو خود ہوا میں ہے کستوری دیوی اگر میں نہ رہوں تو تو سب بیچ کر کھا جائے" پرتاب نے کستوری دیو کو اس کی اوقات یاد دلائی۔ "ریوان کو آنے دو دونوں کو میں سمجھاتا ہوں ورنہ دونوں کو مزدور بنا دوں گا" وہ دھمکی دینے والے انداز میں وہاں سے اٹھے ان کے ساتھ کستوری دیوی بھی اٹھ کھڑی ہوئی "گوپال" پرتاب نے ملازم کو آواز دی تو ایک اٹھا کھٹا نوجوان بھاگتے ہوئے ان کے پاس آیا "جی رانا صاحب" گردن جھکائے شخص نے کہا۔ "حویلی کا خیال رکھنا اور یہاں آنے والے کتوں کا بھی کہیں وہ مالک کی غیر موجودگی میں اس حویلی کا نمک نہ کھا جائے" کستوری دیوی سمجھ گئی تھی کہ کتوں سے مطلب اس کے بھائی ہیں "جی رانا صاحب" پرتاب باہر چلا گیا کستوری دیوی اس کے پیچھے

چلنے لگی ملازم کار کا دروازہ کھولے اور پرتاب اندر بیٹھا دوسری طرف سے کستوری دیوی اندر آکر بیٹھی گاڑی اب نئ حویلی کی طرف روانہ ہوئی۔

پرتاب رات کی آرتی کے بعد باہر صحن میں کھڑا چائے پی رہا تھا اس کا کتا اس کے پاس بیٹھا اسی کو دیکھ رہا تھا" بہادر دیکھنا میرے مرنے کے بعد یہ سب چہرے بے پردہ ہو جائیں گے" وہ کتے کے برابر جھک کر اس سے بولا جوابا کتا نم آنکھوں سے بھونکنے لگا" ابھی نہیں مر رہا ہوں بہادر مگر جب بھی مروں گا تو سمجھنا کہ مجھے مارا گیا ہے اسی گھر سے کوئی" وہ گھر کو دیکھ کر بول رہے تھے کتا ایک بار پھر بھونکنے لگا پرتاب نے اسے فورا گلے لگا لیا (کستوری دیوی تیرے ارادے کبھی پورے نہیں ہوں گے) وہ دل ہی دل میں سوچنے لگے اس بڑی حویلی میں صرف انہیں اپنی بیوی کی سوچ سے ڈر

لگتا تھا اوپر کھڑکی سے دیکھتی کستوری دیوی شیطانی انداز میں مسکرا رہی تھی۔

سفید ٹی شرٹ اور پینٹ میں چار پانچ لڑکوں کا گروپ سڑک پر بیٹھا گفتگو کر رہا تھا۔ ان میں سے ایک شراب سے دور بیٹھا ہوا تھا جب کہ چار لڑکے شراب کا آخری گھونٹ لے کر بوتلوں کو سڑکوں کے اس پار پھینک رہے تھے جہاں درخت تھے۔ فضا میں شراب کی بو پھیلی ہوئی تھی دور بیٹھا وہ شخص کراہت سے اپنی ناک بند کیے ہوئے تھا اس کے شرٹ کے اوپر ہی دو بٹن کھلے ہوئے تھے اور بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے وہ شراب نہ پی کر بھی نشے میں لگ رہا تھا جیسے اسے بہت گہری نیند آرہی ہو۔ وہ کالے آسمان کو دیکھتا ہوا کچھ سوچ رہا تھا "کیا سوچ رہا ہے ریوان "اس کے ایک

دوست نے اس کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا"سوچ رہا ہوں کہ میں فیل ہو جاؤں گا تو کیا ہو گا"اس کے بات پر چاروں لڑکے زور زور سے ہنسنے لگی سڑک پر پھیلی خاموشی آہستہ آہستہ ٹوٹنے لگی پیڑوں پر بیٹھے پرندے یک دم سے جاگ گئے اور ان لوگوں کو دیکھنے لگے فٹ پاٹ پر سوئے کتے بھی چونک کر ان لوگوں کو دیکھ کر ایک بار پھر سو گئے جیسے کہہ رہے ہوں گے ان انسانوں کا تو روز کا ہے۔"ارے تو لڑکی ہوتا تو تیری شادی کروا دیتے تیرا باپ تو راجہ ہے تجھے اپنی گدی دے دے گا اور تو راج کرے گا"ایک لڑکے نے پر جوش انداز میں سڑک پر جھومتے ہوئے کہا اس کا ہاتھ ابھی بھی ہوا میں تھا جیسے اس نے بوتل پکڑ رکھی ہو."میرے باؤ جی ایسے نہیں ہیں کہ میں فیل ہو جاؤں تو راجہ بنا دیں گے وہ مجھے مزدور بنا دیں گے ان کے اصول سب کے لیے برابر ہیں"ریوان اداسی سے بول رہا تھا اس کے

چہرے پر داڑھی نہیں تھی جبکہ اس کے سارے دوستوں کی شیو بڑی ہوئی تھی 18 سال کا روان بہت خوبصورت نوجوان تھا اس کی شکل وصورت پرتاب رانا سے بہت ملتی تھی نہ صرف شکل بلکہ اخلاق بھی۔ کچھ دیر وہ چاروں لڑکے شراب کے نشے میں روڈ پر سوئے پڑے رہے اس کے بعد ریوان ان سب کو لے کر ہاسٹل آ گیا چونکہ ریوان رانا صاحب کا بیٹا تھا اس سے کوئی سوال جواب نہیں کیا جاتا تھا۔

پرتاب رانا کے دو بیٹے دیوان اور ریوان۔ دیوان 22 سال کا تھا اور پرتاب رانا کا بڑا بیٹا تھا وہ رانا کے ساتھ ان کا کام سنبھالا کرتا تھا اس نے بھی یونیورسٹی آف راجستان سے اپنی فائننس میں پڑھائی مکمل کی تھی۔ پرتاب کا سپنا تھا کہ ریوران انجنیئر بنے اسی لیے وہ بھی یونیورسٹی آف راجستھان میں کا شاگرد تھا۔ دونوں ہی جوان تھے۔

ہاسٹل کی کھڑکی کے پاس کھڑے اس نے چاند کو دیکھا کالے آسمان میں مکمل چاند تھا۔ نہ ستارے نہ روشنی۔ اسے اپنے گھر اور اپنے باپ کی بہت یاد آرہی تھی وہ دو بار فیل ہو چکا تھا اب اگر فیل ہوتا تو وہ پکا کھیتوں میں کام کرنے کا حقدار ہوتا۔ اس کے باپ کا اصول صرف لوگوں پر نہیں خود کے بچوں پر بھی لاگو ہوتا تھا۔ وہ بہت اچھے سے جانتا تھا "دیوی ماں اس بار پاس کرادینا" وہ آسمان کو دیکھ کر ہاتھوں کو جوڑ کر دعا کرنے لگا کچھ دیر یوں ہی کھڑے رہنے کے بعد وہ سونے چلا گیا.

"تم پرانی حویلی آجانا کل وہیں ملوں گا میں تم سے "رات کے 11 بجے دیوان کھڑکی کے پاس کھڑا فون میں بات کرتے ہوئے بولا دوسری طرف

پر جوشی کا عالم تھا'''' اچھے سے تیار ہو کر آنا جو میں نے دلائے تھے کپڑے وہیں پہن کر آنا'' وہ اپنی فرمائش بول رہا تھا اور دوسری طرف خوشی سے اس کی بات مان لی گئی تھی. کچھ لوگ ہماری خواہشوں کو اپنا خود کا ارمان بنا لیتے ہیں۔ چاند کی روشنی اس کے چہرے پر بر عکس پڑ رہی تھی کمرے میں اے سی کی ہلکی ہلکی ہوا چل رہی تھی وہ کھڑکی بند کر کے کمرے کے اندر آ کر بیڈ پر لیٹ گیا۔

دوسرے دن دیوان نہا دھو کر اچھے لباس میں سیڑھیوں سے اترتا ہوا ترو تازہ لگ رہا تھا۔ وہ سیدھا ڈائننگ ٹیبل پر آیا وہاں پہلے سے ہی پرتاب اور کستوری ناشتہ کر رہے تھے وہ کرسی کھینچ کر بیٹھ گیا۔ ملازمہ نے اس کی پلیٹ میں ناشتہ ڈالا پرتاب نے ایک نظر اس پر ڈالی '' کہاں چلی سواری '' ان

کی گمبھیر اواز میں ڈائننگ ٹیبل پر چھائی خاموشی کو توڑا۔ ناشتہ کرتے

ہوئے دیوان ٹھٹکا سر اٹھا کر نوالہ چباتے ہوئے اپنے باپ کو دیکھا پھر اپنی

ماں کو جوان دونوں کو باری باری دیکھ رہی تھی۔ "باؤجی... وہ.. کھیتوں کی

طرف... جارہاہوں" دیوان نے سوچ سوچ کر بولا۔ "کون سے کھیتوں کی

طرف اور کس ملا کی داڑھی میں تنکا ڈھونڈ رہے ہو" ان کی بات بہت عجیب

تھی دیوان کو ایک دم سے لگا کہ اس کے باپ کو اس کا سچ پتہ ہے. "باؤجی...

اپنے کھیتوں کی طرف کسی ملا سے میرا کیا کام" وہ اپنے آپ کو مشکل سے

سنبھالتا ہوا بولا" بالکل یہی کام ہوا گر دوسرا کوئی کام کرنا ہو تو مہورت ہم

نکلوا کے دیں گے" وہ ذو معنی انداز میں بات بول کر ہاتھ دھو کر چلے گئے۔

ٹیبل پر کستوری دیوی اور دیوان ایک دوسرے کو دیکھنے لگے" دیوان کچھ کیا

ہے تم نے" کستوری دیوی نے اس کے چہرے کو بغور دیکھتے ہوئے پوچھا

"جی ماں جی کچھ نہیں کیا ہے" اس نے آسانی سے کہا اور. کستوری دیوی نے فورا اپنے بیٹے پر یقین کر کے اس بات میں سر ہلایا اور اندر چلی گئی. ٹیبل پر بیٹھے بیٹھے دیوان نے اپنے کسی آدمی کو میسج کیا اور فون واپس رکھ دیا. ناشتے کے بعد وہ وہاں سے باہر نکلا ملازم نے کار کی چابی اسے پکڑائی وہ بہت جلدی میں حویلی سے نکل گیا۔

پرانی حویلی پہنچتے ہے اس کے آدمی نے گیٹ کھولا اس کے کہنے کے مطابق اس آدمی نے سارے ملازموں کو حویلی سے باہر بھیج دیا تھا۔امیروں کی ایک بات ہوتی ہے کہ یہاں سب کا الگ ایک خاص آدمی ہوتا ہے جو ان کا رازداں ہوتا ہے۔ گیٹ کھول کر اس نے کار کا دروازہ کھولا دیوان باہر آکر اپنے اس آدمی کو شاباشی دیتے ہوئے اسے کچھ پیسے دیے۔ "کہاں ہے؟ آ

گئی ہے وہ"اس نے مرکزی دروازے کو دیکھ کر پوچھا"جی کنورسا کب کا" وہ سانولی رنگت کا آدمی مسکراتا ہوا بولا. "کسی کو کوئی شک"

"کیسا شک کنورسا ملازمہ کی بیٹی ہے حویلی میں کام تو کرے گی ہی"دیوان کے چہرے پر دل فریب مسکراہٹ آئی. "تم یہیں رہنا"وہ اس کا کاندھا تھپتھپاتا ہوا اندر کی سمت چلا گیا. وہ آدمی نے وہیں گیٹ پر تعینات ہو کر بیٹھ گیا۔

ہم جتنے سیاہ کار ہوتے ہیں اتنے ہی سفیدی سے گھرے ہوتے ہیں تاکہ ہمیں ہمارا عکس نہ نظر آجائے۔"رانا صاحب آپ کو کس پر یقین ہے" صبح کی دھوپ رانا صاحب کے آفس میں پڑ رہی تھی۔وہ اپنے معمول کے لباس میں جھولتی ہوئی کرسی پر بیٹھے دیوار کو دیکھ رہے تھے CA کے سوال پر وہ

اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ وہ سلیقہ سے بال اور شیو کئے نیلے سوٹ میں ہاتھوں کو پیٹ پر ایک کے اوپر ایک رکھ کر بڑی گہری آواز میں بولا۔ ان کا CA ایک قابل اعتبار ہونہار ہوشیار 32 سال کا شخص تھا جس نے اپنی پوری زندگی رانا صاحب کے لیے صرف کر دی کیوں کہ وہ انہی کی بدولت CA تھا اور رانا صاحب کو بھی سب سے اسی پر بھروسہ تھا۔ "ریوان پر" کرسی کو روک کر ٹیبل پر اپنے ہاتھ رکھے۔ لہجے میں نرمی تھی جو صرف محبت کے قابل لوگوں کے لئے ہوتی ہے۔ ان کی کرسی کے پیچھے ان کے ساتھ ان کے دونوں بیٹوں کی تصویر لگی ہوئی تھی۔ رانا صاحب نے کیشو کو بیٹھنے کے لیے کہا۔ وہ کرسی آگے کرتا ہوا بیٹھ گیا۔ "ریوان چالاک نہیں ہے "اتنے سالوں میں کیشو جان چکا تھا کہ ریوان ایک معصوم پرندہ ہے۔" کبھی کبھی چالاکی ڈوبا دیتی اور نرمی ناؤ پار کرا دیتی ہے" کیشوان کے تبصرے پر

استزائیہ طور پر مسکرایا۔ "سر کبھی کبھی" اس نے اپنے لفظوں کو زور دیتے ہوئے کہا۔ پرتاب بھی جوابا مطمئن سے مسکرائے۔ "ریوان میرا بیٹا ہے کیشواس پر دیوی ماں کی خاص کرپا ہے مجھے اس بات کی خوشی ہے کہ اس میں کستوری دیوی کی کوئی مکاری نہیں ہے" کرسی ایک بار پھر جھولنے لگی ۔ باپ کے تبصرے بیٹے کے معاملے میں بھلے ہی غلط ہوں مگر ان کا یقین بہت تگڑا ہوتا ہے ریوان نے یہ یقین کمایا تھا۔ اور دیوان اپنی ماں کی دولت تھی۔ کھو کھلی دولت ۔

آج نتیجے کا دن تھا۔ کچھ نمبر ہماری زندگی میں ہمارا مقام و مرتبہ طے کرتے ہیں۔ یہی نمبر ہمیں دنیا کی نظر میں درجہ دیتے ہیں۔ سالوں سے ایجوکیشن سسٹم انی نمبروں سے چل رہا ہے ان نمبروں کو حاصل کرنے کے لیے

نوجوان ہر ممکن کوشش کرتے ہیں پھر وہ چاہے صحیح ہو یا غلط۔ ریوان اور اس کے دوست سکور بورڈ کے سامنے اپنے نمبر دیکھنے کے لیے جدوجہد کر رہے تھے۔ کئی دیر کھینچاتانی کے بعد انہے اپنا مقام ملا۔ وہ پانچوں پاس ہو گئے تھے۔ وہ پانچوں خوشی سے ایک ساتھ ناچنے لگے_ کوئی سٹوڈینٹ سے پوچھے پاس ہونے کی خوشی۔ بھلے ہی وہ اول نمبر پر نہیں تھے بھلے ہی وہ جسٹ پاس ہوئے تھے مگر بات تو خوشی کی تھی ان پانچوں کو بس یہی تو چاہیئے تھا باپ بھائی کی نظر میں عزت باقی رہے پھر دنیا چاہے جائے بھاڑ میں... کیا فرق پڑتا ہے دنیا کونسا ہمیں سنبھالتی ہے کہاں دینا ہماری پڑھائی میں پیسے اور امید لگاتی ہے یہ کام تو اپنے کرتے ہیں خاص کر باپ....

ان پانچوں نے فون نکال کر سب سے پہلے اپنے اپنے باپ کو بتایا ریوان نے جب پرتاب کو اپنے پاس ہونے کی خبر دی تو وہ خوشی سے ہوا میں اڑنے لگے آخر کار ان کے صبر کا پھل ملا۔

کیسا راستہ ہے جس پر میں چل پڑا ہوں

نہ سامان ہے ہاتھ میں، نہ ذہین ہے کام کا

اکیلا میں جس راستے پر چل پڑا ہوں

گھر والوں نے روکا, دوستوں نے ٹوکا

باپ کو ستا کر, دوستوں کو راستے سے ہٹا کر

اکیلا چل پڑا ہوں اس راہ پر

مجھے بچالو میرے عزیزوں

مجھے اندھیرے سے بچالو

مجھے چراغ امید دکھاؤ کوئی

میں پھنسا ہوں خالی کنویں میں

مجھے آواز دے کر بلاؤ کوئی

اک لمبی نیند میں سوئی ہے آنکھیں

لفظ قید ہے حلق میں نہ کر پاؤں میں باتیں

مجھے میرے بستر سے اٹھاؤ کوئی

مجھے لمبی نیند سے جگاؤ کوئی

ریوان اور دیوان آج کئی دنوں بعد ایک ساتھ اپنے آفس میں ایک دوسرے کے مقابل بیٹھے ہوئے تھے دونوں کے ہاتھ میں فائیلیں تھی دونوں ہی سنجیدہ تھے دیوان کے ماتھے پر بل پڑ رہے تھے جبکہ ریوان کی آنکھیں سکڑ چکی تھی۔ "اب تم خوش تو ہو نہ "جب دیوان کے دماغ زیادہ الجھنے لگا تو اس نے فائل ٹیبل پر رکھ کر ریوان کو مخاطب کیا۔ ریوان نے فائل سے نظریں ہٹائے بغیر ہمم کہا۔ "دل لگ رہا ہے "ایک طویل

خاموشی کے بعد دیوان نے پھر سے دیوان کو مخاطب کیا۔"دنیا دل لگانے کی جگہ نہیں ہے"اس نے اسی مصروفیت کے عالم میں کہا دیوان اس کے تبصرے پر زور زور سے ہنسنے لگا۔ حتی کے اس کا چہرہ سرخ ہو گیا۔ مگر ریوان نے کوئی رد عمل ظاہر نہیں کیا۔"تم تو سنت آدمی بن گئے ریوان" سالوں بعد یہ بات ریوان کو ایک چابک کی طرح لگی۔اس نے پنے پلٹنے بند کر دیئے ۔"اُف ریوان" دیوان نے ہنسنے کے بعد کہا اور ٹیبل سے گلاس کا پانی اٹھا کر پینے لگا۔ریوان نے فائل ٹیبل پر رکھی اور دیوان کو غور سے دیکھنے لگا۔اس کی نظروں سے دیوان ٹھٹھکا۔"کیا ہوا بری لگی بات"اس نے خود سے تبصرہ کیا۔ریوان نے ایک لمبی سانس خارج کی۔"کارخانوں کے حساب کتاب میں یہ گڑبڑ کیسی بھائی سا"دیوان کے چہرے کا رنگ غائب ہو گیا۔ اس نے آگے آکر ریوان نے سامنے پڑی فائل کو دیکھا۔وہ اتنی بڑی اتنی

آسانی اور سکون سے کیسے کہہ سکتا ہے۔ "کوئی گڑبڑ تو نہیں ہے ریوان "
ریوان نے اپنے تعثرات قائم رکھے۔ وہی سنجیدہ پنجو پرتاب رانا کے چہرے
پر ہوا کرتا تھا۔ دیوان کو ایک لمحے کے لیے اس سے خوف محسوس ہوا۔ "
بھائی سا۔ آپ پہلے خود کو جواب دیجئے اس کے بعد مجھے "وہ بڑی آسانی سے
کہتا وہاں سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد دیوان نے وہ فائل چیک جو
ریوان دیکھ رہا تھا۔ اس نے فائل میں حساب کتاب دیکھ کر اپنے بالوں کو
نوچا۔ "میں نے اتنی بڑی غلطی کیسے کر دی" وہ اپنے آپ کو غصے سے کہنے
لگا۔ وقت آگیا تھا رانا صاحب کے خون کے جوش میں آنے کا جو وہ با آسانی
دیکھ پا رہا تھا۔ وقت پلٹ رہا تھا۔ آہستہ آہستہ ریزہ ریزہ۔ گھڑی کی سوئی
اپنے آپ الٹی چل رہی تھی۔

ریوان اپنے CA کیشو کے ساتھ کا خانوں میں چکر لگا رہے تھے۔ CA نے اسے بازبانی سب حساب بتا رہا تھا۔ کا خانوں میں چلتے ہوئے ریوان یک دم سے رک کر کیشو کو دیکھنے لگا۔ "کیا آپ اب بھی وہیں ہیں جو باؤ جی کہا کرتے تھے یعنی ایماندار بھروسے کے قابل" اس کے لہجے میں نہ نرمی تھی نہ سختی۔ "آپ کو کیا لگتا۔" کیشو نے اپنے ڈھلتے تعثر کو قابو پاتے ہوئے کہا ۔"سوال کرنے والے سے اس کی رائے نہیں پوچھی جاتی" کیشو ہلکا سا مسکرایا۔ "میرے کہنے سے اگر آپ کو تسلی ہو میں وہی کہوں گا"

"بالکل نہیں. آپ وہ کہیں گے جو سچ ہو گا بھلے ہی وہ تسلی نہ دے"

"میرا کام آپ کا ذہنی طوازن برقرار رکھنا ہے"

"آپ کا کام اس کاروبار کی مالی حالات کی جانکاری رکھنا ہے آپ CA ہیں وہی کام کریں اگر مجھے ذہنی طور پر ضرورت پڑے گی تو میں نفسیات کے

ڈاکٹر کے پاس چلا جاؤں گا" اس کا انداز دو ٹوک تھا۔ وہی انداز جو پرتاب کے آخری وقت میں تھا۔ ریوان کو یہ اندازہ ہو گیا تھا کہ بہت بڑی گڑ بڑ ہے۔ وہ وہاں سے اکیلا باہر آ گیا۔

بہت دنوں بعد آج حویلی کی دونوں بہوئیں ساتھ میں باورچی خانے میں کام کر رہی تھی دونوں نے سر پر پلو اوڑھے رکھا تھا دونوں کے ہاتھوں میں چوڑیاں تھی۔ لیکن ریشمی کے چہرے کے برعکس دشا کا چہرہ مسکرا رہا تھا اس کے زندہ دل ہونے کی طرف گواہی دے رہا تھا۔ "بھابھی میں نے یہ کر دیا ہے میں ماں جی کے پاس جا رہی ہوں انہوں نے بلوایا تھا۔" اس نے گیس بند کر کے اپنا پلو صحیح کرتے ہوئے نرمی سے کہا۔ اس کے جواب کا انتظار کئے بنا وہ وہاں سے چلی گئی۔ اس کے جاتے ہی روشنی اسے دل ہی دل

میں کوسنے لگی۔"آپ کی مشکلوں کا حل صرف ایک کے پاس ہے بہو رانی "ایک عمر دراز خاتون جو کہ اس حویلی کی پرانی ملازمہ تھی ریشمی کے برابر بیٹھتے ہوئے کہا۔اس کی بات پر ریشمی نے چونک کر اسے دیکھا۔"کس کے پاس" ملازمہ نے پانی کا جگ ٹیبل پر رکھ کر اسے دیکھا۔"شیطان کے پاس"اس نے ریشمی کو دیکھے بغیر کہا۔"پھر لے چلو مجھے"اس ملازمہ کو اتنے جلدی جواب کی توقع نہیں تھی اس نے حیرانی سے ریشمی کو دیکھا جو اپنے جواب سے مطمئن اور پرسکون تھی شاید اسے یہی حل کی تمنا تھی۔

کہاں ڈھونڈوں تمہیں؟

کہاں ملو گے تم؟

حسد کی آگ میں

موسیقی کے راگ میں

بغض رکھنے والی سہیلیوں میں

تمہارے دل کی سیاہ گلیوں میں !

کیسے پہچانوں تمہیں ؟

کیسے بلاؤں تمہیں "

ہستی ہے جو غموں کو دیکھ کر زندگی

کرے جو ایک کو چھوڑ کر انیکوں کی بندگی

مجھے بلاؤ میں ایک آواز پر حاضر ہوں

کھڑے ہو جاؤ آئینہ کے سامنے تو ظاہر ہوں

دولت بہت فیصلے خود کرتی ہے جیسے انسان کا پہناوا، کھانا پینا, چلنا, خواہشات, کپڑے. امیر جب کسی غریب کے دروازے پر آتے ہیں تو ساری نظریں اور انگلیاں ان پر اٹھتی ہیں۔ نازیبا جگہوں پر جانے سے پہلے پیسہ چادر اوڑھ لیتا ہے کالی, سرخ, یا پھر سفید۔ ملازمہ کے کہنے کے تقریباً 5 دن بعد وہ اس کے ساتھ ایک غوفہ کے لیے روانہ ہوئی۔ کار کو دور ہی روک دیا گیا ملازمہ نے پہلے قدم رکھے. کالی قیمتی چادر کو اپنے اعطراف اسطرح اوڑھے کے کوئی اس کا چہرہ دیکھ نہیں پائے۔ غوفہ میں داخل ہوتے ہی ریشمی نے قدرے حقارت سے اپنی ناک پر ہاتھ رکھ لیا غوفہ میں

نہایت غلیظ بو قید تھی۔ جو ہوا کے ساتھ باہر نہیں آ رہی تھی۔ ملازمہ کی طبیعت میں کچھ بدلاؤ نہیں آیا وہ ریشمی کو راستہ بتاتی لاپرواہ سی آگے بڑھ رہی تھی۔ وہ دونوں اس شیطانی بابا کے پیچھے آ کر رک گئے۔ ریشمی نے اس شخص کو برہنہ حالت میں پا کر اپنی آنکھیں فوراً بند کر لی۔ "حویلی سے یہاں آنے کی تکلیف کیوں کی" غوفہ میں ایک دم گھمبیر آواز گونجی۔ ملازمہ نے اپنے ہاتھ جوڑ رکھے تھے ریشمی ان دونوں کو باری باری دیکھ کر چونک کر سیدھی ہوئی۔ "حویلی ہی تکلیف ہے" ریشمی نے ناک سے ہاتھ ہٹائے بغیر آہستہ سے کہا۔ اس کی بات پر وہ ہنسنے لگا۔ "کیوں پیسہ مرحم نہیں خرید پایا" ریشمی نے ناگواری سے ملازمہ کو دیکھا۔ "انہیں آپ کی مدد چاہیے" ملازمہ نے گڑبڑا کر کہا۔ "بتاؤ کیا کام ہے"

"میری دیورانی دشا پر کالا جادو کروانا ہے۔مجھے وہ سخت ناپسند ہے وہ میری ساس کی چہیتی ہے اور آج نہ کل حویلی کی مالکن بن جائے گی میں چاہتی ہوں کہ وہ میرے راستے سے ہٹ جائے میں نے اپنی پوری زندگی حویلی کو دی ہے مجھے ملنا چاہیے ہے سب" وہ ایک ہی سانس میں بنارکے بول کے چپ ہو گئی۔

"ہو جائے گا بدلے میں کیا"

"جی ؟" ریشمی نے نا سمجھنے والے انداز میں چونک کر کہا۔"بدلے میں کیا ملے گا کوئی کام بنا مطلب و غرض کے نہیں ہوتا"

"کیا چاہیے آپ کو" اس کا جواب سن کر وہ چونکی لیکن اس کی بات مان لی اور اس کو اس کے اجر کا وعدہ کر کے چلی گئی۔

(ریشمی نے دماغ میں ریوان کے جسم سے خون کو حاصل کرنے کی تدبیریں

بنانے لگی۔اس نے ریوان کو داؤ پر لگایا تھا)

وہ پرانی حویلی کے مرکزی دروازے کے باہر بیٹھا گھٹنوں پر ہاتھ رکھے کسی

سوچ میں گم تھا۔دماغ کا ہونا بھی اور اسکا اچھا کام کرنا بھی ایک عذاب ہی

ہے۔

["ریوان کبھی کسی پر بھروسہ مت کرنا."

"ریوان تو نے مجھے نہیں خود کو دھوکہ دے بیٹھا ہے-"

"وہ عورت جو تیرے لے تیری لمبی عمر کے لیے بھوکی رہتی ہے تو نے اس

کو نظر انداز کیا۔"

"ریوان مجھے چھوڑ کر مت جا"]

انسان چلا جاتا ہے مگر اس کی یادیں نہیں۔جو بچھڑا تھا وہ اسکا باپ تھا اس کا سہارہ اس کا رہنما۔"باؤ جی مجھے معاف کر دیجیئے"اسے احساس نہ ہوا کہ کب اس کی آنکھیں اس کی اجازت کے بغیر برس رہی تھی۔"آپ کی راہ پر میں چل نہ سکا، میں بہک گیا تھا میں گنہگار ہوں مجھے آج تک اس بات کا پچھتاوا"جو یہ سب سننے کا حقدار تھا اس کی جگہ اس کی ملکیت یہ اظہار سن رہی تھی۔پرانی حویلی کی دیواریں خستہ تھی کیونکہ ان کا مالک دنیا سے چلا گیا تھا۔ چھت گرنے والی تھی کیونکہ اسکا ستون زمین بوس ہو گیا تھا۔کئی دیر یونہی ندامت میں گزار کر وہ واپس چلا گیا۔

آج شام وہ فارنسک لیب میں ڈاکٹر کا منتظر تھا۔ڈاکٹر اپنے ہاتھ میں رپورٹس لے کر داخل ہوا۔وہ عیسی کو سلام کرتا اپنی کرسی پر آکر بیٹھا۔عیسی کے

آگے رپورٹس کرتے ہوئے وہ گھبرا رہا تھا اس کے ماتھے پر پسینے کی بوندیں سورج کی ڈھلتی روشنی میں چمک رہی تھی۔ "اتنے سالوں بعد بھی باڈی ڈی کمپوز کیوں نہیں ہوئی کیا کسی کیمیکل کا استعمال کیا گیا تھا۔" عیسی نے فائل سے نظریں ہٹائے بغیر پوچھا۔ "یہی تو حیرانی والی بات ہے DSP صاحب بنا کسی کیمیکل کے یہ باڈی تازہ کیسے ہے" ڈاکٹر پانی کا گلاس ٹیبل سے اٹھاتے ہوئے روانی سے بولا۔ " ITS totally impossible" ڈاکٹر نے ایک سانس میں پانی پی کر گلاس واپس رکھ دیا عیسی نے ڈاکٹر کو بغور دیکھا۔ "آپ کے گھبرانے کی وجہ جان سکتا ہوں "آئیبروز کو سکڑتے ہوئے شک کی نگاہ سے دیکھتے ہوئے پوچھا۔ "کیا DSP صاحب مجھ پر بھی شک_ جس لاش کا میں نے ایگزامیشن کیا ہے اس کے ٹکڑے ٹکڑے ہوئے ہیں ان کو یاد کر کے ہی مجھے کراہت ہو رہی

ہے"ڈاکٹر دوٹوک انداز میں فوراً جواب دیا ورنہ وہ تو عیسی کے شک کے دائرے میں آجاتا۔"آپ مسنگ کیسس سٹڈی کریں شاید کوئی سوراخ مل جائے"بہت دیر کی خاموشی کے بعد ڈاکٹر نے اپنی صلاح پیش کی۔عیسی نے نظریں اٹھا کر اسے دیکھا۔"شکریہ بتانے کا ورنہ ہمیں تو پتا ہی نہیں تھا" وہ طنزاً انداز میں بول کر فائل لے کر چلا گیا۔

گاڑی چلاتے ہوئے اس نے ایک نظر فائل پر ڈالی وہ کالے رنگ کی فائل جس کے اندر کسی کے جسم کے ٹکڑوں کی جانکاری تھی۔سٹیرنگ کو ایک ہاتھ سے گھماتے ہوئے اس کی نظر میں راستے پر کھڑا دیوان نظر آیا۔وہ ایک عام آدمی سے بڑے غصے میں بات کر رہا تھا یوں مانو جیسے اسے ڈرا رہا ہو عیسی جب جب اس کو دیکھتا ویسے ہی اس کا خون کھولنے لگتا اس کی آئیبروں

اسے دیکھ کر یک دم سے سکڑ گئی اور اس کے ماتھے پل پڑ گئے۔اس نے آہستہ سے گاڑی دیوان کے سامنے روکی گاڑی کا شیشہ نیچے کرتے ہوئے اس نے دیوان کو آواز دی۔چونکہ دیوان اس آدمی کو ڈانٹنے میں اتنا مصروف تھا کہ اسے گاڑی رکنے کی کوئی آواز نہیں آئی اس نے اس کے بلانے پر چونک کر اسے دیکھا اور غصے سے اپنی مٹھی بھینچ لی۔جو حال عیسی کا تھا وہی حال دیوان کا تھا اس کے خون میں بھی ارتعاش آجاتا جب جب وہ عیسی کو دیکھتا۔"کیا حال ہے۔کہیں آج اس آدمی کا قتل تو نہیں کرنے والے آپ" دل میں بے حساب گالیاں مگر زبان میں شہد سا لہجہ لے کر اس نے دیوان کو چھیڑا۔ملازم کو ترش نگاہوں سے اندر جانے کے لیے کہہ کر دیوان اس کی طرف متوجہ ہوا۔"اس آدمی کا تو پتہ نہیں لیکن تمہارا قتل ضرور کر دوں گا" دیوان نے بھی اسی لہجے میں اسے دوٹوک انداز میں

جواب دیا لیکن عیسی کے رویے میں کوئی تبدیلی نہیں آئی وہ اب بھی خوش مزاجی کا ڈھونڈ کر رہا تھا. "ٹھیک ہے ! جب آپ کا من کریں ایک کال کر دیجئے میں آپ کے سامنے حاضر ہو جاؤں گا پھر شوق سے میرا قتل کیجئے گا" وہ گاڑی کو ایک بار پھر سٹارٹ کرتے ہوئے اس کو تپاتے ہوئے وہاں سے چلا گیا اس کے جانے کے بعد دیوان زمین پر اپنا پیر پٹکتے ہوئے دل ہی دل میں اسے ڈھیروں گالیاں دی۔

مغرب کی نماز کے بعد وہ اپنے سٹیشن کے قریب والی مسجد میں بلند آواز میں قران پڑھ رہا تھا چونکہ مسجد پوری خالی تھی اسی لیے اس کی آواز گونج رہی تھی۔ وہ سورہ نور کی تلاوت کر رہا تھا۔ اس نے اپنا نیلا کوٹ بازو رکھا ہوا تھا اور اس کے سفید شرٹ پر ہلکی سی سلوٹیں آئی تھی۔ اس کے بالوں

میں وضو کا پانی باریک باریک بوندوں کی شکل میں چمک رہا تھا۔ مسجد کے باہر نوجوانوں کی مذاق مستی کی آوازیں اندر تک آرہی تھی مگر باوجود اس کے وہ اپنی تلاوت میں مشغول رہا۔ تلاوت ختم کرنے کے بعد وہ باری باری قران کو اپنے دونوں انکھوں سے لگاتا گیا اس کے بعد اس کو چوم کر اپنے سینے سے لگا کر رب سے دعا کی کہ وہ ہر دن اسے قران شریف کی تلاوت کرنے کا شرف بخشے۔ قران کو اس کی جگہ پر رکھ کر وہ اپنا کورٹ اپنے ایک ہاتھ میں پکڑے فون کو اپنی جیب سے باہر نکال کر ہاتھ میں رکھتے ہوئے وہ باہر آیا۔ بھاری بھاری وہاں بیٹھے تمام نوجوانوں کو غور سے دیکھا۔ وہ لگ بھگ 2120 سال کے لڑکے تھے جو ٹی شرٹ اور ٹائٹ جینز میں ایک دوسرے کے ساتھ مستی مذاق کر رہے تھے۔ "مسجد خدا کا گھر ہے اس کے سامنے ایسے شور شراب مستی مذاق واحیات لگتے ہیں. اگلی

بار سے یہاں کوئی نظر آنے نہ پائے اگر تمہیں تلاوت کرنی ہے یا عبادت کرنی ہے تو اندر جا کر چپ چاپ کیا کرو کسی اور کو پریشان کیا تو تھانے میں بند کر دوں گا" اس کا لہجہ اتنا سخت تھا کہ وہاں بیٹھے تمام نوجوان ڈر کے مارے وہاں سے چلے گئے. ان کے جانے کے بعد وہ گہری سانس لیتا ہوا پولیس اسٹیشن کی طرف روانہ ہو گیا. جب وہ پولیس سٹیشن پہنچا تو سب لوگ اپنے اپنے کام میں مصروف تھے وہ سیدھا اپنے کیبین میں چلا گیا۔ کیبن میں اپنی کرسی پر آ کر بیٹھ کر اس نے ریم کو فون کیا دو تین بیل کے بعد فون اٹھا لیا گیا دوسری طرف چہکتی آواز میں اسے سلام کیا گیا اور اس کی خیریت پوچھی گئی۔ کچھ دیر پہلے جو اس کے لہجے اور شکل پر سختی چھائی ہوئی تھی اب وہ پوری طرح ڈھل چکی تھی جیسے آسمان میں سورج ڈھل گیا تھا۔ "میں ٹھیک ہوں تم کیسی ہو" وہ اسی پر جوش لہجے میں

بولا۔ ''میں تو تب ٹھیک ہوں گی جب آپ میرے سامنے ہوں گے'' اس کے بات پر وہ کھل کھلا کر ہنسنے لگا۔ ''اچھا جی'' دوسری طرف ریم مسکرائے جا رہی تھی۔ ''آپ آئیں گے یا نہیں'' اس نے عیسی کی ہنسی تھمنے کے بعد اس سے پوچھا۔ ''دیکھتے ہیں میڈم کیا ہوتا ہے اگر کام ہو گیا تو آ جاؤں گا ورنہ یہیں رہنا پڑے گا آج ایک دن کی دوری برداشت کر لیجئے اور کھانا وقت پر کھا لیجئے ورنہ آپ کا ایک غلام ندامت سے مر جائے گا'' اس کے تبصرے پر ریم زور زور سے ہنسنے لگی کچن میں کھڑی ملازمہ اسے دیکھ کر مسکرانے لگی وہ جب جب مسکراتی تھی آس پاس کے لوگوں کو زندگی بخشتی تھی انسان نہ چاہتے ہوئے بھی اسے ہنستا دیکھ کر مسکرا جاتا۔ ''ٹھیک ہے ملکہ نے آپ کو آج کے جدائی کی اجازت دی'' وہ بھی اسی طرح بولی۔ ''ٹھیک ہے پھر کیا مجھے فون رکھنے کی اجازت ہے'' ریم نے اجازت دے کر فون رکھ دیا فون

کو اپنے سینے سے لگائے کچن کاؤنٹر کو گھورتے ہوئے وہ بے مقصد مسکرانے لگی۔اس کے چہرے پر سرخی چھائی ہوئی تھی حتیٰ کہ اس کے کان کی لو تک سرخ ہو چکی تھی اس کی آنکھوں میں آسمان میں موجود تمام ستارے ٹم ٹم کر رہے تھے. ملازمہ نے اس کو ہوش میں لانے کے لیے اس کی کہنی پکڑ کر اسے جھنجھلایا وہ فوراً ہوش میں آکر ملازمہ کو دیکھ کر مسکرا کر سبزی کاٹنے لگی. "شادی کے اتنے سالوں بعد بھی آپ کا یہی حال ہے میم جی" ملازمہ نے ٹوٹی پھوٹی ہندی میں اسے مخاطب کیا. اس کے تبصرے پر گاجر کاٹتی ہوئی ریم مسکرائی. "ہاں" ملازمہ اس کے تعاثرات کو دیکھ کر ہی حیران ہو رہی تھی یا یہ بے یقینی تھی جو اس کے چہرے پر آئی تھی. کیونکہ ملازمہ نے اپنی پوری زندگی میں اتنی خوش شادی نہیں دیکھی تھی نہ اتنی خوش شادی شدہ عورت دیکھی تھی. اس کے آس پاس کے تمام عورتیں اپنی شادی کی

اور اپنے پتی کی صرف برائی کرتی اور اس کو چھٹکارا پانے کے سپنے دیکھتی.
مگر اس کے سامنے ایسا منظر تھا جہاں ہر لمحہ نیا ہوتا اور ہر لمحے میں اس کی شادی اور گہری اور مضبوط ہوتی. "کیا راز ہے جی آپ کی اس خوشحال شادی کا" گاجر کو پلیٹ میں رکھتے ہوئے ریم نے ملازمہ کو دیکھا. "جب مرد محبت زیادہ کرے" وہ بڑے نرم لہجے میں بولی. اس کے تبصرے پر ملازمہ اپنا پیٹ پکڑ کر ہنسنے لگی. "مرد کی محبت تو کچھ ہی لمحوں کی ہوتی ہے" کچن میں موجود گول دائرے نما میز پر سر پر دوپٹہ رکھ کر ریم مسکرائی. "میں نے کہا مرد. مرد کی محبت آخری سانس تک زندہ رہتی ہے اور کبھی کبھی تو آخرت میں بھی زندہ رہتی ہے." کچھ نے ملازمہ کے لفظوں کو درست کرتے ہوئے کہا. "اس حساب سے تو جی سماج میں کوئی مرد نہیں ہے" ملازمہ نے اپنی شانے جھٹکاتے ہوئے کہا. "سماج میں صرف آدمی

ہے مرد بہت کم ہے" وہ آسمان میں چاند کو دیکھ کر دھیمے نرم لہجے میں بولی

ملازمہ اس کے بعد سے متفق ہوئی. ایک کامیاب شادی عورت کے

مسکراتے چہرے سے پہچانی جاتی ہے۔

وہ کھانا کھا کر اپنے کمرے میں گہری نیند میں سوئی ہوئی تھی۔رات کے تقریبا 1 بجے باہر ہواؤں نے اپنا رخ موڑ لیا تھا۔ہواؤں کی شدت سے کھڑکیاں اپنے آپ کھل گئیں اور بیڈ پر سوئی ریم کے بالوں کو بکھیرنے لگی ۔اس کے بال اس کے رخسار پر تھے۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ پر سکون سوتی رہی۔اس کے بازو میں اون کا گولا تھا شاید وہ کچھ بنانا چاہتی تھی اور بناتے بناتے ہوگئی۔ان ہواؤں نے کمرے سے نکل کر باہر ہال میں ہوئی ملازمہ کو جگایا۔وہ سر پر چادر اوڑھے سوئی ہوئی تھی۔ ہوا کی وجہ سے اس کی

چادر آہستہ آہستہ اس سے الگ ہوئی۔ جب ملازمہ کو ٹھنڈ محسوس ہوئی تو اس نے اپنی آنکھیں کھولی۔ اس نے اپنے اوپر جب چادر نہ پائی تو وہ چونک کر سیدھی ہو کر بیٹھی خوف کے مارے اس کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا اور اس کے دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس نے چاروں طرف دیکھا۔ ساری کھڑکھیاں بند تھی۔ اس نے اپنے گلے میں ہنومان کی لاکٹ کو چھو کر کچھ منتر دہرائے۔ مگر خوف کم ہونے کا نام ہی لے رہا تھا۔ اس نے جیسے تیسے ہمت کر کے صوفے سے نیچے قدم رکھا قدم رکھتے ہی مرکزی دروازہ زور سے کھٹکنے لگا۔ ملازمہ کی آنکھیں حیرت کے مارے پھیل گئی دل کسی بھی وقت پھٹ سکتا تھا۔ جب آواز حد سے زیادہ بڑھ گئی تو اس کو مجبوراً اسے دروازے کی طرف بڑھنا پڑا اپنے دل پر ہاتھ رکھ اس نے ایک ہاتھ سے دروازہ کھولا۔ مگر دروازے کے اس پار کوئی نہیں تھا۔ اس نے باہر

دیکھنے کے لئے یہاں وہاں نظر دوڑائی۔ دور دور تک کوئی نہیں تھا وہ باغ کو دیکھ کر ساکت ہو گئی۔ اسے کسی نے روک دیا تھا۔ کچھ دیر بعد اس کے کانوں میں عیسی کی بلند آواز پڑی وہ چونک اور گھبرا کر مڑی۔ "کیا کر رہی ہو تم "عیسی نے سخت آمیز لہجے میں پوچھا۔ "جی...جی صاحب...میں...میں" الفاظ اس کے حلق میں اٹک رہے تھے۔ "اندر چلو "عیسی نے اس کو اندر آنے کا کہہ کر خود بھی اندر چلا گیا۔ ملازمہ دروازہ بند کر کے واپس آ کر سو گئی۔

"ریوان یہ غلط ہے۔ تو نے دشا کو دھوکہ دیا ہے۔ یہیں رک جا اب" حویلی کے پیچھے والی جگہ پر رانا پرتاب ریوان کا گریبان پکڑ مارے نفرت سے دھاڑے۔ جبکہ ریوان کے تعثرات بتا رہے تھے وہ ان سے بے خوف ہے۔

اس نے رانا کے ہاتھوں کو زور سے جھٹک دیا۔ان کی آنکھیں بے یقینی سے پھیل گئیں۔"میں نے کوئی دھوکہ نہیں دیا ہے" ریوان اپنا رخ بدل کر بولا۔"دھوکہ نہیں دے رہا۔اپنی پتنی سے جھوٹ بولنا پرائی عورت سے تعلقات رکھنا دھوکہ نہیں ہے"اپنی پوری زندگی میں پہلی بار ان کی آنکھیں نم ہوئی تھیں مان ٹوٹا تھا دل کے کروڑوں ٹکڑے ہوئے تھے حویلی کی ساری دیواروں سے ان آوازوں کو سنا سوائے ان کے جگر کے ٹکڑے کے۔ان کے ہاتھ اور پیر کانپنے لگے۔انہیں لگا کہ اصل معنوں میں وہ اب بوڑھے اور کمزور ہوئے ہیں۔" یہ میری زندگی ہے باؤجی اور یہ سب تو ہم جیسے امیروں کے شوق ہیں"اس کی بات پوری ہونے کی دیر تھی۔اس کے چہرے پر زناٹے دار تھپڑ پڑا۔تھپڑ اتنی زور سے پڑا تھا اس کی ناک سے خون اچھل کر وہاں کے گملوں پر لگ گیا۔"نکل جا یہاں سے یہ پیسے

میں نے عیاشی کے لیے نہیں کمائے ہیں ایسے گھٹیا شوق پالنے کے لیے ساری زندگی محنت نہیں کی ہے دور ہو جا میری نظروں سے "روان کے سر پر ایک ساتھ ساتوں اسمان آ گرے تھے۔رانا پرتاب کا بس نہ چلتا کہ وہ اسے مار کر زمین میں گاڑ دیتے۔دشا ان کی پسند تھی۔دشا ان کے خاندان کو وارث دیا تھا رانا پرتاب دشا کو اپنی بیٹی کی طرح مانتے تھے۔اتنا کہہ کر وہ وہاں سے مڑے۔"اب جاؤں گا تو کبھی واپس نہیں آؤں گا جب تک آپ نہیں بلائیں گے میں واپس کبھی نہیں آؤں گا باؤ جی "تمام احساسات ہم آواز ہو کر بولے۔پرتاب کے قدم رکے مگر وہ مڑے نہیں۔"میرے مرنے کے بعد بھی آنے کی ضرورت نہیں ہے "یہ وہ اخری جملہ تھا جو ریوان نے اپنی باپ کے منہ سے سنا تھا. اگر اسے پتہ ہوتا کہ وہ اسے اپنی موت کے بعد بھی نہیں ملیں گے تو وہ انہیں چھوڑ کر جاتا ہی نہیں. مگر جب

شیطان سر پر سوار ہوتا ہے تو عقل پر پہرہ پڑ جاتا ہے. وہ چونک کر نیند سے بیدار ہوا. اس کے ماتھے پر بھرپور پسینہ تھا اور دل کی دھڑکنیں اتنی تیز چل رہی تھی کہ کمرے کی خاموشی میں گونج اٹھ رہی تھی. اس کے برابر دشا پر سکون سو رہی تھی کمرے میں اندھیرا تھا بس لیمپ کی ہلکی سی زرد روشنی تھی. اس نے وقت دیکھا۔ گھڑی میں چار بج رہے تھے۔ اسے لگا کہ اس نے حقیقت میں اپنے باپ کو واپس دیکھا ہے۔ آسمان پر صبح صادق کا عروج ہونے والا تھا۔ اس نے بیڈ سے اٹھ کر ٹیبل کے پاس آ کر جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک سانس میں سارا پانی پی گیا۔ اس کا حلق ریگستان کی مانند خشک ہو چکا تھا اس کے دل کی دھڑکن خوفزدہ تھی پانی کا گلاس واپس ٹیبل پر رکھ کر وہ باہر چلا گیا۔

وہ اب وہیں تھا جہاں اس نے آخری بار اپنے باپ سے بات کی تھی۔ اسی جگہ کھڑے ہو کر ایک بار پھر اس کی آنکھیں نم ہوئی۔ اسے اس تھپڑ کی شدت محسوس ہوئی اتنے سالوں بعد اسے اس تھپڑ کے پیچھے کا درد محسوس ہوا۔ اس کے آنسو ٹپ ٹپ کر کے خشک گھاس پر گر گئے۔ اس کی نظر ان گملوں پر گئی جہاں خون کے بوندوں کے دھبے تھے۔ وہ گھٹنوں کے بل بیٹھ کر زمین پر سر دے کر بچوں کی مانند رونے لگا۔ ان بوندوں پر اپنی کانپتی انگلیوں کو پھیر کر اسے اپنی غلطی کا شدت سے احساس ہوا۔ یہ وہی خون تھا جو اس تھپڑ کے بدولت اچھلا تھا۔ یہ وہی خون تھا جو تھپڑ مارنے والے کا تھا۔ یہ وہی خون تھا جس پر تھپڑ مارنے والا فخر اور یقین کرتا تھا۔ یہ وہی خون تھا جو تھپڑ مارنے والے کو جان سے زیادہ عزیز تھا۔ یہ وہی خون تھا جو ایک باپ نے ساری زندگی اپنی محنت سے سینچ کر جسم میں بہنے کے قابل بنایا

تھا۔" باؤجی کاش اس دن آپ میرا خون کر دیتے" وہ ان گملوں پر اپنے خون کو دیکھ کر روتا ہوا بولا. اس کا باپ ناراضگی کی حالت میں مرا تھا. اور وہ اپنی انا کے اڑے غرور سے چلتا رہا. دونوں نے ایک دوسرے کو انا کی آڑ میں گوا دیا. بھلے ہی وہ اس راستے سے ہٹ گیا تھا جس راستے نے اس کے اور اس کے باپ کے درمیان دوریاں لائی تھی مگر اس نے اپنے قدم کبھی اپنے باپ کی طرف نہیں موڑے وہ بھی اپنے باپ کی طرح اپنی کی ہوئی بات پر قائم رہا. اس کے آنسوؤں میں کیا نہیں تھا۔ خالص پن، ندامت، شرمندگی، غم، دکھ۔ ہر احساس کی ملاوٹ تھی اس کے آنسوں میں۔

رات کا نہ جانے کون سا پہر تھا۔اس کمرے کی گھڑی بند تھی۔ وہ باہر گیلری میں چاند کی چادر میں بیٹھے ہاتھ میں قلم لیے سفید کاغذوں پر کچھ لکھ رہی تھی۔اس کے ہاتھوں کی رفتار بتا رہی تھی کہ اس کا ذہن کتنی دور تک کا سوچ چکا ہے۔اس کے بعد ہر بار کی طرح کھلے ہوئے تھے۔اس کے آنکھوں میں پڑتا چاند کا عکس اور حرفاں کا عکس ایک دوسرے سے شناسا سی کا دعوی کر رہے تھے۔ وہ کچھ دیر بعد چاند کو دیکھتی پھر کچھ لکھتی۔ یہ وہ علم تھا جو اس کی مدرسوں کی کتابوں میں نہیں تھا نہ کوئی معلم اسے ایسا علم سکھا سکتا تھا۔جو اس کے برابر بیٹھا شیطان اسے سکھا رہا تھا۔ شیطان تو بس استاد رہ گیا اس کا۔ وہ اس کے 100 قدم آگے چلنے کے سپنے دیکھ رہی تھی۔ جاہلیت کے معاملے میں انسان شیطان کو بھی پیچھے چھوڑ دے۔ چاند دھیرے دھیرے بادلوں میں چھپ گیا۔ سفید بادلوں کی ایک چادر چاند

کے اوپر تھی۔اس کے گھر کے باہر کتا اسے بغور دیکھ رہا تھا۔اس کتے کی انکھوں میں سنبل کا عکس بآسانی ظاہر تھا۔اس نے کتے کی طرف دیکھ کر شیطانی انداز میں مسکراہٹ بھری۔کتے نے اسے دیکھ کر اپنی دم ہلائی اور وہاں سے بھاگ کر چلا گیا۔رات شر تھی ہر جاگنے والے کے لیے۔اس کے استاد نے اسے بتایا تھا کہ ڈیوڈ کچھ دنوں بعد آرہا ہے۔ سنبل نے حد سے زیادہ خاموشی اختیار کرلی تھی۔فجر کی اذان سے پہلے وہ واپس بستر میں جا کر لیٹ گئی۔فجر کی اذان پر ساتوں بہنیں گھوڑے بیچ کر سو رہی تھی۔ان کی ماں فجر کی اذان پر اپنے بستر سے اٹھ کر نماز پڑھنے لگی۔نیند کی حالت میں بھی سنبل کو اس نماز سے دقت ہو رہی تھی۔اس نے تکیہ لے کر اپنے کان پر رکھ دیا اور کروٹ بدل کر سو گئی۔خوشی نے نماز پڑھ کر دعا کر کے واپس سو گئی۔تقریبا اٹھ بجے سب ایک ساتھ اٹھے اور صبح صبح کا روٹین کرنے

لگے۔روشنی اور سمیرہ کچن میں ناشتہ بنا رہے تھے اور خوشی رمشا کو دوائی دے رہی تھی۔رمشاہ کی حالت میں سدھار آیا ہوا تھا۔خوشی ایک حد تک مطمئن تھی۔مگر آنے والی خبر اسے تمام عمر کے لیے بے چین کرنے والی تھی۔

اگلے دو دن تک خوشی بے وجہ اپنے پڑوسیوں سے لڑتی رہی۔اس کے تمام پڑوسی ایک ساتھ اس کی برائی کرنے لگے۔وہ سب کی آنکھوں میں کھٹکنے لگی تھی۔صبور نے باہر منہ دھوتے ہوئے ان لوگوں کیبات سن لی۔اس کے تعثر سخت ہوئے اس نے بکیٹ سے جگ میں پانی بھرا۔اور ان لوگوں پر زور سے اچھال دیا وہ لوگ چونک کر اپنے آپ کو جھٹکتے ہوئے اسے گھور کر دیکھتے لگے۔"بہت بو آرہی تھی اسلئے پانی پھینک دیا" صبور نے مسکراتے

ہوئے کہا عورت جل بھن کر راکھ ہو گئی منہ میں بڑبڑاتے ہوئے وہ سب وہاں سے چلے گئے۔ "چغلی خود کرتے ہیں پھر ہمیں برا کہتے ہیں" صبور آہستہ آواز میں کہتی اندر چلی گئی۔اس نے اندر آکر کپڑے بدل کر اسکول کے لیے روانہ ہو گئی۔اس کے منہ میں ہمیشہ کی طرح لالی پاپ تھا اور ایک ہاتھ بالوں میں پھیرتے ہوئے اس کی نظر دو آدمیوں پر گئی جو ایک دوسرے کا سر پھوڑ چکے تھے۔ صبور کے چہرے پر مسکان آئی وہ اسکول کو بھول کر وہیں کھڑے ہو کر لڑائی کا مزہ لینے لگی۔اب دو آدمیوں کے سر سے خون نکل رہا تھا۔ مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کو گالی دینے میں مصروف تھے اتنے میں وہاں پولیس آگئی صبور نے غصے سے پولیس کو دیکھا۔ "آگئے میرے سکون کے دشمن" پولیس ان دونوں کو لے کر چلی

گئی۔ وہاں کھڑے لوگ آپس میں ان لوگوں کی بات کرنے لگے۔ صبور کے ذہن میں اسکول کا خیال آیا تو وہ بھاگتی ہوئی وہاں سے غائب ہوئی۔

سمیرا کے دونوں ہاتھ سمیر کے ہاتھوں میں قید تھے۔ وہ آسمانی رنگ کے ہاف سلیوز کے ٹی شرٹ میں ملبوس اسے شوخی انداز میں دیکھ رہا تھا۔ سمیرہ کے گال شرم سے لال ہو چکے تھے۔ "تم اتنا شرماؤ گی تو کیسے چلے گا" سمیر نے مسکراتے چہرے کے ساتھ کہا. سمیرا نے اپنی نظریں اٹھا کر اسے دیکھا. اسے لگنے لگا تھا کہ وہ اپنے آپ کو ہو چکی ہے. وہ اپ نے آپ کو اس انسان کا عادی بنا چکی ہے. کیفے میں لوگوں کا ہجوم تھا. کیشیر اکاؤنٹ پر کیفے کا مالک حساب کتاب دیکھنے میں مصروف تھا. کچن سے دیگر اقسام کی کافی بنانے کی خوشبو آرہی تھی. تمام ویٹرز آرڈر لینے اور دینے میں اپنے آپ کو تھکا رہے

تھے. کیفی کی دیواریں کانچ کی تھی جہاں سے باہر کا منظر صاف ظاہر تھا۔ وہ کہتے ہیں شہر کے بیچ و بیچ تھا۔ کیفے کے چھت پر رنگ برنگی بوتلوں کا جھومر لٹکایا گیا تھا جس کی رنگ برنگی روشنی تمام کیفے کو مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔ اس کیفے کا تھیم ریسائیکل پر مبنی تھا۔ وہاں ہر چیز کسی استعمال میں نہ آنے والی چیزوں سے بنائی گئی تھی۔ جیسے کہ خالی بوتلوں سے چھوٹے چھوٹے گول میز۔ کارڈبورڈ کے ٹیبلز۔ کاغذوں سے بنائیں وال پلیٹس۔ اور کاغذی پھول جو مرکزی دیوار پر سجائے گئے تھے۔ مرکزی دروازے کے سامنے مصنوی گھاس بچھائی گئی تھی۔ ظاہری طور پر وہ کیفے ماڈرن زمانے کا تھا اور وہاں موجود تمام لوگ نئے زمانے سے تعلق رکھتے تھے۔ وہاں بیٹھے تمام بے حجاب تھے۔ سمیرا ابھی نارنجی رنگ کے فراک میں بالوں کو کھلا چھوڑے بیٹھی ہوئی تھی۔ سمیر نے آہستہ سے اس کی ہاتھ کی پشت کو

سہلایا۔ ''میری ممی کو میں تمہارے گھر بھیجنے والا ہوں اب مجھ سے اور انتظار نہیں ہوتا'' سمیر نے سب کوئی سے سمیرہ کے چہرے پر رنگ کھلنے لگے. ویٹر نے کافی کے دو کپ لا کر ان کی میز پر رکھ دیے سمیر نے سمیرہ کا ہاتھ چھوڑ کر اسے کافی کپ تھمایا۔ جو چائے تک سمٹی ہوئی تھی وہ وہ آج کل کافی پینے لگی تھی. سمیرا پر کشش نہیں تھی وہ خوبصورت بھی نہیں تھی کمال اس کی آواز اور باتوں کا تھا۔ کافی پیتے ہوئے سمیر کو فون بجا۔ اس نے اپنی جیب سے فون نکال کر دیکھا اس کے چہرے پر مسکان غائب ہو گئی۔ سمیرہ نے بآسانی اس کی بدلتے تاثرات کو دیکھا۔ ''کیا ہوا'' سمیرا نے کافی کا کپ نیچے رکھتے ہوئے دھیمے لہجے میں اس سے دریافت کیا. سمیر نے کوئی جواب نہیں دیا اور وہ اپنا فون واپس رکھ کر گلا صاف کرتے ہوئے اس سے کہا۔ ''کچھ نہیں بس دوست بلا رہے ہیں'' سمیرا نے سمجھنے والے انداز

میں سر ہلایا اور دوبارہ کافی پینے لگی. کیفین اس کے حرک سے اتر کر اس کی دماغ کے رگوں کو پر سکون کر رہی تھی. اور سامنے بیٹھا وہ شخص اس کے دماغ سے مسلسل طور پر ڈوپامین خارج کروا رہا تھا. اب میسج انا بند ہو گیا تھا لیکن کال آ رہا تھا. سمیر نے دو تین بار کال کٹ کر دی. "اٹھا لیجیے ضروری ہو گا" مسلسل کال کی آواز سے وہاں بیٹھے لوگ بھی پریشان ہو رہے تھے. سمیرا نے اپنے آپ کو اور سمیر کو ان لوگوں کی نظروں کے حصار میں پا کر کہا. دونوں کاپی کے کپ خالی ہو چکے تھے۔ وہ مطمئن سی کرسی سے کمر لگائے اسے دیکھ رہی تھی۔ ٹیبل پر رکھے پلاسٹک کے سفید گلابوں سے نظریں ہٹاتے ہوئے سمیر نے سمیرا سے نظریں ملائی۔ وہ جواب ہلکا سا مسکرائی۔ یہ میرا فون بجتے بجتے رک گیا۔ سمیرا نے محسوس کیا کہ سمیر سے بنا پلکے جھپکائے دیکھ رہا ہے۔ اس نے نروس ہو کے اپنے بالوں کو کان کے

پیچھے کیا۔ ویٹر نے بل لا کر رکھا تو سمیر کی نظروں کا ارتکاز کوٹا۔ بل پیکر اس نے سمیرا کو دیکھا۔ ایک بار پھر اس کا فون بج اٹھا۔ "یہ دوست بھی نا بڑا پریشان کرتے ہیں" وہ بات کو ٹالتے ہوئے بولا. "پھر آپ چلے جائیں مجھے بھی دیر ہو رہی ہے دوستوں کو زیادہ دیر انتظار نہیں کرواتے" سمیرا اپنا دوپٹہ صحیح کرتے ہوئے فون پر وقت دیکھتے ہوئے بولی. سمیر نے ایک بار پھر اس کے ہاتھوں کو اپنی گرفت میں لیا. سمیرا اس غیر توقع حرکت سے تھوڑی سی الجھی پھر اس کی گرفت میں سمٹ گئی اسے اس کا چھونا اچھا لگتا تھا. وہ اس کے لمس کی عادی ہو چکی تھی۔ "میں قسمت والا ہوں کہ مجھے تم ملی ہو" سمیر نے یونیورسل جملہ استعمال کیا جو لڑکیوں پر بڑی آسانی سے کام کر جاتا ہے. اتنی ملاقاتوں کے بعد ان دونوں کے درمیان ایک حد تک بے تکلفی آ چکی تھی. پہلے آپ اب تم سے مخاطب ہوا جا رہا تھا. سمیرا کے علاوہ

بے اختیار مسکرائے. "اب جائیں اپ ورنہ اپ کے دوست آپ کا برا حل کر دیں گے" وہ اپنا ہاتھ پیچھے کو کرتے ہوئے بولی. اپنا بیگ کاندھے پر ڈال کر وہ اس کے ساتھ کرسی سے اٹھی. سمیر بھی اپنا فون اپنی جیب میں رکھ کر اس کو دائیں طرف سے دیکھنے لگا. اس کے کان میں لٹکتا وہ چھوٹا موتی سورج کی ڈھلتی روشنی میں چمک رہا تھا. اس کی ناک میں وہ ہلکا چھوٹا نفیس ہیرا اس کے معمولی چہرے کو خوبصورت بنانے کی ایک کوشش کر رہا تھا. وہ دونوں ایک ساتھ کیفے سے باہر نکلے. دونوں آخری بار ایک دوسرے کو الوداعی کلمات کہہ کر گلے لگا کر چلے گئے. سمیرہ کے چہرے پر ہنسی مسکراہٹ خوشی مانو جیسے کسی گلو سے چپکائی گئی تھی جب سے اس کی زندگی میں سمیر آیا ہوا تھا وہ صرف مسکرا رہی تھی وہ غصہ کرنا بھول چکی تھی. اس کی بہنیں اس کے بدلتے مزاج سے کافی حد تک شاک میں تھی.

وہ جب گھر پہنچی تو روشنی کپڑے دھو رہی تھی۔ان دونوں کے بیچ اب بہت دوریاں آگئی تھی۔دونوں نے مکمل طور پر ایک دوسرے سے بات کرنا بند کر دیا تھا۔دونوں کی نظریں پل کے لیے ملی اور دوسری پل دونوں نے نظریں چرائی۔دوستی میں ناراضگی وقتی درد دیتی ہیں مگر جب بھائی بہنوں میں خفگی آجائے تو وہ تمام عمر کے لیے غیر محلق مرض بن جاتی ہیں۔سمیرہ سیدھا اندر چلی گئی رمشہ اندر فون میں مصروف تھی اس نے اسے دیکھ کر اپنے کپڑے بدلنے کے لیے اوپر کمرے میں چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد روشنی من ہی من میں سمیرہ کو کوسنے لگی۔(" مجھے اچھائی کا پاٹ پڑا رہی تھی اب خود عیاشیاں کر رہی ہے ") اس نے دل ہی دل میں سوچا.

رمشاہ بیٹھے بیٹھے تھک گئی تو وہ لیٹ کر فون دیکھنے لگی. کافی دنوں بعد وہ

مسکرانے لگی تھی. اس کے اندر کا مرض کوئی طاقت دھیرے دھیرے کم کر رہی تھی.

گورنمنٹ سکول میں کسی رولنگ پارٹی کا نیتا آیا ہوا تھا تمام بچے گراؤنڈ پر پاکت مارے بیٹھے ہوئے تھے۔نیتا کی تقریر نے سارے بچوں کو بیزار کر دیا تھا وہ لوگ سونے کی قطار پر تھے۔نیتا اپنی تقریر ختم کر کے رگوناتھ کو سٹیج پر بلانے لگار گونات کی 20 سالوں کی ٹیچنگ کے لیے اسے سمانت کیا جا رہا تھا۔نیتا رگھوناتھ کو ایک اچھا استاد کہہ رہا تھا اس کے لیے اچھے اچھے الفاظ استعمال کر رہا تھا اس کی تعریفوں کے پل رہا تھا اور رگوناتھ ان تعریفوں کو سن کرستا ئشی انداز میں مسکرا رہا تھا۔اس کے بڑھاپے سے جھلکتی وہ کمینیت صرف مصباح محسوس کر پا رہی تھی۔صباح رگھوناتھ کو قتل کر

دینے والی نظروں سے دیکھ رہی تھی، اسکا دل کر رہا تھا کہ وہ اسے پتھر سے مار دے تقریب ختم ہوئی گراؤنڈ پر تالیوں کی گونج کے ساتھ تقریب کا اختتام کیا گیا۔ بچوں میں چاکلیٹ تقسیم کئے گئے بچے وہ لے کر اپنے اپنے کلاس میں چلے گئے۔

("میرے اندر برائی ہوتی تو شاید آج میں ڈرتی نہیں اسکا پردہ فاش کر دیتی۔ کاش میں بہت بری ہوتی کاش میں سمیہ یا سنبل کی طرح ہوتی۔ کیوں کمزور ہوں میں") وہ کتاب سے نظریں ہٹا کر دیوار کو گھورتے ہوئے سوچ رہی تھی۔ ٹیچر نے سوال حل کرتے ہوئے اس پر نظر ڈالی انہوں نے کئی بار اسے آواز دی مگر وہ اپنی سوچوں میں گم تھی۔ اس کے برابر بیٹھی لڑکی نے اسے کہنی پکڑ کر جھنجھلایا مگر وہ تب بھی حوش میں نہ آئی ٹیچر نے چھڑی اٹھائی اور اس کے سر پر مار دی۔ مصباح درد کی شدت سے سسک اٹھی اس

کی آنکھوں میں پانی آنے لگا۔ "کہاں دھیان ہے تمہارا" ٹیچر دونوں ہاتھوں کو سینے پر باندھ کر سختی سے پوچھا۔ مصباح کھڑی ہو گئی۔ "سوری... ... میم" اس نے اپنے آنسوؤں کو پونچھتے ہوئے کہا۔ ٹیچر نے اس معاف کرتے ہوئے اسے بیٹھنے کے لئے کہا۔ وہ روتے روتے واپس بیٹھ گئی۔ اور پورے غور سے کلاس سننے لگی۔

سیٹ بینک آف انڈیا۔ SBI

بینک میں لوگ قطاروں میں کھڑے اپنے کام ہونے اور باری آنے کا انتظار کر رہے تھے۔ سب کے چہرے تھک چکے تھے۔ خوشی کا نمبر آیا تو وہ اپنا پاس بل نکال کر بینکر کی طرف بڑھایا۔ کانچ کے اس پار ایک نوجوان سادہ لباس میں ملبوس گلے میں آئی ڈی کارڈ لٹکائے کمپیوٹر کی طرف متوجہ تھا

اس کی انگلیاں کی بورڈ پر تھی. "آپ کا نام" بینکر نے پاس بک دیکھنے کے بعد خوشی کو دیکھے بغیر سوال پوچھا. "خوشی" بینکر نے کمپیوٹر پر ٹائپ کیا.

"شوہر کا نام"

"رحیم دہلوی" بینکر کی انگلیاں رک گئی اس نے چونک کر دیکھا. اس کے تعثر بتا رہے تھے کہ وہ شاک میں ہے۔ "آپ رحیم دہلوی کی بیوی ہیں" لہجے میں بے یقینی تھی خوشی نے مسکراتے ہوئے اسبات میں سر ہلایا جبکہ بینکر کے حیرانی میں مزید اضافہ ہوا۔ "آپ ان کی دوسری بیوی ہیں؟" اس کے اگلے سوال پر خوشی کی مسکراہٹ غائب ہوئی اس کے چہرے پر سفید رنگ چھانے لگے. "جی؟" اس نے نہ سمجھنے والے انداز میں پوچھا. "ہاں میں نے رحیم کی جس بیوی سے ملاقات کی ہے وہ اس کے ساتھ تھی" خوشی کچھ بھی سمجھنے سے قاصر تھی "اصل میں میں رحیم کا دوست ہوں

ہماری ملاقات رحیم کے آفس میں ہوئی تھی وہ اپنی بیوی کے ساتھ تھا اس لیے پوچھا اپ ان کی دوسری بیوی ہیں "خوشی کو اس کی باتوں پر یقین نہیں آیا تھا پر اس کے سر پر سانسوں اسمان ٹوٹ پڑے تھے. اس کے پیر بیک وقت کانپنے لگے تھے بینکر کو لگا کہ اس نے کوئی غلط فہمی ہوئی ہے. خوشی نے سب کام چھوڑ کر وہاں سے جانا مناسب سمجھا اور اس نے وہی کیا اس کے جاتے ہی اس بینکر کو لگا کہ اس نے شاید کوئی بڑی غلطی کر دی ہے شاید خوشی اس کی پہلی بیوی ہو شاید رحیم نے اسے دھوکہ دے رہا تھا جس کا اس نے انجانے میں پردہ فاش کر دیا تھا وہ ندامت سے اپنے بال نوچتا یہاں سے وہاں چلنے لگا خوشی کا پاسبک وہیں رہ گیا تھا.

خوشی کے آنسو حلق میں قید تھے۔وہ چیخ چیخ کر رونا چاہتی تھی وہ دنیا کو بتانا چاہتی تھی کہ اس کے ساتھ کتنا برا ہوا ہے وہ بری نہیں ہے برا اس کے ساتھ ہوا ہے۔وہ سنسان جگہ پر آ بیٹھی تھی جہاں نہ لوگ تھے نہ کوئی جانور۔اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے اس کے کپڑے بے ترتیب ہو گئے تھے۔اس نے اپنے پرس سے فون نکالا اور رحیم کو کال کیا تین چار بار کال کرنے کے بعد کال نہیں اٹھائی گئی اس نے ایک بار پھر کوشش کی تو کال موصول ہوئی۔

"تم پاگل ہو ایک بار نہیں اٹھا رہا اس کا مطلب......"

"میں آپ کی پہلی بیوی ہوں یا دوسری "اس نے رحیم کے بعد بیچ میں کاٹتے ہوئے روہانسی آواز میں کہا رحیم کے سارے تبق روشن ہو گئے۔وہ میٹنگ روم سے معذرت کرتا ہوا باہر آیا اس نے سانس لینے کے لیے اپنے

ٹائیں ڈھیلی کی۔"کیا بکواس ہے یہ"اس نے اپنا وہی لہجہ قائم رکھا۔"میں آپ کی پہلی بیوی ہوں یا دوسری"خوشی نے اپنا سا وال اسی انداز میں دہرایا.اسی کے آنسو اس کی آنکھوں سے آزاد ہو کر اس کے گال سے پھسل کر نیچے گرے. "خوشی میری بات سنو"رحیم نے اسے سمجھانے کی کوشش کی. "کچھ نہیں سننا مجھے بس میرے سوال کا جواب دیجیے"خوشی کا لہجہ سخت تھا. "ہاں میں نے شادی کر لی ہے مگر میری اپنی وجہ تھی"اعتراف......کچھ باتوں کو نہ جاننا ہی کتنا اچھا ہوتا ہے مگر فطرت انسان ہے کہ ہر بات کو جاننے کا تجسس رکھتی ہے۔خوشی کے پیروں تلے زمین کھینچ لی گئی تھی۔اس کے قسمت کے سارے ستارے گر کر بکھر چکے تھے۔اس نے اپنے آنسوؤں کو پوچھا۔"آپ مجھے دھوکہ دے رہے تھے"خوشی نے اتنی بلند آواز میں بولا کہ وہاں کے پرندے اڑ کر چلے گئے.

رحیم کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا وہ اس عورت کے غصے سے واقف

تھا. "اپ ایک نمبر کی کمینے واحیات انسان ہیں آپ نے پہلی بیوی کے

ہوتے ہوئے دوسری شادی کرنے کی ہمت کیسے کی میں آپ کو چھوڑوں گی

نہیں. "عورت جب دھوکہ کھاتی ہے تو وہ صرف دھوکے باز کو ہی غلط کہتی

ہے نہ خود کو جو اس نے موقع دیا تھا۔ عورت غلطیاں قبول کرنے کی پابند

نہیں ہوتی۔ اگر اس کی غلطی ہو بھی تو وہ اس کا سارا بھار سامنے والے پر ڈال

دیتی ہے۔ "کیا کرتا بتاؤ انتظار کرتا کہ تم مجھے آنے کی اجازت دو جینے کی

اجازت دو اپنے بچوں کو چھوڑ کر یہاں تمام عمر بتا دی میں نے زندگی کا ایک

پل بھی تم نے خوشی سے رہنے نہیں دیا صرف پیسہ پیسہ کبھی نہ ختم ہونے

والی خواہشات "مرد دھوکے باز ہو کر بھی فخر اندوز ہوتا ہے. وہ اپنے کیے پر

کبھی شرمندہ نہیں ہوتا. وہ اپنے گناہوں کی وجہ بڑے ماہر انداز میں پیش

کرتا ہے جسٹیفائی کرتا ہے. "تم نے..... تم نے مجھے ناکارہ بنادیا ہے تم نے میری پوری زندگی یہاں گزارنے پر مجبور کردی تم ہو جو مجھے اس راہ پر لا کر کھڑا کر دیا ہے. "وہ افس کے کونے میں پیڑ کے پاس کھڑا چیخ رہا تھا. "مجھے شادی کے بدلے یہ سلطنت ملی ہے جس سے میں تمہاری ختم نہ ہونے والی خواہشات پوری کرتا ہوں تم نے بنایا ہے جو میں ہوں یہ دھوکہ تمہاری دی گئی تکلیفوں کا خمیازہ ہے وقت تکلیفوں کا بدلہ تکلیف سے ہی دیتا ہے" رحیم سانس لینے کے لیے رکا جبکہ خوشی کی سانسیں مدھم ہو رہی تھی

۔شاک۔۔۔۔اعتراض۔۔۔۔۔۔غم۔۔۔۔۔۔۔افسوس۔

"تم یہاں کیا کر رہے ہو چلو اندر لنچ کرتے ہیں" فاطمہ نے پیچھے سے عربی میں کہا. رحیم نے پلٹ کر اسے دیکھا اور اپنے تعاثرات بدلے. "میں آتا ہوں" اس نے بڑی نرمی سے عربی میں جواب دیا. فاطمہ اس کے کہنے پر

اندر چلی گئی. "میں تمہاری ساری ضروریات پورا کرتا رہوں گا جیسے اب تک کرتا آیا ہوں میں اپنے بچوں کی دیکھ بھال بھی کروں گا میں اپنی ذمہ داریوں سے پیچھے نہیں ہٹ رہا لیکن میرے دل میں اب تمہارے لیے کوئی جذبہ نہیں تم بس میرے بچوں کی ماں ہو اور کچھ نہیں "اس نے ٹھاک سے فون رکھ دیا. رحیم نے بے رخی سے کہا تھا۔ خوشی فون کان سے لگائے بیٹھی رہی۔ ہر چیز ہر بات اس کی سمجھ سے باہر تھی۔ وہ زور زور سے چیخ چیخ کر رونے لگی۔ آخری کام جو عورت کر سکتی ہے وہ رونا ہے۔ اپنے ہونے پر قسمت پر نہ جانے کس کس پر۔ سورج بادلوں کی باہوں میں دن کو الوداع کہہ کر ڈوب رہا تھا۔ خوشی کے آنسوؤں نے ریگستان کو تر کر دیا تھا۔ اس کے دل کے پھٹنے کی آواز ساری دنیا نے سنی تھی۔ اس کے رونے کی آواز سارے کائنات میں پھیل گئی تھی۔ اس کے بال ہوا میں لہرا رہے تھے اس کا دوپٹہ

اس کے بدن سے جدا ہونے کو تیار تھا اس کی چیخ و پکار سننے والا کوئی نہیں تھا۔

''کنور سا آپ کب آرہے ہیں'' رات کے تقریباً 9 بج چکے تھے۔ روشنی بستر میں چھپے فون پر بات کر رہی تھی۔ ''دیر لگے گی بہت کام ہے'' وہی جواب جس کی روشنی کو توقع تھی۔ روشنی خاموش ہو گئی۔ وہ اس کے خلاف بولنے کی جرأت نہیں کر سکتی تھی۔ ''کیا ہوا چپ کیوں ہو گئی'' کنور نے روشنی کے خاموش ہونے پر کہا۔ ''کچھ نہیں کنور سا بس آپ کی یاد آرہی تھی۔'' کنور اس کی ادا پر ہلکا سا مسکرایا۔ ''پگلی آ جاؤں گا میرا انتظار کرنا'' کنور نے اسکا دل بہلاتے ہوئے کہا۔ وہ کئی دیر تک بستر میں لیٹی اس سے بات کرتی رہی۔ ''ممی ابھی نہیں آئی ہے پتہ نہیں کہاں گئی ہے؟'' روشنی

نے اپنی بہن کو بات کرتے سنا تو اس نے فوراً اپنے اوپر سے بستر اٹھایا اور بنا کچھ بولے فون کاٹ دیا۔ روشنی نے فون کو بیڈ پر پھینکا اور کھڑی ہو گئی۔ "کیا ہوا ہے" اس میں صبور کو مخاطب کیا. "ممی بینک گئی ہوئی تھی صبح. ابھی تک آئی نہیں. "صبور نے اسے دیکھے بنا سنجیدگی سے کہا. سمیہ مسبہ صبور نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر ایک دوسرے کو دیکھ کر سر کو جنبش دی. روشنی اور سمیرا نے ایک دوسرے کو حیرانی سے دیکھا وہ تینوں گھر سے بنا بولے کچھ نکلے. سمیرا اور روشنی مسلسل خوشی کو فون کرنے لگے مگر فون آؤٹ آف ریچ تھا سمیرا نے آخر میں کچھ سوچا اور ایک نمبر ڈائل کیا دو تین منگ کے بعد فون اٹھایا گیا. "ہاں بیٹے سب ٹھیک ہے نا؟" رحیم نے نرم لہجے میں اپنی بیٹی کو پوچھا. "پاپا ممی ابھی تک گھر نہیں آئی ہیں" سمیرا نے روتے ہوئے کہا. رحیم حیرت سے ہڑ بڑانے لگا. اس میں

بے چینی سے اپنے بال نوچے. "تم پریشان مت ہو بیٹے آ جائے گی بات ہوئی تھی میری اس سے" رحیم نے اپنی بیٹی کو دلاسا دیتے ہوئے کہا جب کہ وہ خود سنبھلا ہوا نہیں تھا.

وہ شیطان کے مورت کے سامنے بیٹھی اس ستارے کے بیچ میں ہاتھ میں لال زرد رنگ کا پاؤڈر لیے آگ میں ڈال رہی تھی۔اگ کی روشنی میں اس کا چہرہ صاف ظاہر ہونے لگا اس کے بال ہوا میں ہوا کی ہی طرح لہرا رہے تھے۔اس کے چہرے پر کالے دھبے تھے اور اس کی آنکھوں کے گرد گہرا کالا کاجل اس کے پہنے گئے اس پنک فراک پر گندگی تھی۔کچھ دے رہی ہوں ہی کرتے رہنے کے بعد اسے آگ کی لپٹوں میں ایک منظر نظر آیا۔اس نے دیکھا کہ اس کی ماں تنہائی میں بیٹھی خشک آنسوں بہا رہی

ہے۔اس کے چہرے پر ایک پر سکون سی مسکراہٹ آئی۔ وہ اپنی سر گرمی میں مصروف تھی کہ اس کا استاد اندر داخل ہوا۔اس کے استاد کو نہ کوئی حیرانی ہوئی اور نہ کوئی شاک۔ اسے اس سب کی عادت ہو چکی تھی اس عفہ میں اب اس سے زیادہ اس کی شاگرد رہتی تھی۔ وہ بینا کچھ آواز کیے اپنی جگہ بیٹھ گئے۔ سنبل نے اگ میں پانی ڈال کر آگ کو بجھا دیا اور اپنے کپڑے صاف کرتی ہوئی وہاں سے اٹھی بالوں کو جلدی جلدی میں چوٹی میں تبدیل کیا اور چہرے پر لگی سیاہی کو دونوں ہاتھوں سے صاف کر دیا۔ "اتنا جلدی تمہارا کام ہو جاتا ہے "اس کے استاد نے اس کو جلد بازی میں دیکھ کر پوچھا. سنبل ہلکا سا مسکرائی. " بالکل استاد شیطان میرا تم سے زیادہ اچھا دوست بن گیا ہے "اس کے لہجے میں وہ اعتماد تھا جو اتنے سالوں میں اس کے استاد میں نہیں آ پایا تھا وہ آنکھوں میں انکھیں ڈال کر شیطان سے دوستی کا اقرار کرتی

اور نہ وہ اس اقرار سے ڈرا کرتی تھی. وہ وہاں سے برق رفتاری سے غائب ہو گئی. اس کے جانے کے بعد اس کے استاد نے شیطان کی مورت کو دیکھا اور ہاتھ جوڑ کر پراتنا کرنے لگا۔

"تم یہاں کیسے آئی" خوشی کو سنبل کے وہاں آجانے پر حیرانی ہوئی. سنبل بنا کچھ کہے اس کے برابر بیٹھ گئی. وہ کسی طرح سے بھی اس کی بیٹی نہیں لگ رہی تھی. خوشی کے تعاثرات بتا رہے تھے کہ وہ کتنی حیران ہے. سنبل صحرا کو دیکھ رہی تھی اور صحرا اس سے گفتگو کر رہا تھا. ہواؤں میں تبدیلی آ رہی تھی. ہواؤں کا رخ اہستہ اہستہ مغرب کی جانب مڑ رہا تھا. "یہاں بیٹھے رہنے سے مشکلیں حل نہیں ہوں گی ممی" سمبل کا لہجہ بہت عام سا تھا مگر باوجود اس کے خوشی کو ایک اور جھٹکا لگا اس نے یہ بات نہ کسی کو بتائی تھی

اور نہ کوئی جانتا تھا. "کیا مطلب ہے تمہارا" خوشی اپنے سینے پر ہاتھ رکھ کر بولی. "دھوکہ دینا انسان کی فطرت میں شامل ہے لیکن دھوکہ کھانا یا اس سے بچنا انسان کی قوت ہونی چاہیے انسان کو اتنا شاطر ہونا چاہیے کہ اسے پتہ لگے کہ کون اس کے ساتھ وفادار ہے اور کون دھوکے باز" خوشی نے آج اتنے سالوں بعد اپنی بیٹی کا ایک نیا روپ دیکھا تھا.

"سنبل! تمہیں کیسے پتہ"

"پتہ لگ جاتا ہے ممی صرف مائیں ہی نہیں بچے بھی ماں کی ان کہی باتیں سن لیتے ہیں" وہ کوئی ماہر نفسیات کی طرح بات کر رہی تھی وہ خوشی کی طرف متوجہ نہیں تھی مگر پھر بھی وہ خوشی کے اندر کا ہر حال جان چکی تھی. خوشی نے فورا سنبل کو گلے لگایا اور ایک بار پھر پھوٹ پھوٹ کر رونے لگی سنبل نے خوشی کی پیٹ کو سہلاتے ہوئے اسے ہمت دینے کی کوشش کی. وقت

نے درجات بدل ڈالے تھے. جو کام ماؤں کا ہوتا ہے بیٹیوں کو دلاسہ دیناوہ اب بیٹی کررہی تھی. "سنبل اب میں کیسے جیوں گی مجھے تو لگتا تھا کہ مجھے دھوکہ دینا بہت مشکل ہے لیکن تمہارے پاپا نے مجھے بہت آسانی سے دھوکہ دے دیا میں بہت بے وقوف ہوں" وہ سمبل کے گلے لگ کر بچوں کی طرح بول رہی تھی. "ممی۔ دھوکہ دینے والا ہمارے دل کے سب سے قریب ہوتا ہے ورنہ دوسروں کو کہاں معلوم کہ ہمیں کس سے چوٹ لگتی ہے" سنبل خوشی سے الگ ہو کر بولی. اس کے باتوں سے خوشی سنبھل رہی تھی. "آپ گھر چلیں اس کے بعد دیکھیں گے کہ کیا کرنا ہے" وہ خوشی کو وہاں سے اٹھنے کا کہہ کر خود بھی اٹھی اور اس کا ہاتھ پکڑ کر گھر کے لیے روانہ ہوئی۔

وہ جب گھر پہنچی تو سب بہنیں پریشان تھی۔ خوشی کے آتے ہیں سب بہنیں ایک ساتھ اس کے گلے لگی۔ "ممی آپ کہاں تھی" رمشاہ نے روتے ہوئے کہا. خوشی نے کوئی جواب نہیں دیا. "ممی کی طبیعت خراب ہو گئی تھی اب انہیں آرام کرنے دو" سمبل ان سب کو خوشی سے الگ کرتے ہوئے بولی. خوشی ان سب کے سر کو سہلا کر اوپر کمرے میں چلی گئی. "تم نے کیسے ڈھونڈا ممی کو" سمیرا نے اپنے انسو پونچھتے ہوئے کہا. "بس ڈھونڈ لیا اب سوال پوچھ کر میرا سر مت خراب کرنا" وہ اچاٹ لہجے میں بول کر اوپر چلی گئی. سب بہنیں ہمارے حیرت کے ایک دوسرے کو دیکھنے لگی۔ دروازہ بند کر وہ سب بھی سونے کے لیے چلے گئے رات بہت ہو گئی تھی۔

"میں شیطان کی بیٹی۔ کئی دنوں پہلے اپنے آپ کو شیطان کے حوالے کر چکی ہوں۔اس کو پانے کے لیے میں نے اپنی روح کا سودا کیا ہے۔ میں نے اپنے آپ کو کالے جادو کے گھیرے میں ڈال دیا ہے۔ شیطان نے جو علم مجھے سکھایا ہے وہ مجھے سرشار کرتا ہے۔ میں اس کی بیٹی ہوں اور اسی کی عبادت کرتی ہوں۔ یہ کتاب میری کم عمری کی ریاضت ہے۔ میری کامیابی ہے جو شاید میرے مرنے کے بعد مقبول ہو گی۔ خدا سے بیزار لوگ اس کتاب کو اپنا ساتھی بنائیں گے۔اور جنت کے بدلے جہنم کا چناؤ کریں گے۔ میں شیطان کی بیٹی 'اس کتاب کی مصنف ہوں اس کتاب کے ہر لفظ پر پنے سے میرے سودے کی خوشبو آئے گی۔ کوئی بھی اس کتاب کو تب تک نہیں پڑھ پائے گا جب تک وہ پوری طرح اللہ سے دوری نہ اختیار کر لے اور جو اس

کے ساتھ سوئی کے ناکے کے برابر بھی تعلق رکھے گا یہ کتاب اس سے بے وفائی کرے گی۔"

خوشی دو دن سے اکیلے بیٹھے اپنی غلطیوں کو جمع کر رہی تھی۔ شادی کے بعد کی گئی پہلی بڑی خواہش کے اس سے دنیا گھومنی ہے۔ دوسری غلطی اس کا زبردستی اپنے شوہر کو باہر ملک بھیجنا۔ تیسری غلطی اسے وہیں رہنے پر مجبور کرنا۔ کھڑکی سے سر لگائے اس کے آنسوں اس کی اجازت کے بغیر بہہ رہے تھے۔ اس کے چہرے پر ماتم تھا۔ روشنی ہاتھ میں کھانا لیے اس کے برابر آکر بیٹھی۔ "ممی کھانا کھالیں پلیز" روشنی روہانسی سے آواز میں بولی خوشی نے کوئی ردو عمل نہیں کیا۔ وہ کسی پتھر کی مورت کی طرح خاموش بیٹی رہی۔ روشنی نے خوشی کا کاندھا ہلایا اور اپنی طرف متوجہ کیا۔ "ممی کیا

ہو گیا ہے ؟ آپ ایسے کیوں خود کو تکلیف دے رہی ہیں "روشنی بھی روتے ہوئے بولی ان لوگوں نے کبھی اپنی ماں کو اس قدر بے بس نہیں پایا تھا.

"روشنی مجھے اکیلا چھوڑ دو "خوشی بمشکل بول پائی روشنی نے بنا کسی حجت کے وہاں سے جانا مناسب سمجھا۔

ہر بار کی طرح وہ اپنی اداسی کو دور کرنے کے لیے ان صحراؤں میں چل پڑی۔ جہاں اسے گل نرگس ملا کرتا تھا وہ پھول جو قبروں پر کھلا کرتا ہے جس کی نہ کوئی مہک ہوتی ہے نہ کوئی زندگی۔ وہ شخص بھی روشنی کے لیے گل نرگس تھا روشنی کو اس پھول نے دھیرے دھیرے قبر میں تبدیل کر دیا تھا۔ وہ جب جب بھی اداس ہوتی اپنے اس پھول کی طرف چل پڑتی۔ اس کھنڈر نما بے جان عمارت میں وہ آج اس کی باہوں میں سمٹی اپنے

آنسوؤں کو بہارہی تھی۔کنور کے سرمئی کرتے پر روشنی کے آنسوؤں کے دھبے پڑنے لگے۔وہ ہلکے سے روشنی کے بال سہلاتا ہوااسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔"مجھے یہاں سے کہیں دور لے جائیں کنور سا" اتنے دنوں بعد روشنی نے ہمت کر کے بولا کنور نے اسے خود سے الگ کیا۔" کہاں لے جاؤں" کنور کا لہجہ سخت اچاٹ تھا روشنی اپنے آنسوں ہو نچھتے ہوئے اسے دیکھنے لگی۔" کہیں بھی مگر یہاں سے دور اپنے ساتھ" وہ روشنی کی ہمت سے لاجواب ہو چکا تھا۔"تو..... تو پاگل ہے" کنور کو کچھ سمجھ نہیں آرہا تھا کہ وہ روشنی کو کس طرح ٹالے۔روشنی نے گہری سانس لی اب وہ ضد کرنے کے لیے پوری طرح تیار تھی۔" پاگل نہیں ہوں. آپ سے پیار کرتی ہوں اپنے گھر لے کے جایئے" وہ پہلی بار اس کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر پر اعتماد لہجے میں بول رہی تھی کنور غصے سے کھڑا ہوا. اس سے پہلے

کہ وہ وہاں سے چلا جاتا روشنی نے اس کا کرتا پکڑ کر اسے واپس اپنی طرف

متوجہ کیا یہ اس کی زندگی کی پہلی حماقت تھی. "تو بھول مت. میں کنور رانا

ہوں اور تو ایک معمولی سی مسلمان" جس محبت کے آسمان پر اب تک

روشنی اپنی اڑان لیے گھوم رہی تھی کنور نے ایک جملے میں اسے زمین پر

پٹک دیا تھا۔اس کی آنکھیں ایک بار پھر آنسوؤں سے بھرنے لگی۔ "تو یہ

سب کیا ہے آپ مجھ سے پریم نہیں کرتے" وہ انکشاف کے کس مرحلے پر

تھی اسے خود اندازہ نہیں تھا. اسے لگنے لگا کہ جس در پر اس کی ماں کھڑی

ہے اسی در پر اب وہ بھی کھڑی ہونے والی ہے. "تو میرے شریر کی

ضرورت ہے آتما کی نہیں" روشنی پر ساتوں آسمان ایک ساتھ گر پڑے

تھے اسے اپنی آنکھوں کے سامنے بس دھواں نظر آنے لگا. "میں

نے تجھے اپنے سینے سے لگایا ہے لیکن دل میں جگہ نہیں دی ہے میرا دل کسی

اور کی وراثت ہے" وہ لفظ جو کوئی بھی لڑکی سننا نہیں چاہتی. ایسا سچ جس سے ہر لڑکی بھاگتی ہے. وہ کسی آدمی کی دوسری عورت بن کر رہنا پسند نہیں کرتی. گل نرگھس میں روشنی کے دل میں کروڑوں ٹکڑے کر دیے تھے. کور جتنی جلدی ہو سکے وہاں سے غائب ہو گیا. روشنی اکیلی اپنے اس اجڑے مکان میں گھٹنے کے بل بیٹھی بے آواز رونے لگی. باہر اسمان میں سورج غروب ہو رہا تھا اور شام آہستہ آہستہ اپنی روشنی اندھیرے میں بکھیر رہا تھا کانوں میں بس مندر کی گھنٹیاں اور آرتی کی آواز آ رہی تھی.

دو دن پہلے :-

کنور ہمیشہ کی طرح بازار میں رنگ برنگی چوڑیاں خرید رہا تھا۔ اس نے جامنی رنگ کا راجستھانی لباس پہن رکھا تھا۔ اس نے بار بار اپنے آپ کو

کسی کے تعقب میں محسوس کیا مگر اسے بازار میں کوئی تعقب کار نظر نہیں آیا۔ وہ دوکاندار کو پیسے دے کر اپنی گاڑی کی طرف روانہ ہوا۔ اس سے پہلے وہ گاڑی میں داخل ہوتا اسے کسی نے بے ہوش کر دیا تھا۔ اسے تعقب کار نے گاڑی میں ڈالا اور خود گاڑی چلانے لگا۔ گاڑی دھیمی رفتار سے بازار سے نکلے۔ کور کے لیے گئی چوڑیاں کار کے فرش پر پڑی چور چور ہو گئی۔

کنور کو ہوش تب آیا جب اس کے چہرے پر کسی نے بہت زور سے پانی پھینکا۔ اس کی انکھوں کے سامنے دھیرے دھیرے اندھیرا کم ہونے لگا۔ اس نے اپنی آنکھوں کے سامنے زیورات میری لپٹی اپنی ماں کو دیکھا جو پر سکون سے اسے دیکھ رہی تھی۔ اس کے برابر کھڑے اس کے حویلی کی ملازم۔ "ماں۔۔۔جی" وہ بمشکل بول پایا. "ہاں کنور سا میں "اس کی ماں اسی سادگی سے بولی۔

"آپ نے مجھے اغواء کیوں کیا ہے" وہ اب پوری طرح ہوش میں آ چکا تھا. "تاکہ تمہیں یہ بتا سکیں کہ تم کون ہو اور تمہاری اوقات کیا ہے" اس کی ماں نے ملازم کو کنور کے ہاتھ کھولنے کے لیے اشارہ کیا. ملازم نے کنور کے دونوں ہاتھ کھولے. وہ اپنے ہاتھ کو ازاد پا کر ایک گہری سانس لینے لگا. "جس لڑکی کے ساتھ تم وقت گزاری کر رہے ہو وہ ہمارے گھر میں نوکرانی کے بھی قابل نہیں" کنور نے نہ سمجھی سے اپنی ماں کو دیکھا یا شاید وہ ایسے دکھانا چاہ رہا تھا کہ وہ اس کی بات کو نہیں سمجھ پایا. "میں.... کچھ.... سمجھا نہیں ماں جی" وہ ہر بار کی طرح بڑی صفائی سے جھوٹ بولنے والا تھا. "تمہارے باؤ جی کو تمہارے بارے میں پتہ لگ گیا ہے انہوں نے تمہیں حویلی لانے کے لیے کہا ہے لیکن حویلی پہنچنے سے پہلے میں تم سے ملنا چاہتی تھی. اسی لیے تمہیں بیچ سڑک پر ایسے بٹھا کر بات کر رہی ہوں" کنور

کے پیروں تلے زمین کھینچ لی گئی. پہلی بار اس کی انکھوں میں حیرت بے یقینی اتری. "باؤ جی.... انہیں کیسے پتہ لگا"

"تمہارا باپ چیتے کی چال چلتا ہے اور باز کی آنکھیں ہیں اس کی. تم نے کیا سوچا تمہارا باپ تمہیں نہیں پکڑ پائے گا. جس لڑکی سے انہوں نے تمہاری شادی کی ہے وہ ان کی آنکھوں کا تارا ہے وہ اسے اپنی بیٹی مانتے ہیں اور تم نے اسی لڑکی کے ساتھ دھوکہ کیا ہے"

"ماں جی.... مجھے بچا لیجیے" وہ اپنی ماں کے پیر پکڑ کر روتے ہوئے بولا.

"تمہیں خود کو بچانا ہو گا."

"کیسے ماں جی"

"تمہیں ڈرنا نہیں ہو گا تمہیں ڈٹ کر اپنے باپ کی آنکھوں میں دیکھ کر کہنا ہو گا کہ تم نے جو کیا ہے وہ غلط نہیں ہے"

"لیکن ماں جی....."

"اگر تم نے جیسا میں نے کہا ہے ویسا نہیں کیا تمہارا باپ تمہیں زندہ گاڑ دے گا اور اس لڑکی کو بھی" کنور کے پیر تھر تھرانے لگے اس کا دل اس کے حلق میں آگیا تھا. اس نے زندگی میں کبھی بھی اپنے باپ سے نظریں ملا کر بات نہیں کی تھی. اور بات یہاں تک پہنچ چکی تھی کہ اسے اپنے باپ سے ڈٹ کر سامنا کرنا پڑ رہا تھا جبکہ وہ غلط ہے.

"انہیں کیسے پتہ لگا"

"گاؤں کے کچھ لوگوں نے تمہیں اس لڑکی کے ساتھ دیکھا تھا اس کے بعد تمہارے باؤ جی نے تمہارے پیچھے کچھ لوگ نظر رکھنے کے لیے رکھے تھے..... میں مانتی ہوں کہ تم کنور ہو اور یہ تمہارے شوق ہیں امیروں کو اکثر شوق ہوتے ہیں لیکن وہ اپنی عزت کے ساتھ کھلواڑ نہیں کرتے۔ اگر

تمہیں جسم ہی کی ضرورت تھی تو کسی کوٹھے پر جاتے یا مجھے کہہ دیتے میں تمہیں لڑکیاں لا کر دیتی ایسی حقیر لڑکی سے خود کی ضروریات کو پورا کرنے کا کیا فائدہ خود بھی ڈوبے گی تمہیں بھی ڈوبائے گی"

"ٹھیک ہے ماں جی آپ جیسا کہیں گے میں ویسا کروں گا" کنواں اور اپنے آنسوں پونچھتا ہوا بولا۔اس کی ماں نے اسے ہمت دلانے کے لیے اس کا کاندھا تھپتھپایا اور اسے گاڑی میں بیٹھنے کے لیے کہا اور خود دوسری گاڑی میں بیٹھ کر حویلی کے لیے روانہ ہو گئی۔

حویلی پہنچنے کے بعد وہی ہوا جس کی توقع اسے تھی۔اسے وہی سوال کیے گئے اسے وہی انداز میں جواب دینا پڑا جس انداز میں اس نے اپنے ماں سے وعدہ کیا تھا۔حویلی کی دیواریں باپ بیٹی کی تکراروں سے خود بھی ریزہ ریزہ

ہو رہی تھی۔ یہ حویلی میں پہلی بار ہوا تھا کہ پرتاب رانا کے خلاف انہی کے بیٹے نے آواز اٹھائی تھی۔ تمام ملازمین کو چھٹی دے کر حویلی سے باہر کر دیا گیا تھا حویلی میں بس دو آوازیں گونج رہی تھی ایک سچ اور دوسرا غلط۔۔

حال:-

عشاء کے بعد روشنی خود کو سنبھال دی ہوئی اس کھنڈر سے باہر نکلی۔ راستے میں کالے چمچماتی کار کے برابر کھڑا حویلی کا ملازم اس کا منتظر تھا۔ اس کا بے دھیانی سے چلتا ہوا وجود یک دم سے تھم گیا جب حویلی کی ملازم نے اسے روکا۔ اس نے نم آنکھوں سے ملازم کو دیکھا۔ ملازم نے اسے کار میں بیٹھنے کے لیے دروازہ کھولا اور اندر جانے کے لیے اشارہ کیا۔ روشنی کو لگا کہ کنور نے اس کے لیے کار بھیجی ہے اسی لیے وہ چپ چاپ اندر بیٹھ گئی۔ لیکن اس

کی انکھیں حیرت کے مارے پھیل گئی جب سامنے بیٹھا شخص کنور نہیں بلکہ اس کا باپ رتاب رانا تھا۔ وہ راجستھانی لباس میں عظیم شخصیت کا مالک اسے غصیلی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا۔ "رانا صاحب آپ "روشنی ہڑ بڑا کر اپنے سر پر دوپٹہ ڈالتے ہوئے بولی. "کنور سا سے دور رہو. وہ شادی شدہ ہے اس کے بچے ہیں. اگر اگلی بار تم مجھے میرے بیٹے اور بہو کے بیچ میں نظر آئی تو تمہیں آگ لگا کر مار دوں گا تمہیں اکیلے نہیں بلکہ تمہارے سارے خاندان کو جلا دوں گا" پرتاب رانا ایسے جملے اپنی پوری زندگی میں نہیں استعمال کیے تھے. سامنے بیٹھی روشنی بے ساختہ ہنسنے لگی۔ اس کے سر سے پلو سرک گیا۔ اس کا چہرہ ہنسنے کے سبب سرخ ہو گیا۔ "تو پگلی ہو گئی کیا چھوری تجھے جان سے مارنے کی دھمکی دے رہا ہوں اور تو ہنس رہی

ہے "ڈرائیور اور پرتاب رانا خوشی کو حیرانی سے دیکھ رہے تھے جب کہ وہ ہنسے جا رہی تھی۔

"کنور سا سے تو میں مرنے کے بعد بھی الگ نہیں ہوں گی میں ان کی آتما کا حصہ ہوں اگر میں مر بھی گئی تو انہیں کے ساتھ رہوں گی. میرے آتما قیامت تک آپ کی حویلی کے ارد گرد بھٹکتی رہے گی کنور سا کے انتظار میں. "پرتاب رانا کے ہوش اڑ گئے انہوں نے اپنی آنکھوں کے سامنے ایک شیطان کو ہنستے دیکھا تھا. وہ اتنا کہہ کر وہاں سے چلی گئی۔ پرتاب رانا نے ملازم کو روشنی کے اوپر نظر رکھنے کے لیے کہا۔

وہ جب گھر پہنچی اور اوپر کمرے میں گیلری میں آکر کھڑی ہوئی تو اسے وہاں سمیرا فون پر بات کرتی نظر آئی اس کے چہرے کے تعاثرات بتا رہے تھے

کہ وہ سمیر سے بات کر رہی ہے اور وہ بہت زیادہ خوش ہے۔ روشنی کے وہاں آتے ہی سمیرا نے الوداعی کلمات کہہ کر کون رکھ دیا۔ "کیا ہوا تمھیں کیا حال ہوا ہے تمہارا" اس نے روشنی کے بکھرے کپڑوں کو دیکھ کر کہا. بہت دنوں بعد ان دونوں نے ایک دوسرے سے مخاطب کیا تھا. روشنی کے آنسوں دھیرے دھیرے بہنے لگے اس کی ساری ہمت جواب دے گئی. وہ اس سے گلے لگ کر ہچکیوں کے ساتھ رونے لگی. "کیا ہوا ہے روشنی ایسے کیوں رو رہی ہو جلدی بتاؤ مجھے ڈر ہو رہا ہے"

"میں کنور سا سے الگ نہیں ہونا چاہتی میں ان سے بہت پیار کرتی ہوں بہت زیادہ" ہچکیوں کے بیچ میں وہ بولی۔ سمیرا نے روشنی کو خود سے الگ کیا اور اس کے آنسوں پونچھنے لگی۔ "یہ تو ہونا ہی تھا. تجھے پہلے ہی پتہ تھا کہ وہ شادی شدہ ہے سارے شہر کو پتہ ہے کہ وہ کنور ہے. "سمیر نے بے رخی

سے کہا۔" تیری غلطی تھی روشنی. تو نے ایک شادی شدہ آدمی سے پیار کیا.

وہ تجھے صرف استعمال کر رہا تھا. " سمیرا اس کا بازو پکڑ کر اسے آئینہ دکھا رہی

تھی اور وہ اس کے ہاتھ کو جھڑک کر اس آئینے سے پیچھا چھڑا رہی

تھی. " کوئی استعمال نہیں کیا ہے کنورسا نے وہ بھی مجھ سے پیار کرتے ہیں

ورنہ وہ مجھے اپنے اتنے قریب آنے نہیں دیتے " سمیرا اس کے جواب پر

ہنس پڑی۔

" وہ تجھ سے پیار کیوں کرے گا. اس کی بیوی پورے راجستھان کی سب

سے خوبصورت لڑکی ہے. " روشنی نے اپنی ناک چڑھائی. " وہ نہیں میں

سب سے خوبصورت ہوں اور میں ہی کنورسا کا پیار ہوں " روشنی ضد

پہاڑی بول رہی تھی۔" روشنی سنبھل جاو ورنہ تو کہیں کی نہیں رہے گی "

"میں کنور سا کے بنا کہیں کی رہنا بھی نہیں چاہتی" روشنی نہیں بول رہی تھی اس کے اندر قائم محبت بول رہی تھی۔ جواب جنون کی شکل اختیار کر چکی تھی۔ اب اس جنون کی آگ میں کئی گھر جلنے والے تھے کئی روحیں تڑپنے والی تھی۔

رات کے درمیانی پہر میں رمشا کی طبیعت خراب ہونے لگی۔ وہ روتے ہوئے اٹھی۔ اس کے رونے کی آواز سے تمام بہنیں اور خوشی اٹھ کر اس کی طرف متوجہ ہوئی۔ جو اس کے رونے میں شدت آئی تو خوشی نے سمیرہ کے ساتھ مل کر اسپتال جانے کا فیصلہ کیا۔ سمیرا اور خوشی دونوں رمشا کو لے کر ہاسپٹل کے لیے چلے گئے۔ روشنی باقی بہنوں کے ساتھ گھر میں ہی رہے۔ "ہمارے ساتھ ایسا کیوں ہو رہا ہے" مصباح نے روشنی کے گلے

لگ کر روتے ہوئے کہا. اس سوال کا جواب تو روشنی کے پاس بھی نہیں

تھا۔ "سارا دشمن اللہ کی پوری کائنات ہمارے دشمن بنی پڑی ہوئی ہے پتہ

نہیں کیا چاہتا ہے ہم سے "سمیہ اور صبر نے ایک ساتھ کہا. ان دونوں سے

متفق ہو کر سنبل نے بھی اسباب میں سر ہلایا. "اچھے لوگوں کو اللہ اتنا رلاتا

کیوں ہے؟" مصباح روشنی سے الگ ہو کر بولی. "مزہ آتا ہے اسے ہمیں

روتا ہوا دیکھنے میں" سنبل نے تبصرہ کیا. "لیکن وہ تو اللہ ہے" مصباح نے نہ

سمجھی اس سے پوچھا. "تبھی تو" سنبل دوٹوک انداز میں کہتی ہوئی کھڑکی

کے باہر دیکھنے لگی. چاند کی روشنی اس کے چہرے پر پڑ رہی تھی اس نے

آنکھیں بند کی تو اس کے کانوں میں کئی آوازیں انے لگی جس کو صرف وہ

سن سکتے تھی. "ابھی بہت کچھ ہونے والا ہے ہمارے ساتھ" صبور نے بے

یقینی سے سنبل کو دیکھا۔ "کیا ہونے والا ہے اور کیا کہہ رہی ہو تم اور تمہیں

کیسے پتہ" صبور نے ایک سانس میں سارے سوال کر ڈالے. "اس سوال کا جواب میں تمہیں نہیں دے سکتی. لیکن اب ہمارا خاتمہ ضرور ہو گا یہ دنیا ہمیں چین سے جینے نہیں دے گی تو موت ہی ہماری آزادی ہو گی" سمبل کی باتوں سے باقی بہنوں میں خوف اترنے لگا وہ خوف کے مارے ایک دوسرے کو دیکھنے لگی اور روشنی سے لپٹ گئی. "تم پاگل ہو گئی ہو سنبل ایسی باتیں کیوں کر رہی ہو" روشنی میں سخت آمیز لہجے میں اس سے کہا. "روشنی دی جو آپ کے ساتھ ہوا ہے وہ مجھے معلوم ہے جو سمیرہ دیدی کے ساتھ ہونے والا ہے وہ میں دیکھ چکی ہوں جو مصباح کے ساتھ ہو گا وہ بھی میں نے دیکھا ہے اور اب رمشاہ" وہ اتنی ڈراونی باتیں بڑی آسانی سے کر رہی تھی۔

"پتہ نہیں کیا کھا کے آئی ہے یہ الٹی سیدھے باتیں کر رہی ہے" صبور نہیں سنبل کو دیکھ کر کہا. "تمہیں جو سمجھنا ہے سمجھو" سنبل صبور کے بات کو نظر انداز کرتے ہوئے بولی.

ایک آہٹ آئی ہے موت کی

ایک خبر پہنچی ہے موت سے

آزادی ہے موت زندگی سے

آزادی ہے مٹی کے جسم سے

موت کا سایہ لہرا رہا ہے

موت کا فرشتہ بلا رہا ہے

اب خاک کریں گے خاک میں مل کر

آتش برسائیں گے آگ میں جل کر

ہر گلی ہر کوچے میں خوف ہو گا

حویلی کی دیواریں کانپ جائیں گی

جب ان کی آنکھیں ہماری روحوں سے نظریں ملائیں گی

ہر انسان سانس لینا بھول جائے گا

جب جب زباں پہ ہمارا نام آئے گا.........

ایک خدا ایک نام

ایک رسول ایک کام

ہزاروں سوال مگر ایک کتاب

ہر لفظ میں چھپا اس کا جواب

ایک ڈوری امید کے ایک تار اچھائی کا

ایک قطرہ مثبت ایک جام بھلائی کا

ایک قدم اور ایک اور دروازہ

ایک فیصلہ زندگی بھر کا خمیازہ

ایک چھلکا آنسوں ندامت کا

ایک حرف عداوت کا

ایک دھاگے میں لپٹا وشواس

جو کھیلیں ماہر طریقے سے تاش

ایک نماز ایک لہراتا سایہ

اکیلی عورت کو نہ ڈرا پایا

ایک حالت مجنون ایک ذہنی بیماری

ایک سیا کتاب ایک ضدی قاری

ایک راز کئی جسم کے ٹکڑے

دیواروں نے نے سنی عجیب فقرے

ایک اور کہانی ایک اور پردہ فاش

زن زر زمین ایک اور کاغذ معاش.........-

ڈی ایس پی صاحب آج اپنے کام سے تھک کر سڑک کے کنارے اپنی کار روک کر لیٹے ہوئے تھے۔دوپہر کی کڑکتی دھوپ کار کے شیشوں کو پار کر کے اندر آرہی تھی۔ عیسی نے چونک کراپنی آنکھیں کھولی جب ونڈوپر کسی کی دستک ہوئی۔آنکھوں کو مشکل سے کھولتے ہوئے عیسی نے ونڈو کی طرف دیکھا۔ریوان سر مئی کرتے میں اسکے باہر آنے کاانتظار کر رہاتھا عیسی دروازہ کھول کر باہر اس کے مقابل آکر کھڑاہوگیا۔ریوان کی پرکشش آنکھوں میں اپناعکس دیکھ کر عیسی مسکرااٹھا۔"لگتاہے ڈی ایس پی صاحب کی بیوی سے لڑائی ہوگئی"ریوان نے بات کاآغاز کیا.اس کے تبصرے پر اس مزید مسکرایا."میں توچاہتاہوں کہ میری بیوی مجھ سے لڑے لیکن وہ

کچھ زیادہ ہی سمجھدار ہے "عیسی نے نرم لہجے میں جواب دیا. "پھر راستے کے بیچ آپ کس کی بلی چڑھا رہے تھے "

"راستہ عوام کا ہے اور میں بھی عوام کا حصہ ہوں میں جہاں مرضی اپنی گاڑی کھڑی کر سکتا ہوں " پانچ منٹ پہلے جو ان دونوں کے بیچ میں بے تکلفی تھی دوبارہ سنجیدگی میں بدل گئی تھی. "آپ بھول رہے ہیں. آپ عوام نہیں ہیں عوام کے غلام ہیں " لہجے میں سختی تھی مگر چہرے پر کوئی تعثر نہیں تھا. " بالکل میں عوام کا غلام ہوں کسی بڑے باپ کے بیٹے کا نہیں "جواب فوراً اور دوٹوک آیا. ریوان اس کی بات پر ہنس پڑا۔۔۔۔۔

"آپ نے مجھ سے گفتگو کرنے کی تکلیف کیسے اٹھائی کچھ بتانا تھا آپ کو "عیسی اس کو خاموش پا کر بولا۔ ریوان کا چہرہ بے رنگ ہو گیا۔ اس نے اپنا تھوک نہیں نگلا۔ "کوئی بات نہیں کرنی ہے آپ سے "ریوان نے بات

کے ساتھ اپنا بھی رخ بدلا. سڑک کے اس طرف اس کی کار تھی۔ "میں ہمیشہ آپ کا منتظر رہوں گا مجھے یقین ہے کہ آپ ایک دن وہ ضرور بولیں گے جو آپ بولنا چاہتے ہیں "عیسی کے بات پر ریوان کے قدم رکے لیکن وہ مڑا نہیں. وہ جانتا تھا کہ اگر وہ ایک اور لمحہ اس شخص سے بات کر لے تو اصل میں سب بول دے گا. وہ چل کر اپنے کار کی طرف گیا اور دیکھتے ہی دیکھتے اس کی کار وہاں سے غائب ہو گئی۔ عیسی کچھ دیر یوں ہی کھڑا دیکھتا رہا سڑک پر خاموشی تھی مکمل خاموشی۔ ہوا کے ساتھ ریت شامل تھی۔ اس نے نظریں اٹھائی تو بجلی کی تاروں پر کالے کوے قطار میں بیٹھے ہوئے تھے۔ وہ جتنا سوچ رہا تھا معاملہ اس سے زیادہ پیچیدہ تھا۔ وہ اپنے خیالوں کو جھٹکتا ہوا کار میں واپس آ کر بیٹھ کر وہاں سے روانہ ہوا۔

ریم ڈائننگ ٹیبل پر پھل کاٹتی ہوئی ملازمہ سے گفتگو کر رہی تھی۔ وہ ہلکے آسمانی رنگ کے نفیس ساڑی میں بہت ہی زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے بال چھوٹی میں قید تھے تو اس کے کانوں میں چھوٹے ایئر نگ تھے عادت کے بر خلاف جا کر اس نے نوز پن پہن رکھی تھی اور ہاتھوں میں سفید چوڑیاں۔ اس کے چہرے پر مسکان نے اس کی خوبصورتی میں چار چاند لگائے تھے۔ اس نے گردن اٹھا کر دیکھا تو عیسی سامنے سے ہاتھوں میں سرخ انگاروں سے دہکتے گلابوں کے ساتھ داخل ہو رہا تھا۔ اس کے ہاتھ رک گئے اور بے اختیار وہ کرسی سے اٹھی۔ اور وہ آہستہ آہستہ قدم لے کر عیسی کے مقابلہ کر کھڑی ہو گئی۔ عیسی نے پھولوں کا گلدستہ آگے کیا ریم نے گلدستہ کو اپنی ناک کے پاس لا کر گلابوں کی بہترین خوشبو کو اپنے اندر اتارا۔ عیسی ایک قدم آگے بڑھا اور بڑی محبت سے ریم کے ماتھے پر اپنے

لب رکھے۔ آنکھیں کھول کر نظر ملائی اور کئی دیر تک نظروں کا تبادلہ ہوتا رہا۔ "پتہ نہیں کیوں میرے ہر مرض کی دوا تم ہو" وہ اس کے اقرار پر سرخ ہوئی. گلابوں کا رنگ اس کی سرخی کے آگے پھیکا پڑنے لگا. "آپ کے پھول کے لیے لائے ہیں ہمارے باغ میں تو ایسے بہت سارے پھول ہیں" وہ اپنی سرخی کو چھپاتے ہوئے بات کو ٹالنے لگی. "پتہ ہے. بہت پھول ہے لیکن جہاں بھی میں جاؤں پھولوں کو دیکھوں مجھے تمہاری یاد آتی ہے خاص کر ان سرخ گلابوں کو دیکھ کر" ملازم اندر چلی گئی۔ وہ دونوں اب صوفے پر آکر بیٹھ چکے تھے۔ ریم نے ملازمہ کو چائے بنانے کے لیے کہا۔ "وہ کیوں" مرد کو پگھلانے والی پہلی چیز عورت کی معصومیت ہی ہوتی ہے. "کیونکہ یہ تمام پھولوں سے زیادہ خوبصورت ہیں" عیسی ریم کو اپنے سینے سے لگاتا ہوا بولا۔ ریم بڑی آسانی سے اس کی ہموار سانسوں کو محسوس

اور سن پارہی تھی۔ایسا لگ رہا تھا کہ وہ کتنا زیادہ پر سکون ہے۔"اگر اتنی ہی محبت تھی تو اتنے دنوں بعد دیدار کیوں کروایا رہتے وہیں اپنے پولیس اسٹیشن میں" لہجے میں خفگی تھی مصنوعی خفگی۔"وہ محبت ہی کیا جس میں تڑپ نہ ہو اور انتظار نہ ہو" وہ بھی کہاں پیچھے رہنے والا تھا. ریم اس سے الگ ہوئی اور اس کی آنکھوں میں دیکھ کر بولنے لگی. "آپ تڑپتے رہیں آپ کرتے رہیئے انتظار مجھے نہیں کرنا یہ سب "مصنوعی خفگی اب اصل ناراضی میں بدل گئی تھی۔اس سے پہلے کہ وہ وہاں سے اٹھ جاتے عیسی نے اسے اپنے سینے پر گرالیا۔"سوری اگلی بار سے نہیں انتظار کرواؤں گا" وہ اس کے بال چومتا ہوا اسے منانے کی کوشش کرنے لگا.

"جھوٹ ہر بار یہی بہانہ ہوتا ہے آپ کا" ریم آج فل موڈ میں تھی. "جان ! مجھ سے لڑا مت کریں آپ کا ایک غلام مر جائے گا. " وہ اس

کو مزید اپنے سینے میں بھینچتے ہوئے محبت سے بول رہا تھا اور اس کی آواز ریم کے کانوں میں چاشنی گھول رہی تھی اس کے دل کے تار بے اختیار بجنے لگے تھے. اس نے کوئی احتجاج نہیں کیا۔ ملازمہ چائے کا ٹرے لا کر ٹیبل پر رکھ کر واپس چلی گئی. ریم نے زبردستی عیسی کو خود سے الگ کیا اور چائے کا کپ لا کر اس کے سامنے رکھ دیا. "کیا کروں یہ چائے پی کر جب کہ تم میری تھکان دور کرتی ہو" چائے کا کپ اس کے ہاتھوں سے لیتے ہوئے عیسی بول پڑا. "ٹھیک ہے پھر آپ اپنی نوکری چھوڑ دیں اور مجھے دیکھ کر زندہ رہیں" عیسی کے ساتھ چائے کا گھونٹ اندر بھر کر ریم نے شرارتی انداز میں کہا. "سوچ تو یہی رہا ہوں" وہ دونوں یوں ہی دھوپ کی کڑکتی روشنی میں چائے کے مزے لے رہے تھے اور ایک دوسرے سے گفتگو اقرار اظہار کر رہے تھے.

گلی کی کونے سے گاڑی موڑتے ہوئے اچانک سے ریوان کی کار خراب ہو گی۔ دوپہر کی کڑک تھی دھوپ میں اس گلی میں کوئی نہیں تھا تھی تو بس خاموشی۔ وہ گاڑی سے اترا۔ زمین پر قدم رکھتے ہی ہواؤں نے اپنا رخ بدلا اور پوری رفتار سے اس کے چہرے پر آنے لگے۔ ان ہواؤں میں اسے اپنا نام سنائی دینے لگا۔ آواز سے وہ واقف تھا یہ وہ آواز تھی جو اس کی سات نسل بھی نہیں بھول سکتی تھی یہ وہ گناہ تھا جو ہر نیکی کو بھلا دیتا تھا۔ اس نے ان اوازوں کو نظر انداز کرتے ہوئے گاڑی کے ٹائروں پر نظر دوڑائی ٹائر بے جان سا ہوا مانگ رہا تھا۔ اس نے مایوسی سے آسمان کو دیکھا۔ (میں آپ کا مر کر بھی ساتھ نہیں چھوڑوں گی") یہ وہ جملہ تھا وہ جب سے یہاں آیا تھا وہ سن رہا تھا. اس نے اپنے ڈرائیور کو فون کیا اور گاڑی سے ٹیک لگائے کھڑا

رہا. اگلی گلی کے مڑنے پر جانے دشمن کا گھر تھا. وہ وہاں چلتی ہواؤں اور سانسوں کو اور ساتھ ہی ساتھ آوازوں کو مکمل طور پر نظرانداز کر رہا تھا اس عمل میں وہ اچھا خاصا ماہر بن گیا تھا۔ سالوں سے ان کو نظرانداز کرتا ہوا آیا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہاں ڈرائیور دوسری کار لے کر آیا اور ساتھ میں مکینک کو۔ وہ ڈرائیور سے دوسری کار کی چابی لے کر وہاں سے فوراً روانہ ہو گیا۔ ہوائیں ایک بار پھر سے نارمل ہو گئی۔

کمرے میں پہنچتے ہی اس کے رگوں میں دشا کی خوشبو پھیل گئی۔ دشا نے ہی پورے کمرے کو سرخ گلابوں سے سجا رکھا تھا۔ دوپہر کی کڑکتی دھوپ کی شعائیں ان گلابوں پر پڑ کر انہیں مزید خوبصورت بنا رہی تھی۔ اس کے دن بھر کی تھکن دھیرے دھیرے ہوا میں تحلیل ہونے لگی۔ وہ کمرے کے

چاروں طرف دشا کو ڈھونڈ رہا تھا اس کی آنکھوں میں بے چینی تھی۔ وہ اپنے ہاتھ سے گھڑی نکالتے ہوئے بیڈ پر آکر بیٹھا۔ دشا باتھ روم سے سر پر ٹاول لپیٹے کمرے کے اندر داخل ہوئی۔ عادت کی بر خلاف اس نے آج سلوار سوٹ پہن رکھا تھا۔ سوٹ کے آستین اس کی کلائیوں تک آ رہے تھے۔ اور اس کا گلا پھول نما تھا کانوں میں اور گلے میں کوئی زیور نہیں تھا۔ گرم پانی سے نہانے کے سبب اس کی ناک اور کان سرخ تھے۔ اس کی نظر جیسے ہی ریوان پر پڑی وہ چونک کر سیدھی ہوئی اسے ریوان کے وہاں آنے کی امید نہیں تھی۔ ریوان نے سر تا پیر اپنی بیوی کو فرصت سے دیکھا جیسے مرنے والا اپنی زندگی کو دیکھتا ہے جیسے کوئی غریب اپنی زندگی بھر کی جمع پونجی کو دیکھتا ہے۔ اتنی حسرت محبت عقیدت تھی اس کی آنکھوں میں کہ اس کی سانسیں آہستہ چل رہی تھی۔ دشا نے بار بار اسے یقین دلاتی تھی کہ

راجستھان کے لوگ اسے کیوں اسے اس جگہ کی سب سے خوبصورت لڑکی مانتے ہیں۔وہ بھی ناز یورات کے بنا آرائش وزیبائش کے کپڑوں کے باوجود بھی اس زمین کی سب سے خوبصورت لڑکی تھی۔جو اس کے نصیب میں لکھی گئی تھی جو اس کی بیوی تھی جو اس کے بچوں کی ماں تھی جو اس کے دل کی دھڑکن تھی۔اس بات کو کوئی ٹال نہیں سکتا تھا کہ سامنے کھڑی عورت کے لیے لوگ اپنی سلطنت بھی لٹا سکتے ہیں۔"آپ اتنا جلدی کیوں آگئے سارا سرپرائز خراب کر دیا آپ نے" وہ خفگی سے بولتے ہوئے آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر ہیر ڈائر کو چالو کر کر اپنے بال سکھانے لگی۔ٹاول سے آزاد ہو کر اس کے بال ہیڈ رائر کی ہوا میں لہرانے لگے۔کالے لمبے گھنے بال کسی کو دن میں رات کا احساس دلا دیں۔وہ بنا جواب دیے اسے دیکھتا رہا اسے محسوس کرتا رہا.کمرے میں صرف ہیئر ڈائر کی آواز تھی۔"کیا ہوا

آپ کچھ بول کیوں نہیں رہے ہیں" ریوان کو مکمل طور پر خاموش پا کر دشا نے پوچھا. وہ پوری طرح اس کی جانب مڑ کر اس کی طرف متوجہ تھی. اس کے بال ساکت تھے مگر اس کی آنکھیں جھلملا رہی تھیں. ریوان نے اسے اپنی برابر آکر بیٹھنے کے لیے اشارہ کیا۔ وہ اپنی بالوں کو کانوں کے پیچھے کرتے ہوئے اس کے برابر آکر بیٹھی۔ پیچھے کا گلا تھوڑا وسیع تھا اور اس پر ڈوریاں لگائی گئی تھیں۔ بنا کچھ کہے اس نے بازو سے گلے لگا لیا. گلے لگتے ہیں ریوان کا دماغ سن ہو گیا. دشا کی خوشبو اس کی ناک سے سفر کرتے ہوئے اس کے سارے بدن میں پھیل گئی. "تو ایسی بھی بہت خوبصورت ہے پھر یہ کوششیں؟" وہ مدھم لہجے میں بولا. مودی شاہ کے کان کے قریب تھا دشا کے ریڑھ کی ہڈی میں سنسناہٹ ہوئی. "ماں جی نے کہا تھا" ریوان آنکھیں بند کیے ہوئے ہلکا سا مسکرایا. "مطلب میرے لیے تیار

نہیں ہوئی ہے تو" وہ اسے چھیڑ رہا تھا. دیشا اس سے فورا الگ ہوئی اور
چہرے پر خفگی لیے اسے دیکھنے لگی. "میں نہیں بات کر رہی آپ سے" وہ
بیڈ سے اٹھی باہر جانے کے لیے قدم بڑھایا مگر دوسرے پل وہ ریوان کے
برابر بیٹھی اس کے سینے پر ہاتھ رکھ کر اس کے دل کی دھڑکنوں کو محسوس
کر رہی تھی. "مانا کہ تو سب سے زیادہ خوبصورت ہے لیکن اپنے پتی پر یہ اتیا
چار اچھی بات نہیں" وہ ایک بار پھر اس کے بالوں میں سر دیے مدھم لہجے
میں بولا. دشا نے اپنی آنکھیں بند کر لی. "تو میری جان ہے رے" وہی جو
جملا جو سالوں سے سنتے آئی تھی اسی انداز سے اسی لہجے میں. آنکھ بند کیے
ہوئے دشا ہلکا سا مسکرائی۔ "بہت ہو گیا پریم اب چلیے کھانا کھا لیجیے" وہ اس
کو خود سے زبردستی الگ کرتے ہوئے بولی. کو بے تابی سے کرایا. دشا ہنسنے
لگی کمرے میں ایک بار پھر سے زندگی پھیلی. ریوان نے بڑے غور سے اس

کے ہنستے ہوئے رخسار کو دیکھا. کیا تھا اس کے چہرے پر خوبصورت نقوش بھرپور معصومیت دلکشی. حسرت ایمانداری وفاداری. " چلیے آپ کو کھانا دے دوں " وہ کمرے سے باہر نکلتی ہوئی اپنے سر پر پوری طرح سے دوپٹہ پھیلا ہوئے نکلی وہ اس کو جاتا دیکھ کر بیڈ سے اٹھا اور فریش ہونے چلا گیا۔

چارلی، الیگزینڈر، اور ڈیوڈ گول میز کے اعتراف بیٹھے اپنی اس کتاب کو دیکھ رہے تھے جو کتاب لوگوں کے سمجھ سے باہر تھے۔ تینوں ہی کالے سوٹ میں ملبوس تھے تینوں نے ایک ہی طرح کا ہیئر سٹائل رکھا تھا۔ چارلی نے کتاب کے اخری پڑھنے پر لکھے شیطان کی بیٹی کے حرفوں پر اپنا ہاتھ پھیرا۔ نہ جانے کیوں اسے اس لکھنے والے سے حسد ہوا۔ "کب جا رہے ہو انڈیا" الیگزینڈر نے خاموشی کو توڑتے ہوئے ڈیوڈ کو مخاطب کیا. ڈیوڈ نیک

نظر چارلی اور الیگزینڈر پر ڈالی. ایک گہری سانس حلق سے نیچے اتارتے ہوئے اس نے بولنا شروع کیا. "جلدی جانا پڑے گا بلاوا آیا ہے" وہ بے چین تھا. "کیا ہو گا اگر ہم ایک بار پھر شیطان کی بیٹی سے ملاقات کرنا چاہیں" چارلی نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے کہا. ڈیوڈ اور الیگزینڈر کی آنکھیں حیرت کے مارے تھوڑی بڑی ہوئی. "مطلب" الیگزینڈر نے نہ سمجھنے والے انداز میں چارلی سے پوچھا. "مطلب یہ کہ اس بار ڈیوڈ جو میں نے جائے گا تو شیطان کی بیٹی سے بات کرے گا. وہ اس سے اس کتاب کی پہیلیوں کو پوچھنے کی کوشش کرے گا" چارلی بڑی سنجیدگی سے کہہ رہا تھا. کمرے میں اتنا اندھیرا تھا کہ وہ تینوں ایک دوسرے کا چہرہ بھی نہیں دیکھ پا رہے تھے. "اور تمہیں لگتا ہے کہ شیطان کی بیٹی ہمیں سب بتا دے گی" الیگزینڈر نے پوچھا.

"شاید بتا دیں اس کا مقصد ہے اس کتاب کی برائی کو پوری دنیا میں پھیلانا تھا جو ہم کریں گے "چارلی نے صاف اور سادگی میں کہا. الیگزینڈر اور ڈیوڈ نے اسبات میں سر ہلایا. کچھ پوری جگہ پر روشنی کے نام پر دور کے چند میں ایک موم بتی جل رہی تھی. اس کی روشنی کے اعتراف ایک کیڑا بھنبنا رہا تھا. وہ تینوں کچھ دیر یوں ہی اس کالے جادو کی کتاب کا جائزہ لیتے رہے۔

دشا ریوان کے کھانے کے بعد باورچی خانے میں اس کے لیے چائے بنا رہی تھی۔ ریشمی گلا صاف کرتے ہوئے باورچی خانے میں داخل ہوئی۔ اور اس کے برابر آکر کھڑی ہو گئی دشا اسے دیکھ کر مسکرائی۔ "ریوان کے لیے بنا رہی ہو" دشا اس کے سوال پر ہلکے سے سر کو جنبش دی. دشا شکر کا ڈبہ لینے کے لیے پلٹی۔ ریشمی نے اپنے پروں سے کچھ پاؤڈر سا نکال کر چائے میں ملا

دیا۔اور جلدی سے خود کو کمپوز کرتی ہوئی مسکرانے لگی۔"آپ کے لیے بھی بنادوں" دشا نے نرم لہجے میں ریشمی سے پوچھا. ریشمی نے فورا نفی میں سر ہلایا. "تم رات کے کھانے کا انتظام دیکھ لو گی؟"ریشمی نے اپنے چہرے پر غائب ہوتے رنگوں کو قابو کرتے ہوئے پوچھا. "جی بھابی آپ فکر نہ کریں میں دیکھ لوں گی" وہ چائے کو کپ میں ڈالتے ہوئے بڑی نرمی سے بولی. کپس کو ٹرے میں رکھ کر وہ باورچی کھانے سے باہر سے چلی گئی۔ریشمی کے چہرے پر شاطرانہ مسکراہٹ آئی۔"میرا حق مجھ سے کوئی نہیں چھین سکتا" وہ زیر لب بڑھائی اور ہاتھ جھٹکتی ہوئی وہاں سے چلی گئی.

ریشمی نے اس دن کے بعد دشا اور ریوان میں کوئی تبدیلی نہیں دیکھی وہ دونوں ویسے ہی تھے جیسے ہوا کرتے تھے۔ کستوری دیوی اب بھی انہیں

ویسے ہی ٹریٹ کرتی تھی جیسے ہر بار کیا کرتی تھی۔اس کے عمل سے کسی کی بھی زندگی میں کوئی تبدیلی نہیں آئی تھی سوائے خود کے وہ مزید بے چین ہونے لگی تھی۔اس نے اپنی ملازمہ کے ساتھ ایک بار پھر اس غفہ میں جانے کا فیصلہ کیا۔کار کو غفہ کے باہر پارک کر کے وہ ملازمہ کے ساتھ اندر چلنے لگی۔اس نے اپنے اعتراف چادر لپیٹی ہوئی تھی اور ملازمہ سر پر پلو ڈالی چل رہی تھی۔اندر آتے ہی اس عجیب شخص نے اسے بیٹھنے کے لیے کہا۔"کیا پریشانی ہے؟"ریشمی نے باری باری اس آدمی اور ملازمہ کو دیکھا۔"آپ نے جو کرنے کے لیے کہا تھا وہ میں نے کر دیا لیکن کچھ ہوا ہی نہیں؟ریشمی نے صاف گوئی سے اپنی پریشانی رکھی. وہ عجیب آدمی ہنسنے لگا غوفہ کی چاروں دیواریں اس کی ہنسی سے گونجنے لگے. آگ کے بھڑکتے شعلوں میں شیطان کی بیٹی کا عکس نظر آیا جو خود مسکرا رہی تھی۔"اس نے

صحیح کہا تھا اس پر جادو کا کوئی اثر نہیں ہو گا" وہ آدمی ہنستے ہوئے بولا۔ ریشمی نے نہ سمجھی اسے اپنی ملازمہ کو دیکھا۔ "کیا مطلب کس نے کہا تھا؟"

"وہی جو شیطان کی بیٹی ہے وہی جو اپنے استاد سے دو قدم آگے چلی گئی. "آدمی ایک دم سے غرایا۔

"لیکن دشا پر اس کا اثر کیوں نہیں ہوا"

"کیونکہ اس کے گرد کوئی بڑی طاقت ہے جو اسے بچا رہی ہے" وہ آدمی شیطان کی مورت کے سامنے ہاتھ جوڑے بول رہا تھا اور ریشمی کے دل کی دھڑکنیں پوری رفتار سے چل رہی تھی. "تو جو چاہتی ہے وہ نہیں ہو گا چھوٹے صاحب اور چھوٹی بہو پر کوئی اثر نہیں ہو گا"

"ریوان پر کیوں اثر نہیں ہو گا"

"ریوان کو جو طاقت بچا رہی ہے وہ چھوٹی بہو کی ہے. ورنہ وہ سالوں پہلے اس بھٹکتی آتما کے آگے مر جاتا. چھوٹی بہو کا پریم چھوٹے صاحب کو بچا رہا ہے ہر پریشانی سے ہر مشکل سے"

"تو کیا فائدہ ہوا آپ کی ان شکتیوں کا جب وہ میرے پریشانی دور نہیں کر سکتے" اس آدمی نے گھور کر ریشمی کو دیکھا۔ ریشمی نے خوف کے مارے اپنا تھوک نگلا۔ "تو ایک کام کر اپنی ساس کی کوئی چیز لا کر دے" ریشمی نے فوراً اسبات میں سر ہلایا. آگ کی لپٹو میں شیطان کی بیٹی مسکرائی. "حسد کی آگ اچھے اچھوں کو جلا دیتی ہے. اس آگ سے تو آدم کا بیٹا بھی بچ نہیں پایا"

ریشمی اس آدمی کو کچھ پیسے دے کر وہاں سے اپنی ملازمہ کے ساتھ چلی گئی۔اس کے جانے کے بعد وہ آدمی اپنے کام میں واپس سے مصروف ہو گیا۔

یہ جو آدمی شیطان کا بھگت بن گیا ہے ایک زمانے میں کسی مسجد کا مولوی ہوا کرتا تھا۔اس کا نام محمود تھا بڑا ہی مشہور ہوا کرتا تھا۔مسجد کے امام ہونے کے ناطے تمام لوگ اس کے بہت عزت کرتے تھے۔لیکن صرف اس کی زبان پر اللہ کا نام تھا نہ کہ دل میں۔دل سے وہ منافق تھا اسے ہمیشہ سے لوگوں سے حسد ہوا کرتا تھا وہ چاہتا تھا کہ وہ دنیا کی ہر آرائش وزیبائش کو جیے مگر جو تنخواہ ایک مولوی کو ملتی ہے اس میں روزمرہ کی زندگی کا گزارا ہونا بھی مشکل ہوتا ہے۔اس نے زبان پر قران کے کلمات رکھ کر دل میں شیطان کی پیروی کی۔صرف زبان سے ایمان لانا کافی نہیں ہے۔دل کا

صادق ہونا بہت ہی زیادہ ضروری ہے۔ اور عشق حقیقی میں تو ہمارا ہر عمل

ہمارے اور اللہ کے بیچ کی محبت کو بتاتا ہے۔ اور شیطان کو اسی بات کی جلدی

تھی اس نے جب دیکھا کہ محمود دل سے منافق ہے تو اس نے اپنا جادو چلایا۔

اسے اپنی کالی دنیا میں آنے کے لیے دعوت دی اسے وہ سب دکھایا جو وہ

چاہتا تھا اسے وہ دکھایا جسے محمود ڈھونڈا کرتا تھا۔ محمود نے شیطان کے

بہکاوے میں آکر اپنی بیوی اور تین چھوٹے بچوں کو جان سے مار دیا۔ اور ان

کے گوشت کو شیطان کو چڑھا کر خود بھی کھانے لگا۔ شیطان کے حکم پر اس

نے اپنی بوڑھی ماں پر زنا تشدد کیا۔ جس کی وجہ سے وہ مر گئی۔ یہ اس کے

حیوانیت کا پہلا قدم تھا اس کے بعد وہ اپنی بھوک مٹانے کے لیے کئی

معصوموں کا قتل کرتا ہے اور ان کے گوشت کو کھاتا اور ان کے خون سے

اپنے پیاس بجھاتا۔ ایسا کرتے کرتے وہ شیطان کا سب سے من پسندیدہ

شاگرد بن گیا تھا۔اس نے اپنے آپ کو مرا ہوا ثابت کر کے اس غفہ میں رہنے لگا۔ شیطان کے ساتھ ہی اسے اپنا استاد کہنے لگے تھے لیکن شیطان نے ایک دن اس کے سامنے اپنی بیٹی کو لا کر رکھ دیا۔ شیطان کی بیٹی نے آخرت تک خود کو زندہ رکھنے کے لیے اپنے جسم کو مار دیا جس سے وہ مزید شیطان کے قریب ہو گئی۔ مگر اس کے مرنے کے بعد بھی شیطانی دنیا میں وہ زندہ رہی۔لوگ اس کے درجے تک پہنچنے کے لیے ہزاروں کوششیں کرنے لگے مگر ایک قدم بھی اس کی طرف نہیں بڑھا پائے وہ شیطانیت کے اس درجے پر تھی۔

دشا اپنے کسی ملازم کے ساتھ مندر کے لیے نکلی ہوئی تھی۔۔ مندر سے کچھ دوری پر ڈرائیور نے کار روک دی۔ ''کیا ہوا بھائی سا'' ڈرائیور مسلسل

گاڑی سٹارٹ کرنے کی کوشش کرتا ہوا اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "چھوٹی دلہن لگتا ہے گاڑی خراب ہو گئی ہے" ڈرائیور نے شیشے میں اس کا عکس دیکھتے ہوئے کہا۔ "کوئی بات نہیں میں پیدل چلی جاتی ہوں زیادہ دور نہیں ہے" دشا گاڑی کا دروازہ کھولتی ہوئی بولی۔ ڈرائیور کے لاکھ منع کرنے کے باوجود وہ اپنی ضد پر اڑ کر پیدل چلنے لگی۔ راستے میں چلتے ہوئے وہ ٹھوکر کھا کر گرنے والی تھی کہ اسے ایک وجود نے بچا لیا۔ دشا نے خوف سے بند ہوئی آنکھوں کو کھولا اور اپنے بچانے والے کو دیکھا۔ وہ سیاہ عبایا میں سر پر حجاب پہنے چہرے پر بے حد سکون لیے اسے دیکھ رہی تھی۔ "آپ ٹھیک ہیں" ریم کے سوال پر اس نے سنبھل کر مسکرایا۔ "جی میں ٹھیک ہوں شکریہ" وہ اسی انداز میں اس کا شکریہ ادا کرنے لگی۔ وہ دونوں خاموشی سے ساتھ چلنے لگی۔ "آپ یہاں کی لگتی نہیں ہیں نئی آئی ہیں" دشا نے چلتے

ہوئے اس کی حلیے کو دیکھ کر پوچھا جو کسی بھی طرح سے راجستھانی نہیں لگ رہی تھی۔ "جی میں یہاں کی نہیں ہوں. میرے ہسبینڈ اس علاقے کے ڈی ایس پی ہیں تو ہمیں مجبوراً یہاں شفٹ ہونا پڑا" ریم نرم لہجے میں مسکراتی ہوئی بولی۔ "آپ بہت خوبصورت ہیں" دیشا نے ریم کو بغور دیکھتے ہوئے کہا. اس نے یہ جملہ اپنی پوری زندگی میں صرف اپنے لیے سنا تھا لیکن پہلی بار کسی اور کے لیے بولا تھا اس کے ساتھ چلنے والا وجود بے شک بہت زیادہ حسین تھا. اس کی تعریف پر ریم ہلکا سا مسکرائی اور اس نے پلکیں اٹھا کر اپنی ساتھ چلتی ہوئی اس خوبصرتی کی ملکہ کو دیکھا. "میں آپ کو خوبصورت اس لیے لگی کیونکہ آپ خوبصورت ہیں" ریم نے ٹھہر کر اس سے کہا. دشان نے بھی رک کر اسے دیکھا. کوئی کپڑوں میں سمٹا حیا کی چادر میں لپٹا اتنا زیادہ حسین کیسے لگ سکتا ہے. دشا سوچے بنا رہ نہیں پائی. کوئی

اتنی سادگی میں بھی اتنا حسین کیسے ہو سکتا ہے ریم بھی سوچ بنا رہ نہیں پائی. "اپ کا نام" ریم نے مصافے کے لیے ہاتھ آگے کیا اور پوچھا. "مسس دشا ریوان رانا" دشا نے ہاتھ ملاتے ہوئے اپنا تعارف کروایا ۔"آپ کا نام" دشا نے ہاتھ پیچھے کرتے ہوئے پوچھا۔ "مسس ریم عیسی امین" ریم نے جواباً اپنا تعارف کیا دونوں ایک بار پھر ساتھ چلنے لگی ریم مندر کے باہر لوگوں کے کھانا لے کر نکلی تھی۔

"آپ بھی مندر آرہی ہیں" دشا مندر کے سیڑیوں کے پاس رک کر بولی ریم نے فوراً نفی میں سر ہلایا۔ "نہیں۔ میں یہاں ان لوگوں کے لیے کھانا لائی تھی۔" ریم نے بھوکے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا دشا نے ستائشی نظروں سے ریم کو دیکھا۔ "ہندو کو کھانا کھلا رہی ہیں آپ" دشا کے لہجے میں بے یقینی تھی اس کے سوال پر ریم کی مسکراہٹ گہری ہوئی

۔"بھوک کا کوئی مذہب نہیں ہوتا مسس پرتاب" دشا کو خود پر افسوس ہوا مگر اس کا پہلی بار کسی مسلمان سے آمنا سامنا ہوا تھا۔" صحیح کہا آپ نے آپ انہیں کھانا کھلائیں میں پوجا کر کے آتی ہوں" وہ اس کو مصروفیت سے بولتی ہوئی اوپر چلی گئی۔ریم نے پاکیٹ سے کھانے کے ڈبے نکالے اور وہاں بیٹھے لوگوں کو دینے لگی بدلے میں لوگ اسے بہت ساری دعائیں دینے لگے۔"بھگوان تیری ہر ہچا پوری کرے" ایک بوڑھی عورت نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر دعا دی۔"اماں دعا دیں کے مجھے اولاد کا سکھ ملے" ریم بھوڑی عورت کے برابر جھک بولی۔اس کی آنکھیں نم تھی۔"ضرور بیٹی بھگوان تجھے سنتان دے" وہ اس کا سر ایک بار پھر سہلاتے ہوئے بولی ریم کی آنکھیں بھیگنے لگی۔وہ آگے بڑھ کر باقیوں کو کھانا دینے لگی۔اولاد کی تمنا عورت سے کیا کیا کروادیتی ہے۔وہ ان سب کو کھانا دے کر سیڑھیوں

پر بیٹھ کر دشا کا انتظار کرنے لگی۔ وہاں سے گزارنے والے لوگ اسے عجیب نگاہوں سے دیکھنے لگے۔ "تم یہاں کر رہی ہو" ایک نارنجی رنگ کے لباس میں ملبوس شخص نے بے حد غصے سے ریم سے کہا ریم فوراً کھڑی ہو گئی۔ " جی میں "اس سے پہلے ریم ک چھ بولتی پجاری نے اسے روک دیا۔ "مندر میں مسلمان کا کیا کام" پجاری اب اسے شک کی نگاہوں سے دیکھ رہا تھا ۔ "جی میں ان بھوکوں کو کھانا دینے آئی تھی" ریم نے وہاں بیٹھے لوگوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ پجاری پجاری نے ایک نظر وہاں بیٹھے لوگوں پر ڈالی جو بھوک کے مارے بے صبری سے کھانا کھا رہے تھے۔ ریم کے چہرے پر مسکراہٹ اور سکون میں کوئی بدلاؤ نہیں آیا تھا۔ "تمہاری ہمت کیسے ہوئی" پجاری غرایا تمام لوگ وہاں جمع ہونے لگے۔ "اس میں ہمت کی کیا بات ہے۔ غریبوں کو کھانا کھلانے کے لیے کون سی ہمت کی

ضرورت پڑتی ہے ضرورت تو بس کھانے کی پڑتی ہے" وہ سادہ سے لہجے میں پجاری کے حواس کو ٹھکانے لگا رہی تھی۔ سارا مجمع ریم کو عجیب نظروں سے دیکھ رہا تھا۔ "پجاری سے زبان لڑاتی ہے بد تمیز لڑکی" اس سے پہلے وہ ریم پر ہاتھ اٹھاتا دشا نے بلند آواز میں اسے رکنے کے لیے کہا پجاری اور باقی لوگ دشا کی طرف متوجہ ہوئے اور اپنی گردن جھکا کر کھڑے ہو گئے ریم کو حیرت ہوئی۔ "آپ لوگ کسی کے ساتھ ایسا کیسے کر سکتے ہیں" دشا سیدھا پجاری سے مخاطب ہوئی۔ وہ ریم کے برابر کھڑی ہوئی تھی۔ "چھوٹی دلہن..." پجاری کو دشا نے چپ رہے کا اشارہ کیا۔ "یہ جو ہیں ڈی ایس پی صاحب کی پتنی ہیں اور یہ یہاں بھوکے لوگوں کو کھانا کھلانے آئی تھی" دشا نے وہی انداز برقرار رکھا۔ "بھوک کا کوئی دھرم نہیں ہوتا پجاری جی۔" وہ سانس لینے کے لیے رکی۔ "آئندہ ایسی حرکت نہیں ہونی چاہیے۔ مندر

میں آنے والوں سے ان کی زات دھرم نہیں پوچھا جائے گا۔ ہمارا دھرم لوگوں کی سیوا کرنے کا نام ہے تو کرپیا یہ بات یاد رکھیں آپ لوگ" ریم تمام مجموعہ میں سے مخاطب ہو کر بولی۔ سب لوگ گردن نیچی کیے اس کا حکم ماننے لگے۔ " چلیں" وہ ریم کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر اس کے ساتھ چلنے لگی ریم اس سے کافی امپرس ہو چکی تھی اسے پتا نہیں تھا کہ وہ اس جگہ کی چھوٹی حکمرانی ہے۔ دونوں چلتے ہوئے آکر ایک بینچ کے پاس آکر بیٹھ گئے۔" معاف کیجیئے گا" دشا نے معذرت خواہ انداز میں کہا۔ ریم نے اس کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا۔" کوئی بات نہیں آپ میری دوست بنے گی" ریم نے دوستی کی آفر کی جو دشا نے پورے دل سے قبول کی۔" مجھے نہیں پتا تھا کہ آپ کا راج چلتا ہے یہاں" ریم کے تبصرے پر دشا مسکرائی۔" بس دیوی ماں کی کرپا ہے میرے پتی یہاں کے کنور ہیں نہ" دشا تفصیلی طور پر بتا

رہی تھی۔ "میں جو بھی کام رہے گا آپ کو بتادوں گی آخر دوستی کا کچھ تو فائدہ ہو" ریم دوستانہ لہجے میں بولی۔ "بالکل آپ دوست ہیں میری کسی بھی وقت یاد کر سکتی ہیں" ان دونوں کی خوشی کا ٹھکانہ نہیں تھا دونوں کو دوست کی تلاش تھی جو خدا نے پوری کر دی تھی۔ دونوں دشا کے ڈرائیور کے آنے تک بات کرتی رہی۔ "اگلی بار کہاں ملیں گے"

"آپ جہاں کہیں وہاں" دشا نے جواب دیا۔

"میں نے ایک جگہ کے بارے میں سنا ہے وہاں بہت بھکاری ضرورت مند رہتے ہیں کیوں نہ اگلی بار وہاں چلیں" ریم پرجوش ہوئی۔

"یہ تو بہت اچھی بات ہے میں بھی اگلی بار کچھ سامان لاؤں گی دان کے لئے دونوں ساتھ مل کر پونیہ کمائیں گے" ریم اور وہ بہت قریبی دوستوں کی طرح بات کر رہے تھے جیسے وہ سالوں سے دوست ہو دونوں نے ایک

دوسرے کا نمبر لیا۔ "امید کرتی ہوں کہ آپ مجھے یاد رکھیں گی" ڈرائیور کے آتے ہی دونوں کھڑے ہو گئے اور دشا نے ریم کو گلے لگا کر کہا۔ "آپ کو کوئی بھول سکتا ہے" ریم اس سے الگ ہو کر بولی وہ دونوں ایک دوسرے کو سلام کر کے اپنے اپنے راستے چلے گئے۔

دوستی کا اختتام بھلے ہی ہمارے اعمال پر ہو مگر اس کا آغاز قسمت طے کرتی ہے۔ جن کا ملنا ہماری قسمت میں ہوتا ہے وہ بہت پہلے ہی طے ہو چکا ہوتا ہے۔ دشا اور ریم وہ دو اجنبی کردار تھے جو دنیا سے وابستگی سے پرہیز کرتے تھے۔ دونوں نے اپنی پوری زندگی چار دیواری میں گزار دی۔ کسی کے دباؤ میں آ کر نہیں بلکہ اپنی خوشی سے۔ دونوں نے اپنی پوری زندگی اپنے ہمسفر کے نام کر دی۔ دونوں میں بہت چیزیں کامن تھی۔ دونوں ہی ہاؤس

وائف تھی دونوں ہی نیک اور نرم دل تھی۔ سب سے بڑی بات ان دونوں کا سوچنے کا طریقہ ایک تھا۔ دشا جب سے مندر سے آئی تھی۔ صرف ریم کا ذکر کیے جا رہی تھی۔ ریوان کے پیچھے پیچھے وہ پورے کمرے میں گھوم کر اپنی واحد دوست کے بارے میں بتا رہی تھی۔ ریوان نے پہلی بار دشا کو اتنا بولتے ہوئے پایا تھا اسی لیے اس نے اسے روکا نہیں تاکہ اس کی یکسوئی نہ ٹوٹے۔ ایک جگہ تھم کر وہ دشا کے مقابل کھڑا ہو کر اس کے تعاثرات دیکھنے لگا۔ "آپ کو پتہ ہے وہ کتنی زیادہ خوبصورت ہے" اس نے اپنے آپ پر ریوان کی نظروں کو نظرانداز کرتے ہوئے پرجوش انداز میں کہا. ریوان اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنے ساتھ لا کر بیڈ پر بٹھا دیا. "تم سے بھی زیادہ خوبصورت ہے کیا" ریوان نے اسے بیچ میں ٹوکتے ہوئے کہا. دیش نے فورا اسبات میں سر ہلایا۔ ریوان لاجواب ہو چکا تھا۔ وہ پورے راجستھان سے

اپنی بیوی کی خوبصورتی کے گن گان سنتا آیا تھا آج پہلی بار اس کی بیوی نے کسی اور کی تعریف کی تھی۔ "آخر کون ہے وہ عورت جس کی وجہ سے میری بیوی مجھے بھول کر اسے یاد کیا جا رہی ہے" ریوان نے اسے بازو سے گلے لگاتے ہوئے ناراضگی سے پوچھا. اس کے کھلے بالوں سے خوشبو ریوان کی سانسوں میں مل رہی تھی. "وہ ڈی ایس پی صاحب ہے نا انہی کی بیوی ہے ریم امین" ریوان یکدم سے اس سے الگ ہوا۔ اسے حیرانی اور بے یقینی ہوئی تھی۔ "کیا" دشا نے اس کے تعاثرات دیکھیے پھر چپ ہو گئ۔ "کون ہے تمہاری دوست" سوال ایک بار اور اسی بے یقینی سے پوچھا گیا. دشا کو اب تھوڑا سا ڈر ہوا. "ڈی ایس پی صاحب کی بیوی ہیں" دشا نے ڈرتے ہوئے بہت آہستہ سے کہا. ریوا نے غصے سے خود کے بال نوچے۔ "پوری دنیا میں تمہیں وہی ملی تھے دوستی کرنے کے لیے" ریوان بیڈ سے اتر کر

چلتے ہوئے بولا۔ دشا اس کی آواز سے سہمنے لگی تھی۔ "تم جانتی ہو بھائی سا اس سے کتنی نفرت کرتے ہیں" دشا نے اپنی حلق میں اپنے آنسوؤں کو قید کیا. "جس عورت کو تم نے دوست بنایا ہے اس کا پتی ہمارا دشمن ہے" وہ پوری قوت سے چلا رہا تھا اور دشا کے آنسوں دھیرے دھیرے اس کی ہتھیلی پر گر رہے تھے. "اب میں دوستی بھی آپ کی دوستی دشمنی دیکھ کر کروں گی" اپنے آنسوؤں کو پونچ کر اس نے گردن اٹھا کر ریوان کو دیکھ کر قدر سنجیدگی سے کہا. ریوان کو کچھ حیرانی ہوئی یہ پہلی بار ہوا تھا کہ اس نے پلٹ کر ریوان کو جواب دیا تھا. "وہ میری دوست ہے مجھے اس سے کوئی فرق نہیں پڑتا کہ اس کا پتی آپ کا دوست ہے یا دشمن. زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو اپنا دوست مانا ہے اور میں آپ کے دشمنی کی خاطر اس دوستی کو نہیں چھوڑوں گی" دشا اسی انداز میں بولتی ہوں ہوئی وہاں سے چلی گئی.

ریوان کو خود پر بہت سارا غصہ آیا. "ہے بھگوان میں نے کچھ زیادہ ہی چلا دیا" وہ ندامت سے اپنے بال نوچتا ہوا خود سے کہہ رہا تھا.

جو حال دشا کا تھا وہی حال ریم کا بھی تھا وہ کھانا بناتی ہوئی ملازمہ سے مسلسل دشا کے بارے میں بات کر رہی تھی۔ "وہ چھوٹی دلہن ہیں بہت زیادہ اچھی ہیں وہ" سبزی کاٹتے ہوئے ملازمہ ریم کی بات سے متفق ہو کر بولی۔ ریم نے خوشی سے ملازمہ کو دیکھا۔ "تم نے پہلے کیوں نہیں بتایا" ملازمہ کے مقابل بیٹھ کر اس نے اس سے پوچھا۔ ملازمہ نے کندھے اچکائے۔ "آپ نے کبھی پوچھا نہیں اور حویلی کی بات ایسے نہیں کرتے" ملازمہ نے ریم کو دیکھے بغیر کہا۔ ریم نے سمجھنے والے انداز میں اپنی پلکیں جھپکائیں۔ باہر سے عیسی کے کار کی آواز آئی تو ریم اپنے ہاتھ دھوتی ہوئی باہر چلی گئی۔ وہ تھکا ہارا

گھر میں داخل ہوا صوفے پر بیٹھ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی۔ ریم پانی لے کر اس کے برابر آکر بیٹھی عیسی نے اپنی آنکھیں کھول کر اپنی جان جہاں کو دیکھا۔ "آج یہ الگ رنگ کیسا" عیسی ریم کے گال پر اپنی انگلیاں پھیرتے ہوئے بولا دشا کو بس اسی سوال کا انتظار تھا۔ وہ عیسی کے ہاتھ میں پانی کا گلاس تھماتے ہوئے دونوں پیروں کو اوپر صوفے پہ لے کر بیٹھ گئی اب اس کی ٹرین چالو ہونے والی تھی۔ عیسی اس کے ہاتھ سے پانی کا گلاس لے کر آہستہ آہستہ پینے لگا۔ "تو ہوا یوں.......... " ریم بنا سانس لیے پوری کہانی بولتی رہی کہ وہ کیسے دشا سے ملی کیسے ان دونوں کی دوستی ہوئی۔ عیسی بنا اسے ٹوکے اس کی بات سنتا رہا۔ اور ساتھ ہی ساتھ اس کے بالوں میں انگلیاں پھیرتا رہا۔ اس نے ریم کو پہلی بار اتنا بولتے ہوئے پایا تھا وہ بھی کسی اور کے بارے میں اکثر وہ صرف اپنے ہونے والے بچوں کی باتیں کیا کرتی

تھی۔ آج پہلی بار وہ کسی اور کی باتیں کر رہی تھی۔ اسے اس کی دوست سے تھوڑا حسد ضرور ہوا مگر وہ اس کی یکسوئی نہیں توڑنا چاہتا تھا۔

"ویسے کیا نام ہے ملکہ کی دوست کا" ریم جب رکی تو اس نے پوچھا. "اس کا نام ہے مسز دشاریوان رانا" عیسی کے چہرے کے تعاثرات بدلے۔ چہرے پر یک دم سے غصہ نفرت بے یقینی حیرانی امڑ آئی۔ "کیا ہوا آپ چپ کیوں ہو گئے" ریم نے عیسی کو خاموش پا کر پوچھا.

"تمہیں پوری دنیا میں وہی ملی تھی دوستی کرنے کے لیے" عیسی کا لہجہ سخت اور سنجیدہ تھا. ریم نے پہلی بار عیسی کو اس لہجے میں بات کرتے ہوئے سنا تھا.

"کیا..... مطلب ؟"

"مطلب یہ کہ ریم وہ حویلی کی چھوٹی بہو ہے وہ لوگ کرمنل ہیں تم ایسے لوگوں سے دوستی کر سکتی ہو ان کی پوری فیملی پر نہ جانے کتنے لوگوں کو

مارنے کے الزامات ہیں" عیسی صوفے سے کھڑا ہو کر غصے سے بول رہا تھا.

اور اس کو اس انداز میں دیکھ کر ریم بری طرح نروس ہو رہی تھی یہ اس کے لیے نیا تھا. "لیکن اس سب سے دشا کا کیا تعلق "اس نے آخر کار اپنے حلق میں قید الفاظوں کو ادا کیا. "اکیا تعلق ہے دشا کا؟"اس نے سوالیہ انداز میں ریم کو جھنجھلا کر پوچھا. "دور رہو اس سے تم نہیں ملو گی اب سے "عیسی نے بنا سوچے سمجھے حکم دیا. ریم میں فوراً اس کے ہاتھ اپنے بازوں سے ہٹائے یا جھٹک دیے تھے. عیسی کو پہلی بار بے یقینی ہوئی. "آپ اپنی دشمنی خود تک رکھیں میرے اور دشا کی دوستی میں آنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

زندگی میں پہلی بار میں نے کسی کو دوست بنایا ہے اب آپ کی فالتو باتوں سے میں اس دوست کو نہیں کھونا چاہتی "ریم نے پہلی بار عیسی سے بحث کی

تھی۔اس کی آنکھوں سے آنسوں بہنے لگے تھے اور عیسی کا دل ہزار ٹکڑوں میں بٹ چکا تھا۔

"میں آج پہلی بار آپ کے سوائے کسی اور کی موجودگی سے اتنی زیادہ خوش ہوئی تھی لیکن آپ سے وہ خوشی دیکھی نہیں گئ" وہ جتنی شدت سے عیسی سے بول سکتی تھی اس نے بولا. لیکن زیادہ غصے کی وجہ سے اس کے آنسوں تیزی سے بہنے لگے تھے اور اس کی ناک اور چہرہ سرخ ہو گیا تھا. "ریم...." اس سے پہلے عیسی اسے روکتا وہ اپنے کمرے میں چلی گئ اور زور سے دروازہ بند کر دیا. عیسی کو خود پر بہت زیادہ غصہ ایا پہلی بار اس نے ریم کی آنکھوں میں اپنی وجہ سے انسو دیکھے تھے وہ صیحح تو کہہ رہی تھی اس حویلی کی عورتوں کا ایسے کیسز سے کوئی تعلق نہیں تھا. وہ ندامت سے خود کو کوستا ہوا صوفے پر بیٹھ گیا۔کچھ لمحات پہلے اس کمرے میں خوشی کا ماحول

تھا لیکن صرف اور صرف عیسی کے لہجے سے اور اس کے غصے سے ماحول بدل چکا تھا۔

کھانا کھاتے ہوئے دشا ریوان کو مکمل طور پر نظر انداز کر رہی تھی یہ بات وہاں موجود سب نے نوٹس کی وہ خاموشی سے کھانا کھا رہی تھی کستوری دیوی نے دشا کو بغور دیکھا اسکے چہرے سے صاف ظاہر تھا کہ وہ اداس ہے۔"چھوٹی بہو کیا ہوا ہے۔" کستوری دیوی کی آواز سے ڈائنگ ٹیبل پر خاموشی ٹوٹی دشا نے نظریں اٹھا کر اپنی ساس کو دیکھا پھر مسکرا کر نفی میں سر ہلایا۔

"چھوٹی بہو آج مندر میں آپ نے کیا کیا" دیوان نے چاول کا چمچ اٹھاتے ہوئے دشا کو مخاطب کیا دشا نے نروس ہو کر سب کو باری باری دیکھا۔"جی

...بھائی سا..... میں نے بس" اسے یقین نہیں آرہا تھا کہ بات اتنی جلدی پھیل گئی ہے۔" چھوٹی بہو آپ نے اپنے عہدے کا غلط استعمال کیا ہے یہ دھرم کے معملوں میں مت بولا کریں" دیوان اسے بہت نرمی سے سمجھا رہا تھا۔

"بھائی سا میں نے بس وہاں دھرم بتایا اگر لوگوں کو وہ دھرم کے خلاف لگا ہے اس میں ان کی غلطی ہے میری نہیں" سب لوگ اسے بے یقینی سے دیکھ رہے تھے وہ اتنی بے باک تو نہیں تھی ریم کی دوستی نے اسے ایک ملاقات میں بہادر بنا دیا تھا۔ "بھائی سا..." دیوان دشا کو بچانے کی کوشش کرنے لگا۔

"نہیں ریوان اپنی پتنی کو سمجھا دے کہ یہ بہو ہے لوگوں میں ہماری عزت ہے" ریوان کو بیچ میں ہی روک دیا گیا۔

"دیوان..... دشا نے جو بھی کیا ہو گا صحیح کیا ہو گا" کستوری دیوی دشا کی حمایت کرتی ہوئی بولی ریشمی کے سینے پر سانپ لوٹے۔ "لیکن ماں جی" دیوان کو کستوری دیوی نے ٹوک کر چپ چاپ کھانا کھانے کے لیے کہا۔ کھانے کے بعد وہ ملازموں کی مدد کرنے لگی ٹیبل صاف کرنے میں۔ ریوان بے صبری سے اسکا انتظار کر رہا تھا مگر اس کی بیوی آج حد سے زیادہ ناراض تھی۔

"آپ بس کریں چھوٹی دلہن ہم کر لیں گے" ملازمہ نے اس کے ہاتھ سے برتن لیتے ہوئے کہا تمام ملازمین کچن سے باہر چلے گئے۔ مگر ایک ملازمہ برتن دھو رہی تھی تو دشا اس کے ساتھ رک گئی ملازمہ کو عجیب لگا۔ "چھوٹی دلہن آپ کو کچھ چاہیے" ملازمہ نے پوچھا دشا نے فوراً نفی میں سر

ہلا یا۔ ریوان کے صبر کا باندھ ٹوٹا تو وہ کچن میں داخل ہوا اور بنا کچھ بولے دشا

کا ہاتھ پکڑ کر اسے اپنے کمرے میں لے آیا ملازمہ اندر ہی اندر مسکرائی۔

کمرے میں آتے ہی ریوان نے دشا کا ہاتھ چھوڑا اور دروازہ بند کر دیا دشا

سہم کر پیچھے ہٹنے لگی۔ ریوان اس کی جانب آہستہ آہستہ قدم بڑھا رہا تھا دشا

کی دل کی دھڑکنیں تیز ہو گئیں۔ اس نے ریوان سے نظریں چرائی۔ وہ

دیوار سے لگ کر رک گئی ریوان طنزیہ انداز میں مسکرایا۔ اس کے عین

مقابل کھڑے ہو کر اس نے اپنا ایک ہاتھ دشا کی دائیں طرف دیوار پر رکھا۔

دشا کے چہرے پر جھک کر وہ اس کی نظریں چراتی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

دشا نے اپنا رخ موڑ لیا۔ ریوان کو اس کی یہ حرکت پسند نہیں آئی۔ اس نے

دوسرے ہاتھ سے اس کی تھوڑی پکڑ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا۔ "اتنی

ناراضگی وہ بھی کسی اور کے لئے" اس کی مردانہ آواز پورے کمرے میں

بجلی کی طرح کڑکی دشانے اپنا تھوک نگلا_اس کے ہاتھ میں پسینہ آرہا تھا۔
ریوان نے اس کے جوڑے میں قید بالوں کو آزاد کیا بال کھڑکی سے آنے
والی ہوا میں لہرانے لگے۔اس کے چہرے پر آتے بالوں کو ریوان نے اپنی دو
انگلیوں سے آہستہ سے ہٹانے لگا اس کی دو انگلیوں کے لمس نے دشا کی
ریڑھ کی ہڈی میں سنسنی مچادی تھی۔ بالوں کو کان کے پیچھے کر کے وہ اسے
شوخ نظروں سے دیکھ رہا تھا۔"سوری معاف کر دے" آخر اس نے معافی
مانگی دشانے کوئی ردعمل نہیں کیا۔وہ خاموش کھڑی رہی۔ریوان کو اس
کی خاموشی کھٹک رہی تھی۔"بول کچھ" اسے تنگ آکر کہا۔

"ہٹیں دور مجھے نیند آرہی ہے" وہ ریوان کو خود سے دور کرتے ہوئے بولی
اور بیڈ کی طرف بڑھی مگر ریوان نے اس کی کمر میں ہاتھ ڈال کر اک بار پھر
خود سے قریب کر لیا۔وہ دور ہونے کی کوشش کرنے لگی مگر ریوان نے

اس کی کمر پر اپنی گرفت مضبوط رکھی تھی۔"یہ کرے گی میرے ساتھ کیا ملے گا تجھے مجھے نظر انداز کر کے"ریوان کی آواز بہت قریب سے اس کے کان میں داخل ہو رہی تھی۔وہ تب بھی چپ رہی۔"بول تو دیا سوری معاف کر دے اچھا مجھے کوئی پریشانی نہیں تیری اس دوست سے"دشا نے اسے دیکھا وہ سنجیدہ تھا۔دشا مسکرائی۔"واہ واہ آج ملی دوست مجھ سے زیادہ ضروری ہوگئی"وہ جل کر بولا۔"آپ سے زیادہ تو نہیں مگر کم بھی نہیں" وہ بول کر اس کے گلے لگ گئی۔وہ حیران تھا آج تک دشا کی زندگی میں اس کے اور بچوں کے سوا کوئی نہیں تھا مگر ایک کردار رونما ہوا تھا۔کھڑکی سے آتی ہوا دشا کے بالوں کو حرکت دے رہی تھی اس نے اپنی آنکھیں بند رکھی تھی کمرے میں مکمل خاموشی تھی دشا بہت آسانی سے ریوان کے دل کی دھڑکن سن سکتی تھی۔

"یار ریم اور کتنا ستاؤ گی "عیسی مسلسل اس کو منا کر تھک چکا تھا_اور ریم ماننے کا نام نہیں لے رہی تھی۔ وہ اپنے اون کے ساتھ مصروف تھی۔ عیسی اس کی طرف اوندھا لیٹے اس کی توجہ مانگ رہا تھا۔ "سوری یار "اس کے ہاتھ سے اون نکالتا ہوا بولا۔ دشا نے اسے غصے سے دیکھا پھر اون واپس لے لیا۔ "وہ مجھ سے زیادہ ضروری ہو گئ ؟"سوال تھا یا انکشاف۔ ریم نے اسے نظر انداز کیا۔ عیسی نے اون ایک بار پھر اس کے ہاتھ سے اون لے کر برابر ٹیبل پر رکھ دیا۔ "کیا ہے کیوں پریشان کر رہے ہیں "ریم نے چڑھ کر کہا۔ عیسی نے بنا کچھ بولے اس کو گلے لگا لیا۔ ریم نے اسے خود سے دور کر دیا تو عیسی نے بیچاروں والی شکل بنائی۔ "دور رہیں "وہ اس کو حکم دیتی اون کا گولا لے کر دوسرے کمرے میں چلی گئ عیسی بے یقینی سے بند دروازے کو

دیکھتا رہا۔ "عجیب خاندان ہے آدمی کھلم کھلا دھمکی دیتے ہیں اور عورتیں

اف میری بیوی چھین لی مجھ سے "وہ بچوں کی طرح بیڈ پر لیٹا بڑ بڑا رہا تھا۔ وہ

ریم کے پیچھے جانے کی حماقت نہیں کر سکتا تھا۔ وہ لائٹ کی روشنی میں ریم

کے واپسی کا انتظار کرنے لگا یہ جانتے ہوئے بھی کہ اب تو صبح ہی واپسی

ہو گی۔

ڈی ایس پی صاحب آٹو سوپی کی رپورٹ اپنے ہاتھ میں لیے اپنی بیوی کے

خیالوں میں گم تھے انہیں خبر نہیں تھی کہ سامنے انسپیکٹر ان کے حکم

کے انتظار میں کھڑا ہے۔ ٹیبل پر رکھی چائے ٹھنڈی ہو چکی ہے پیپر ویٹ

سے پیپر آزاد ہو کر گر گیا ہے۔ انسپیکٹر نے اپنا گلا کھنکارا. لیکن باوجود اس

کے ڈی ایس پی صاحب اپنی ملکہ جان کو اپنے خیالوں میں مناتے

رہے۔("ایسے کیسے کل ملی ہوئی عورت مجھ سے زیادہ ضروری ہو سکتی ہے۔

ریم نے مجھ سے لڑائی کرلی۔اب کیسے مناؤں گا نہ پھول کام آرہے ہیں نہ

کھانا نہ کتابیں نہ اون") خیالوں میں وہ اپنی بیوی کو منانے کے مختلف

ترکیب سوچ رہے تھے۔"سر آپ ٹھیک ہیں" انسپیکٹر نے ایک بار پھر

کوشش کی اس بار ذرا بلند آواز میں بولا تو ڈی ایس کے صاحب اپنے خیالوں

سے اصل زندگی میں ٹرانسپورٹ ہو گئے۔وہ ہڑبڑا کر سیدھا ہوا اور اپنا گلا

صاف کرنے لگا۔ٹیبل پر رکھے پانی کے گلاس کو ایک سانس میں اپنے حلق

میں اتارا۔اور انسپیکٹر کو بغور دیکھتے ہوئے کئی بار اپنی پلکیں جھپکائی۔"کیا کہہ

رہے تھے تم" ڈی ایس پی صاحب ابھی ابھی ریلٹی میں لینڈ ہوئے تھے۔

انسپیکٹر نے اپنی ہسی کو قابو میں کیا۔"سر یہ رپورٹ بتا رہی ہے کہ مقتول کو

بڑی بے رحمی سے مارا گیا ہے جیسے کسی نے بدلہ لیا ہو" بات کیا تھی ڈی

ایس پی صاحب کے تعاثرات بدل گئے. وہ اپنے چہرے پر سنجیدہ اور سخت تعثر لیے اس رپورٹ کو پڑھنے لگا۔ "لاش پر کسی اور کے نشان" انسپیکٹر نے فورا نفی میں سر ہلایا. عیسی کا دماغ الجھ کے رہ گیا. "کوئی ہتھیار ملا جس سے یہ سب ہوا تھا" ایک بار پھر نفی میں سر ہلایا گیا. "تو کیا پھر ہوا نے ہوا میں قتل کیا تھا" وہ چڑھ گیا. اس بار انسپیکٹر نے مسکرا کر شاید والا تعثر دیا. ڈی ایس پی صاحب کہ سارے طبق روشن ہو گئے۔ "تم جانتے ہو یہ ناممکن ہے" جیسے خود کو تائید کر رہا ہو.

"ویل ناممکن تو ہے مگر کچھ بھی ہو سکتا ہے" انسپیکٹر نے رپورٹ کو واپس لیتے ہوئے کہا.

"تم بھوت پریت میں یقین رکھتے ہو" ڈی ایس پی صاحب انسپیکٹر کے باتوں کو کھنگال کر ایک تبصرہ کرنے لگے۔ "سائنس بھی مان چکی ہے کہ

انسانوں کے سوا بھی دوسرے مخلوق دنیا میں ہیں" انسپیکٹر اب کرسی کھینچ کر بیٹھ رہا تھا. گلاس میں بچے ہوئے پانی کو ہوٹوں سے لگا کر ہلک میں اتارا۔ دراصل یہ انسپکٹر جے پور سے آیا ہوا تھا اور عیسی کا اچھا دوست بھی تھا. "تو بھول مت کہ تو انسپیکٹر ہے؟" وہی دوستوں والا رویہ.

"تو بھی بھول مت دوست ہے تو میرا" دوستی کو ئی یاد دلا یا. عیسی نے عجیب نظروں سے اپنے دوست کو دیکھا۔ "کش آج کل تو کس کیس پہ کام کر رہا ہے"

"آج ہی مارکیٹ میں نیا کیسا آیا ہے. تو نے وہ کتاب کا نام سنا ہے کالے جادو کی کتاب کیا نام ہے اس کا۔" کش نے اپنے دماغ پر زور دیتے ہوئے کہا۔ کچھ لمحے سوچنے کے بعد اس کے دماغ کی بتی چلی۔ "چھلاوا" دونوں سیدھا ہو کر بیٹھ گئے. "اور کیس کیا ہے"

"کسی نے اس کتاب کو ڈارک ویب پہ پبلش کر دیا ہے"

"تو"

"تو مسٹر ڈی ایس پی صاحب یہ کتاب ایک کرسڈ کتاب ہے. اس کتاب کے شروع میں لکھا ہے کہ جو بھی اس کتاب کو خدا کے ایک پرسنٹ بھی یقین کے ساتھ کھولے اس کے ساتھ کچھ نہ کچھ غلط ہو جاتا ہے۔"عیسی اس کی بات پر ہنستا گیا. "اور تجھے کیسے پتا تو تو سنت آدمی ہے"عیسی نے مذاق اڑانے والے انداز میں کہا.

"بھائی صاحب یہی تو کیس ہے. "عیسی کی ہنسی رکی.

"ڈیٹیل میں بتانا کیوں لڑکیوں جیسے باتوں کو گھما رہا ہے"

"بات یہ ہے کہ جے پور میں ایک لڑکی نے اس ڈارک ویب میں لاگ ان کیا اور اس میں کتاب کو پڑھنے کی کوشش کی مگر وہ تھی ایک پجاری کی بیٹی

روز وہ ان پوجا پارٹ میں انوالو ہوا کرتی تھی اب ظاہر سے بات ہے پجاری کی بیٹی ہے تو تھوڑا تو ایمان ہوگا۔"

"پھر "عیسی کے اندر کیوراسٹی آئی تھی۔

"پھر یہ کہ اس کا بوائے فرینڈ مر گیا" کش نے اتنے آسانی سے بولا جیسے کوئی یہ بڑی بات نہیں ہے۔

"پجاری کی بیٹی کا بوائے فرینڈ" جیسے خود کو بتا رہا ہو ہاں ایسا ہو سکتا ہے کسی کا بھی بوائے فرینڈ ہو سکتا ہے ایوری ون ڈیزرو لو۔

"ہاں بھائی جب میں نے پہلے بار سنا تو مجھے لگا کہ کوئی تیرے نام کی سٹوری بتا رہا ہے اسی لیے میں نے زیادہ دھیان نہیں دیا لیکن جب وکٹم نے زور دیا تو مجھے اس کیس کو سیریس لینا پڑا"

"اب کیا حال ہے تیرے اس کیس کا"

"نو پرو گریس اٹ آل" بڑی سادگی سے کہہ کر کندھے اچکائے گئے۔ "پھر تو بے کار ہے تو اور تیرا کیس" کش نے اسے غصے سے دیکھا۔ "ہاں بس کر دے جب سے آیا ہے ایک ہی کیس پر کام کر رہا ہے اور مجھے بیکار کہہ رہا ہے" دوستی میں تو تعنہ بندی ہوتی رہتی ہے۔ ایک دوست دوسرے دوست کا سانس نند بننے کا شوق لیے پھرتا۔ "اچھا پھر شام میں آجا کھانے کے لیے" عیسی نے کمرے میں پھیلی خاموشی کو توڑتے ہوئے دعوت دی لیکن کش نے ہنسنا شروع کر دیا جیسے عیسی نے کوئی جوک مارا ہو۔ "کیوں ہنس رہا ہے"

"تیری لڑائی ہوئی ہے بھابی سے اور تو مجھے دعوت دے رہا ہے" عیسی نے معصوم سا چہرہ بنایا جیسے اس پر ساروں سے ظلم ہوتا آیا ہو۔ "اوکے آجاؤں گا" کش نے کرسی سے کھڑے ہو کر عیسی سے ہاتھ ملا کر کہا۔ دونوں نے

ایک دوسرے کو گلے لگایا اور الوداعی کلمات کہہ کر ایک دوسرے سے

وداع لیا۔

)وہ تینوں چھلاوا کے اعتراف بیٹھے شیطان کی بیٹی کو بلا رہے تھے مگر شیطان کی بیٹی بہت ضدی تھی تھک ہار کر تینوں نے ہار مان لی. چارلی نے اپنا گلا صاف کرتے ہوئے ٹی شرٹ پہنی اور ایک صلح رکھی. "ہم یہ کتاب ڈارک ویب پر پبلش کریں گے. " الیگزینڈر اور ڈیوڈ اس کے بات پھر کچھ حیران سے ہوئے. "ڈارک ویب لوگوں میں کیوراسٹی پیدا کرتی ہے اور اس کتاب کے قصے تو سب کو پتہ ہے "تینوں جگہ سے اٹھ کھڑی ہوئی ہے اب چارلی کے حکم کی تعمیل کی جانے والی تھی۔ (

عیسی آج وقت سے پہلے گھر پہنچا تھا۔اس کی بیوی نے اسے آتا دیکھ اپنا مسکراتا چہرہ ناراض چہرے میں بدل لیا تھا۔اس کے گھر میں داخل ہوتے ہی ملازمہ اندر چلی گئی۔ہال میں صرف وہ دونوں تھے۔ریم بی صوفے سے اٹھ کر اندر جانے کے لیے کھڑی ہوئی۔ عیسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اپنی طرف متوجہ کیا جسے دوسرے پل ریم نے جھٹک دیا. "ایسی بھی کیا ناراضگی ریم" وہ اس کو پیچھے سے گلے لگا کر منا رہا تھا۔ "اگر آپ مجھ سے دور نہیں ہٹے تو میں" دوسری پل عیسی نے اسے پیچھے سے گلے سے آزاد کیا اور اس کے مقابل آکر کھڑا ہو کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا. ریم کی الفاظ اٹک گئے. "تو کیا کرو گی تم" وہ اسے کھلم کھلا چیلنج کر رہا تھا. "ڈی ایس پی کی بیوی ہوں کم سمجھنے کی غلطی مت کیجئے گا" وہ اس کی دھمکی پر کھل کر ہنسا۔ "کم سمجھ میں کون رہا ہے آپ کو" وہ اس کو اپنے سینے سے لگاتا ہوا بڑی محبت

سے بولا. ریم نے اسے خود سے دور کرنے کے بہت کوشش کی مگر عیسی نے اپنی گرفت مضبوط کرلی تھی. "آج کش آرہا ہے" وہ اس کو سینے سے لگائے بولا.

"کش بھائی" وہ پر جوش ہو کر اسے الگ ہو کر بولی.

"ہاں تم کیوں دور جا رہی ہو ادھر آؤ" وہ اس کو واپس سے اپنے گلے میں بھینچتا ہوا بولا. وہ اس کے کھلے بالوں میں اپنا منہ دیے اس کے بالوں کی مہک کو اپنے اندر اتار رہا تھا. اس کے دن بھر کے تھکن ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی. کمرے میں محبت کے رنگ پھیل رہے تھے لیکن ریم نے اپنے چہرے پر ناراضگی برقرار رکھی. "ہاں ہو گیا ابھی ہٹیے مجھے کھانے کی تیاری کرنی ہے" پوسٹ کو زبردستی خود سے دور کرتے ہوئے کچن کی طرف بھاگی. "خوبصورت لوگ ظالم کیوں ہوتے ہیں" وہ اس کو جاتا دیکھ کر منہ

میں بڑھایااور فریش ہونے اندر چلا گیا. وہ جب نہاد ھو کر سادہ لباس میں باہر آیااسے کھانے کی خوشبو نے پاگل کر دیا۔وہ آنکھیں بند کر کے اس مہک کو محسوس کرنے لگاوہ بالوں میں ہاتھ پھیرتا باہر ہال میں آکر بیٹھ گیا۔ باہر رات کااندھیرا تھا۔دن کی روشنی میں خوبصورت نظر آنے والا باغ رات کی سیاہی میں ڈراونالگ رہاتھا۔کش کی آمد کے لئے ریم نے دروازہ کھلار کھا گیاتھاورنہ مغرب کی نماز کے عیسی کے گھر کے دروازے بند ہو جاتے تھے۔اندر کچن میں ملازمہ اس کی مدد کر رہی تھی اس نے اپنافون لیا اوراس میں ای میل اور میسج چیک کرنے لگا۔(نرس نرملااور ڈاکٹر لوکیش کا افیئر چل رہاتھاجو ہاسپٹل کی انونٹری کے ساتھ جل گئے تھے)اس نے میسج پڑھ کر فون زور سے ٹیبل پر پٹک دیا۔اس کا غصہ آسمان پر تھااس نے اپنے بکھرے بالوں کومزید نوچ کر خراب کر دیا۔

"میں تو اس بارے میں بھول ہی گیا تھا" اس نے خود سے کہا ملازمہ اس کی طرف جوس لے کر بڑھ رہی تھی مگر چلتے ہوئے اچانک سے اس کے ہاتھ سے گلاس چھوٹ کر گر گیا۔ عیسی فورا کھڑا ہو گیا اور ریم بھی گھبرا کر باہر آئی ملازمہ کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ "کیا ہوا تم ٹھیک ہو" ریم نے اسے پیچھے کرتے ہوئے پوچھا ملازمہ کچھ بول نہ پائی۔ ریم نے اس کی آنکھوں کو دیکھا اسے ڈر لگ رہا تھا تو اس نے ملازمہ کو گلے لگا لیا اور اس کو دلاسہ دینے لگی تب تک عیسی نے کانچ کے ٹکڑے نکال کر اس جگہ کی صفائی کر دی تھی ۔ وہ ریم اور ملازمہ کو کمر پر ہاتھ رکھے گھور کر دیکھ رہا تھا۔ (ساری دنیا سے ہم دردی ہے سوائے میرے) وہ دل میں سوچنے لگا۔ ریم نے اشارے سے اسے پانی لانے کے لیے کہا۔ عیسی نے بے یقینی سے اسے دیکھا اور اندر کچن میں چلا گیا واپس آ کر اس نے گلاس ریم کے ہاتھوں میں دے کر صوفے پر

بیٹھ گیا ریم ملازمہ کو پانی پلانے لگی۔ "کوئی بات نہیں" ملازمہ کو تسلی بخش انداز میں دیکھتی ہوئی بولی۔ "میڈم یہ کیسے ہوا" ملازمہ نے آخر کار کچھ بولا ریم نے اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لیا اور اس کی پشت کو سہلاتے ہوئے بولی۔ "ہو جاتا ہے ایسے کوئی بات نہیں" عیسی نے فون سے نظریں ترچھی کر کے ریم کو دیکھا اور ہلکا سا مسکرایا ریم ملازمہ کو لے کر اندر چلی گئی۔ فون پر انگلیاں چلاتے ہوئے ایک اور میسج موصول ہوا۔ (اس آگ کے حادثے کے وقت دیوان رانا آئے ہوئے تھے وہ ساری انوینٹری انہی کے پیسوں سے آئی گئی تھی۔ وہاں اس دن ان کی فیملی کا کوئی فرد ایڈمٹ نہیں تھا) میسج پڑھ کر اسے خوشی ہوئی کیوں کہ اس کا اندازہ صحیح نکلا تھا۔ ("وہ انونٹری کس کمپنی سے خریدی گئی تھی اور آگ کس نے لگائی تھی پتہ کرو") اس نے پیغام لکھ کر سینڈ کا بٹن دبا دیا اور سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ وہ دروازے پر نظر

جمائے بیٹھا رہا۔ رات کی اندھاری میں ایک شخص نمودار ہوا لمبا قید سفید شرٹ اور ہاتھ میں چمچماتی گھڑی۔ عیسی صوفے سے اٹھ کر کش (Kush) کا استقبال کرنے لگا دونوں دوست ایک دوسرے کو گلے لگا کر الگ ہوئے اور صوفے پر آکر بیٹھ گئے۔ "بھابھی کہاں ہے" کش نے چاروں طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔ اس سے پہلے عیسی کچھ بولتا ریم ہال میں داخل ہوئی سر پر سرخ اوپٹا اوڑھے وہ مشرقی خاتون لگ رہی تھی۔ وہ سلام کرتی ہوئی ان کے ساتھ کرسی پر بیٹھ گئی۔ "کیسے ہیں آپ بھائی" وہی نرم لہجہ۔ "ہمیشہ سے زندہ دل اور ہینڈسم" کش نے پرجوش انداز میں اپنی خیریت بتائی۔ " ماشاءاللہ" ریم نے اسی انداز میں جواب دیا۔ وہ دونوں باتوں میں مصروف ہو گئے عیسی بیچارہ معصوم سی شکل لئے انہیں دیکھتا رہا وہ دونوں عیسی کو بھول چکے تھے۔ عیسی کا دل جل رہا تھا۔ "چلیں کھانا کھالیں" ان دونوں کو

ٹوکتے ہوئے عیسی صوفے سے اٹھا اور ڈائنگ ٹیبل پر آکر بیٹھ گیا۔ ریم اور کش نے ایک دوسرے کو دیکھا پھر وہ دونوں ڈائنگ ٹیبل پر آکر بیٹھ گئے۔ ملازمہ نے کچن سے کھانا لا کر ٹیبل پر رکھ دیا اور واپس چلی گئی ریم نے کھانا سرو کیا تو کش اور عیسی مزے سے کھانا کھانے لگے۔ کھانا کھانے کے دوران بھی عیسی خاموش رہا کش اور ریم ہی بات کر رہے تھے۔ ڈائنگ ٹیبل پر ہنسی، قہقہے مذاق کی لہر تھی۔ کھانے کے بعد وہ دونوں باہر صحن میں آکر سیڑیوں پر بیٹھ گئے ریم ان لوگوں کے لئے کچن میں کافی بنا رہی تھی۔ وہ دو دوست چاند کو دیکھ رہے تھے۔ "ایک کیس آیا ہے آنے سے پہلے ہی مجھے فون آیا تھا۔ کسی ڈاکٹر کا خون ہوا ہے۔ "کش نے خاموشی توڑی۔ "

نام"

"ڈاکٹر شوبتا سنگھ" کش بہت تھکا ہوا لگ رہا تھا۔

"عجیب بات ہے CCTV میں کوئی دکھا نہیں۔نہ کوئی ویپن ملا نہ کوئی نشان عجیب ہے سب "وہ عیسی کی ہی طرح الجھ رہا تھا_

"لگتا ہے خونی سائنس اور فارنسک کی معلومات رکھتا ہو اسلئے شاطر انداز میں خون کر رہا ہے "عیسی چاند پر نظریں گاڑھے بولا۔

"ایک منٹ...تجھے اپنے والے اور یہ کیس میں کوئی سیم چیز نظر آئی "عیسی کش کی طرف پوری طرح متوجہ ہوا۔"دونوں کا خونی ایک ہے عیسی بہت ماہر شاطر."

"مگر طریقہ الگ ہو گا نہ "عیسی پزل کے گم شدہ ٹکڑوں کو ڈھونڈنے کی کوشش میں تھا۔

"ہاں اس ڈاکٹر کو زہر دے کر مار دیا گیا ہے" کش کے دماغ کے تار بری طرح الجھ رہے تھے۔ کافی کا مگ ہاتھ میں لئے ریم وہاں آئی۔ "شکریہ" دونوں نے ایک ساتھ کہا۔

"تم سو جاؤ تھک گئی ہو گی" عیسی ریم کو اندر بھیجتا ہوا بولا ریم نے ایک نظر غصے سے عیسی کو دیکھا پھر کش کو سلام کر کے اندر چلی گئی۔ دونوں نے ایک ساتھ چائے کا گھونٹ لیا۔ دماغ میں ایک دم سے کیفین گزرا تو دماغ جاگنے لگا۔ "اپنے کیس کے بارے میں بتاتے رہنا پر چیز خود مت سہنا میں ہوں تیرے ساتھ" وہ دوستانہ لہجے میں بولا تو کش مسکرایا۔ "پتا نہیں یار عجیب واقعات ہو رہے ہیں مجھے تو لگ رہا کہ میں پاگل ہو جاؤں گا" عیسی نے مطفق ہونے والے انداز میں سر ہلایا کیونکہ وہ اس کی حالت کو ریلیٹ کر پا رہا تھا۔ "ہمارے نوجوان پتا نہیں کیوں منفی چیزوں میں تجسس رکھتے

ہیں۔ سوشل میڈیا نے ہماری یوتھ کو بگاڑ کر رکھ دیا ہے۔اب آج کل لوگ

پڑھائی پر یقین ہی نہیں کرتے انہیں سوشل میڈیا نے پیسے کمانے کے

مختلف طریقے سکھا دیے ہیں۔انہیں لگتا ہے کہ کتابوں میں دماغ خراب

کرنے سے اچھا ہے وہ کوئی ریل بنا کر فیمس ہو جائیں اور پیسہ کمائیں آسان

اور جلدی" کش بہت سنجیدہ اور اداس تھا۔

"جو چیزیں آسانی سے مہیا نہیں ہوتی وہ ان کا تجسس رکھتے ہیں اور اسے

ڈارک ویب پر سرچ کرتے ہیں. جن سے ان کا ذہنی سکون ختم ہو جاتا ہے

ان کا یہ تجسس کا سلسلہ جاری رہتا ہے. یہ ان کنٹینٹ کریئیٹرز کی چالاکی ہے

جو اپنے آڈینس کے ساتھ مسلسل رابطہ رکھنے کی کوشش میں لگے رہتے

ہیں. اور ان سب معاملات میں بیچارے نوجوان اپنی راہ کھو دیتے

ہیں" دوستوں میں اسے بہت کم لمحات اتے ہیں جہاں وہ کسی سیریس

موضوع پر بات کر رہے ہوتے ہیں اور یہ لمحہ انہیں کچھ سیریس لمحات میں سے ایک تھا۔ عیسی جو باتیں نہیں کہہ پاتا تھا کش وہ بہت آسانی سے بیان کر سکتا تھا آسان لفظوں میں کہوں تو کش عیسی کی آواز تھا۔"اور ادھر تو الگ ہی معاملہ ہے. سارا شہر ان دیکھے سایوں سے ڈرا پڑا ہے کوئی کہتا ہے کہ اس نے دیکھا کوئی کہتا ہے کہ اس نے سنا عجیب کیفیت ہے لوگوں کی"عیسی بھی اپنے دل کی بات کہہ رہا تھا اور کش اسے بہت غور سے سن رہا تھا.

"مجھے تو لگتا ہے ہر حادثے کے پیچھے دیوان رانا ہے عجیب بندہ ہے"اس کے لہجے سے پتہ چل رہا تھا کہ وہ دیوان کو کتنا ناپسند کرتا ہے. " صحیح کہا لگتا تو مجھے بھی ایسا ہے جے پور میں بھی کئی جگہ میں نے اس کے خلاف باتیں سنی ہیں لیکن کبھی کوئی ثبوت ملتا ہی نہیں بہت ہی شاطر انسان ہیں" کش عیسیٰ کے

بعد سے متفق ہو کر بولا۔ کافی کا مگ خالی ہوا تو دونوں نے ستون کے بازو میں رکھ دیا اور ایک بار پھر چاند کو دیکھنے لگے۔

"انشاءاللہ ایک دن حق کی جیت ہو گی" دونوں نے ایک ساتھ چاند کو دیکھ کر خدا سے دعا کی اور یہ امید لگائی کہ حق باطل کو ہرا دے گا۔ حق کا جیتنا تو وقت کے آغاز سے ہی شروع ہو چکا تھا حق نہ کبھی ہارا ہے نہ کبھی چھپا ہے۔ باطل بھلے ہی سینکڑوں کی تعداد میں ہوں لیکن حق کا ایک دن کا بھی ان سب کو ہرا سکتا ہے۔

رات کا شر دیکھنا چاہتے ہو

تو رات میں بھٹکتے جسموں کو دیکھو

ٹوٹے دلوں کو دیکھنا چاہتے ہو

سچی ارادوں سے کیے گئے قسموں کو دیکھو

ڈھیلی ہو گئی ہے سماج کی بنیاد

کمزور اپنی سماج کے رسموں کو دیکھو۔

چاند کی روشنی پوری زمین پر پھیلی ہوئی تھی زمین اپنی گردش میں مصروف تھی ہمیشہ کی طرح۔ ہوائیں خاموش سنسان تھی ساری دنیا میں بس نیند کا غلبہ تھا۔ ریم اور عیسی پر سکون نیند کی چادر اوڑے سوئے ہوئے تھے۔ ریم کے کانوں میں کسی کے ہنسنے کی آواز آئی تو وہ آہستہ بیدار ہوئی۔ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے آس پاس دیکھا کمرے میں صرف زرد روشنی تھی جس میں اس نے عیسی کا چہرہ دیکھا۔ اس نے محسوس کیا کہ جلنے کی بو آ رہی ہے۔ اس نے عیسی کو جگانا مناسب سمجھا وہ خود بیڈ سے اتری اور باہر کی

طرف نکلی۔ پورے گھر میں صرف اس کے قدموں کی آواز سنائی دے رہی تھی۔ وہ حال میں اکر یک دم سے ساکت ہو گئی اس کے قدموں کو ایک خوفناک منظر نے جکڑ لیا تھا۔ اس نے حیرت کے مارے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیے جیسے اپنی چیخ کو روکنا چاہ رہی ہو۔ ہال میں آگ کا شعلہ بھڑک رہا تھا۔ ریم کی آنکھوں سے آنسوں جاری ہو گئے۔ اس کا دل برق رفتار اسے چلنے لگا۔ اس آگ کے شعلے کے سامنے اس کی ملازمہ کھلے بالوں کے ساتھ راہ کو کھائے جا رہی تھی اور اپنے چہرے پر لگا رہی تھی۔ ریم نے اپنے حواسوں پر قابو کرنے کی کوشش کی اور غور سے اس اگ کو دیکھا۔ آگ اس کے سپنوں میں لگائی گئی تھی۔ برسوں سے بنی گئی وہ محبت جو اس نے اپنی دعاؤں کے لیے سجائی تھی۔ وہ اس کے اتنے سالوں سے بنے گئے ان کے مختلف کپڑے تھے جو اس نے اپنے بچوں کے لیے بنائے تھے یک دم

سے اس کے حلق سے چیخ نکلی اور وہ بے جان سے ہو کر زمین پر بیٹھ کر زور زور سے رونے لگی۔ ملازمہ نے مڑ کر اسے دیکھا اور اتنے خوفناک انداز میں مسکرایا لیکن اس کے باوجود بھی ریم نے اسے نہیں دیکھا وہ بس اپنے سپنوں کو جلتا ہوا دیکھ رہی تھی۔ عیسی ریم کی چیخ سے جاگ کر بھاگتا ہوا ہال میں آیا۔ وہ منظر دیکھ کر اس کا دل دہل گیا وہ ریم کو سنبھالنے کے لیے اس کے برابر بیٹھ گیا۔ ریم اس کے آتے ہی اس کے سینے سے لگ کر شدت سے رونے لگی۔ ایک ماں کہ دل کے ٹوٹنے کی آواز ساری رات نے سنی تھی۔ عیسی نے آہستہ سے ریم کو خود سے الگ کیا اور فوراً ڈائننگ ٹیبل سے پانی کا جگ اٹھا کر آگ پر ڈال دیا۔ عیسی نے ایک گلاس میں پانی لے کر ملازمہ کو ہوش میں لانے کے لیے اس پر پھینکا۔ ملازمہ پانی کے پڑتے ہی بے ہوش ہو کر زمین پر گر گئی۔ عیسی بھاگ گئے ریم کے پاس آیا اور اس کو

چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر ریم کے رونے میں کوئی کمی نہیں آئی۔ "میرے بچے....... عیسی میرے بچوں کو جلادیا" وہ رونے کے درمیان چیخ چیخ کر بتا رہی تھی۔ اس کے رونے کی شدت دیکھ کر عیسی کی آنکھیں بھی رو پڑی۔ وہ اپنی بیوی کو سینے میں بھیجتا ہوا اس کے ساتھ رونے لگا۔ سپنے تو اس کے بھی جلے تھے امیدیں تو اس کی بھی خاک ہوئی تھی۔ روتے روتے ایک دم سے ریم بے ہوش ہو گئی۔ عیسی مزید گھبرایا۔ اس نے ریم کو ہوش میں لانے کی بہت کوشش کی مگر ریم بے ہوش ہو چکی تھی۔ اس نے فوراً اسے گود میں اٹھا کر بیڈ پر لا کر لٹا دیا۔ اور ڈاکٹر کو فون کر کے بلایا۔ اس نے گھڑی میں وقت دیکھا فجر کا وقت ہو رہا تھا کسی بھی وقت فجر کی اذان ہو سکتی تھی۔ وہ باہر ہال میں آکر ملازمہ کو غور سے دیکھنے لگا ملازمہ کے چہرے پر کالے نشان تھے۔ اور اس کے ہاتھوں پر

ناخن سے نوچنے کے نشان تھے۔ جس کی وجہ سے اس کے ہاتھوں میں خون نکل رہا تھا۔اس نے فوراوہاں پڑے ملازمہ کے دوپٹے سے اس کے ہاتھ کو کور کیااوراس کو اٹھا کر صوفے پر لیٹا دیا۔اس نے اس راخ کو صاف کرنے سے پہلے اس کی کچھ تصویریں لیں اور ملازمہ کے بھی۔راخ کو صاف کر کے وہ واپس ہال میں آیا۔ڈاکٹر کی بائک کی آواز سے وہ باہر آیا. وہ ڈاکٹر کے ساتھ ریم کے کمرے میں آیا. ڈاکٹر نے ریم کا چیک اپ کیا. "انہیں صدمہ لگا ہے اسی لیے بے ہوش ہو گئے ہیں اپ ان کا خیال رکھیں" ڈاکٹر باہر آتا ہوا عیسی کو بتا رہا تھا۔ڈاکٹر نے ملازمہ کا بھی چیک آپ کیا۔ لیکن وہ بالکل نارمل تھی۔اس انے سے ڈاکٹر کو ساری واردات دہرائی۔ڈاکٹر نے گہری سانس لی اور ایک نظر ملازمہ پر ڈالی۔" یہ سائیکالوجیکل پرابلم ہے آپ سائیکرائٹ سے کنسلٹ کریں" ڈاکٹر نے صلاح دی. عیسی ان کو واپس باہر

تک چھوڑ کر گھر میں داخل ہوا. سورج اہستہ اہستہ اندھیرے کو چیر تا ہوا عروج پر آرہا تھا۔ فجر کے اذان نے سارے راجستھان کو جگانے کی ایک کوشش کی۔ کئی مسلمان جاگے تو کئی مسلمان بستر سے لگے سوتے رہے۔ عیسی اذان سنتا ہوا وہیں سیڑھیوں پر بیٹھ گیا۔اس کا دل بہت زیادہ اداس تھا۔اس نے اذان کے ساتھ دہرایا اور خدا سے فریاد کرنے لگا کہ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرے۔وہ اندھیرے کو سمجھاتے اسی اندھیرے میں قید ہو رہا تھا۔اس کی آنکھوں سے آنسوں پھسل کر زمین پر گرا۔اذان ختم ہوئی تو وہ نماز کے لیے اندر آیا۔ نماز پڑھتے ہوئے اس کے پاؤں مسلسل کانپ رہے تھے۔اس کا دل بہت تیزی سے کام کر رہا تھا۔جب کہ اس کا دماغ سند ہو گیا تھا۔جانے نماز پر اس کے آنسوں بارش کے مانند گر رہے تھے۔وہ سجدے میں جاتا تو آنسوں اس کی آنکھوں سے پھسل کر ناک سے

سفر کرتے ہوئے جان نماز پر گرتے۔اس کے لبوں میں اتنی قوت نہیں تھی کہ وہ آیتوں کو دہرا پائے وہ دل ہی دل میں آیتوں کو دہرا رہا تھا۔ نماز ختم کر کے اس نے سلام پھیرا اور دعا کے لیے ہاتھ اٹھایا۔ایک لمحہ اسے خدا نظر آیا وہ پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔جو پوری دنیا کے سامنے سب سے زیادہ سخت اور طاقت والا نظر آتا ہے۔ وہ خدا کے سامنے کسی بچے کی مانند کسی حقیر مخلوق کے مانند رو رہا تھا۔وہ کچھ کہہ نہیں رہا تھا نہ کچھ مانگ رہا تھا بس روئے جا رہا تھا اپنی دونوں ہاتھوں میں چہرہ چھپائے۔ جس کے سامنے وہ رو رہا تھا وہ تو چھپی باتوں کو جاننے والا ہے وہ تو غیب کا علم رکھنے والا ہے۔ اس نے وہ بھی سن لیا تھا جو عیسی نے نہیں کہا تھا۔خدا تو زخموں پر مرہم رکھنے والا ہے۔ وہ بندوں کے آنسوں پر ہنسے بھی نہ اس کو کم کرنے والا ہے۔ خدا بندے کو آزمائش میں ڈال کر اسے راہ دکھانے والا ہے۔ وہ اپنے

بندے کو اپنی آغوش میں لے کر دلاسا دینے والا سب سے بڑا رحمان اور رحیم ہے۔ پتھر پتھر سے دل رکھنے والا بھی خدا کے آگے موم بن جاتا ہے۔ یہی تو عشق حقیقی ہے۔ سورج کی روشنی اس کے ہاتھوں سے گزر کر ریم کے چہرے پر پڑ رہی تھی۔ ریم کے چہرے پر آنسوؤں کے دھبے تھے۔ وہ دعا ختم کر کر اٹھا اور آیت الکرسی پڑھ کر ریم کے چہرے پر پھونک ماری۔ ایک سکون کی لہر اس کے دل میں دوڑی۔ اس کا دل نارمل رفتار میں چلنے لگا۔ وہ ریم کے بالوں کو سہلا کر جوگنگ کرنے چلا گیا۔

دشا صبح کی آرتی ختم کر کے ساری حویلی میں گنگناتی ہوئی آرتی کا دھواں پھیلا رہی تھی۔ زرد رنگ کی ساڑی میں لپٹی خوبصورتی کی مورت بالوں کو کھلا چھوڑے جن سے پانی کی بوندیں ٹپک رہی تھی۔ سفید شفاف گلے میں لٹکتا

چھوٹا نفیس خوبصورت منگل سوتر مانگ میں چٹکی بھر سندور آنکھوں میں چمک۔ وہ تلسی کے پودے کے آگے آکر رکی اور تلسی کو پانی دے کر اس کا طواف کرنے لگی۔ طواف کے بعد وہ رک کر ہاتھ جوڑے آنکھ بند کر کے دعا مانگنے لگی۔ "اے تلسی میا میرے بچوں کو اچھا انسان بنانا انہیں دنیا سے لڑنے والا بنانا انہیں اپنے ماتا پتا کا سہارا بنانا. اے تلسی میا میرے پتی کو لمبی آئیو دینا. "ہوا کی وجہ سے تلسی کے پتے آہستہ سے حرکت کرنے لگے. دشا نے اپنی آنکھیں کھولی اور گہری سانس لی. اس کے ذہن میں کچھ آیا تو اس نے دوبارہ اپنی آنکھیں بند کی. اور ہاتھ جوڑ کر دعا کرنے لگی. اے تلسی میا میری سہیلی کی حفاظت کرنا اسے خوش رکھنا" وہ ایک ملاقات کے بعد اسے دعاؤں میں یاد کرنے لگی تھی۔ اس کی حفاظت اور خوشیوں کی تمنا کرنے لگی تھی۔ شاید یہی دوستی ہے جس کا ذکر کتابوں میں ہوتا ہے۔ اس بار اس

نے آنکھیں کھولی تو وہ ریم کے خیال سے ہی خوش ہو رہی تھی۔ آرتی کا پلیٹ لے کر وہ اندر چلی گئی۔

عیسی نے ریم کے جاگنے سے پہلے ملازمہ کو اس کے گھر بھیج دیا تھا۔ وہ کپڑے بدل کر آستینوں کو کہنیوں تک کئے سبزی کاٹ رہا تھا گوبی کو باریکی اور مہارت سے کاٹتے ہوئے وہ پر کشش لگ رہا تھا۔ اس نے گوبی کو مٹر میں ڈال کر دھیمی آنچ پر پکنے کے لیے رکھ دیا اس نے آٹا نکالا اور آٹا گوندنے لگا۔ اس کے اپران پر آٹا لگنے لگا۔ اس کے بال اسے پریشان کر رہے تھے۔ باقی کے ملازم آکر اپنے اپنے کام میں مصروف تھے صفائی کرتی ہوئی کم عمری ملازمہ فریج سے ٹیک لگائے بڑی فرصت سے عیسی کو دیکھ رہی تھی اس کے چہرے پر مسکراہٹ تھی روٹیاں بناتے ہوئے عیسی نے

جب خود پر کسی کی نظروں کو محسوس کیا تو اس نے نظریں اٹھائی اور ملازمہ کو دیکھا ملازمہ گڑبڑا کر سیدھی ہوئی۔ "یہاں کی صفائی بعد میں کر لینا" اس نے قدرے سختی سے کہا ملازمہ ڈر کے مارے وہاں سے بھاگ گئی۔

ریم نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولی۔ اس کی آنکھیں رونے کے سبب سوجھی ہوئی تھی۔ وہ اٹھتے ہی عیسی کو تلاش کرنے لگی اور اٹھ کر بیٹھ گئی۔ اس کے سر میں شدید درد تھا۔ اس نے اپنا سر پکڑا تو رات کا منظر یاد آیا۔ ایک بار پھر اس کے آنسوں نکلنے لگے دل ایک بار پھر ٹوٹا۔ اس نے دیوار پر لگی قران کی آیت کو دیکھا جس کے معنی تھے • بے شک اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے • اس نے خدا کی محبت کی خاطر صبر کا دامن تھاما اس نے خود کو یقین دلایا کہ اس کا رب ہر شر سے بڑا ہے۔ انسان امید کا دامن نہ

چھوڑے تو دعائیں قبول ہو جاتی ہیں۔ وہ اپنی آنکھیں صاف کرتے ہوئے
بیڈ سے اٹھی اور نہانے چلی گئی۔

"ہاں اس ملازمہ کو آج ہسپتال لے کے جانا ہے" اپنی کسی آدمی کو حکم دیتا ہوا بہت سنجیدہ معلوم ہو رہا تھا. اس نے کھڑکی سے دیکھا جو سنک کے پاس تھی ہاتھ دھوتے ہوئے اس نے غور کیا کہ اس کے باغ میں پھول مرجھا رہے تھے۔ اسے ان پھولوں کا مرجھانا صحیح نہیں لگا۔ وہ اپران اتار کر باہر آیا۔ مالی پودے کو پانی دے رہا تھا" ادھر آنا" اس نے مالی کو آواز دی تو مالی پانی کا کین رکھ کر اس کے پاس آکر ہاتھ باندھ کر کھڑا ہو گیا" پھول مرجھا رہے ہیں بازار جا کر کھاد لے آؤ" مالی نے اسبات میں سر ہلایا عیسی نے کچھ پیسے اسے دیے تو وہ واپس اپنے کام میں مصروف ہو گیا. عیسی نے وہاں

مصروف تمام ملازموں پر نظر ڈالی سب سادہ لباس میں تھے گردن جھکائے کام کر رہے تھے۔اس نے ایک نظر اپنے اس گھر پر ڈالی • پناہ مانگتا ہوں میں شیطانی مردود سے •اس کے گھر کی چھت پر عربی میں لکھا تھا۔اس نے مسکرایا آسمان میں سفید بادل نیلے آسمان میں رنگ چھوڑ رہے تھے۔ سورج کی روشنی میں کالے کالے پرندے ایک سمت روانہ تھے۔(بے شک تمہارا رب ہر چیز پر قادر ہے)قران کی ہر آیات انسان کو تسلی دیتی ہے ان آیتوں کو دہرا کر انسان مشکلوں سے لڑنے کی ہمت حاصل کرتا ہے.رب کے پاس ہونے کا احساس دلاتی ہے یہ آیتیں. وہ اپنے چہرے کے اداسی پر پردہ ڈالتا ہوا اندر آیا اور ڈائننگ ٹیبل پر بیٹھ گیا. ملازمہ نے کھانا لا کر رکھ دیا تھا.اس کی کالی شرٹ کی اوپری بٹن کھلا ہوا تھا.ہال میں فین کی ہوا آہستہ سے چل رہی تھی. ریم گیلے بالوں میں سوجھی شکل کے ساتھ وہاں آئی عیسی کرسی

سے اٹھا اور ریم کے لیے کرسی کھینچ کر اسے بٹھایا اور اس کے برابر بیٹھ گیا۔ ریم کے بالوں سے پانی کی بوندیں نکل رہی تھی "ریم تم نے بال ڈرائے نہیں کیے سردی ہو جائے گی" وہ اس کے بالوں میں ہاتھ سہلاتے ہوئے بولا. ریم نے کوئی جواب نہیں دیا. عیسی اس کی پلیٹ میں ناشتہ ڈال کر سیدھا ہوا. جتنی خاموشی اس کی گھر میں پھیلی تھی عیسی کو اس کی عادت نہیں تھی. ریم سننے بولنے ہنسنے والی تھی ایک منظر نے اسے خاموش کر دیا تھا. "کب مل رہی ہو اپنی دوست سے" روٹی کا ٹکڑا منہ میں ڈالتے ہوئے عیسی نے پوچھا یہ سوچ کر کے شاید وہ دشا کے لیے کچھ بولے مگر وہ خاموش رہی۔ "تم کہو تو میں تمہاری دوست کو گھر لے آتا ہوں تم سے ملانے کے لیے. ریم نے فوراً نفی میں سر ہلایا. وہ کھا تو رہی تھی مگر عیسی کے لیے نوالے دشمن بنے ہوئے تھے. پہلی بار ناشتے کے وقت اتنی اداسی سے اور

خاموشی چھائی ہوئی تھی۔ناشتے کے بعد ملازمہ نے ٹیبل صاف کیا ریم اور عیسی اپنے کمرے میں چلے آئے۔ریم واپس اپنے بیڈ پر آکر لیٹ گئی عیسی اپنی ٹائی پہن ریم کے پاس آکر بیٹھ گیا۔"اگر تم کہو گی تو نہیں جاؤں گا" ریم نے اپنی آنکھیں نہیں کھولی مگر اس کے آنسوں پھسل کر اس کے گال سے نیچے گرے. عیسی کا دل ہزار ٹکڑوں میں تقسیم ہوا۔مرد کے لیے سب سے دردناک عذاب ہوتا ہے اس کی عورت کا رونا۔"میں جلد آجاؤں گا دوپہر میں کھانا کھالینا دوائی لے لینا میں کال کرتا رہوں گا"عیسی اس کے بالوں کو سہلاہوا بولا اور اس کی پیشانی کا بوسہ لیا. بیڈ سے اٹھنا کمرے سے جانا گھر سے جانا اس کے لیے واقع بہت مشکل تھا.

راستے میں اسے دیوان کھڑا ملا شاید اسی کے انتظار میں کھڑا تھا۔ ہلکی ہلدی

رنگ کے کوٹ میں سینے پر ہاتھ باندھے وہ اس کو آتا دیکھ رہا تھا۔ عیسی کا دل

تو کر رہا تھا کہ وہ اس کے اوپر گاڑی چلا دے مگر مجبوراً اسے کار اس کے

سامنے روکنی پڑی۔ اس کے آس پاس چار جوان تھے جو شکل و جسامت سے

گنڈے لگ رہے تھے۔ عیسی کار کے باہر آیا وہ بھی کار سے لگ کر کھڑا ہو

گیا۔ "کیا حال ہے دیوان صاحب" وہی مٹھاس سے لپٹا زہر کا مربع۔ دیوان

کے ہاتھ میں گن تھی عیسی نے ایک نظر گن پر ڈالی پھر دیوان پر اور طنزیہ

طور پر مسکراتے ہوئے گردن کو نفی میں سر ہلانے لگا۔ دیوان اس کے

بالکل مقابل آکر کھڑا ہو گیا "میرے معاملات سے دور رہو ڈی ایس پی"

دیوان عیسی کے ماتھے پر بندوق تانے دانت چباتے ہوئے بولا عیسی بے

اختیار ہنسنے لگا. دیوان نے نہ سمجھی سے اسے دیکھا عیسی نے ایک ہاتھ سے

بندوق ہٹائی اور ایک قدم آگے بڑھ کر دیوان کی آنکھوں میں دیکھ کر بولنے لگا" یہ دھمکی کسی اور کو دینا بندوق جسے دکھا رہے ہو وہ اس کا کھلونا ہے روز اس سے کھیلتا ہوں" وہ دیوان کے اعتراف چکر لگاتا اس کے خون میں ابال کر رہا تھا۔" ویسے اتنی جلدی تم تک خبر پہنچے گی مجھے اندازہ نہیں تھا امپریسو" وہ اس کے لائے گئے گنڈوں کو باری باری دیکھتے ہوئے بول رہا تھا. دیوان نے گن کو اپنی جیب میں رکھ لیا" کرلو کوشش ڈی ایس پی کتے کی موت مروگے تم"

"موت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے میں تم سے کیوں ڈروں "عیسی دوٹوک لہجے میں بولا. دیوان نے غصے سے اپنی مٹھی بھینچ لی اور وہاں سے اپنی جوان لے کر چلا گیا. عیسی نے آسمان کو دیکھا سورج براہ راست اس کے پر کشش چہرے پر پڑ رہا تھا. "اللہ سنبھال لینا بس" وہ بس اوپر والے سے مدد مانگ

سکتا تھا جو وہ کر رہا تھا. اس کے لیے ہر راہ ہر دروازہ بند تھا صرف ایک امید

کی کرن جو اللہ نے اس کے دل میں ڈالی تھی اس پر یقین کر کر وہ چل پڑا تھا

اور اسے یقین تھا کہ اس کی منزل حقیقت میں اس سے ضرور ملے گی۔

وہ واپس کار میں آ کر بیٹھا کار چلاتے ہوئے وہ مسلسل سوچ رہا تھا کہ کہیں

اس کے خبری پر کوئی خطرہ نہ ہو۔اسی لیے اس نے اپنے خبری کو وائس

نوٹ بھیجا کے وہ احتیاط کرے۔حالانکہ وہ جانتا تھا کہ اس کا خبری اتنا شاطر

ہے کہ شیر کے منہ میں ہاتھ ڈال کر گوشت کا ٹکڑا نکال لے۔اس کی فی

الحال سب سے بڑی پریشانی اس کی بیوی کی پریشانی تھی۔وہ گاڑی چلانے

میں مصروف تھا کہ اس کے فون پر ایک میسج پاپ پپ ہوا. میسج پولیس

سٹیشن سے تھا۔'جو لاش کے ٹکڑے ہمیں ملے ہیں وہ گاندھی گورنمنٹ

اسکول کے سائنس ٹیچر رگھوناتھ کے ہیں اس کی فیملی نے نشاندہی کردی ہے آپ جلدی آجائیں آگے کا پروسیجر کرنا ہے" میسج پڑھتے ہی اس کی رگیں تن گئیں اس نے کار کی رفتار بڑھادی۔ سڑک پر اس کی گاڑی بندوق کی گولی کی طرح چل رہی تھی۔ اسے جیسے کر کر پولیس اسٹیشن پہنچنا تھا۔ اسٹیشن پہنچتے ہی اس نے کار پارک کی اور اپنی ٹائی ڈھیلی کرتا ہوا اندر داخل ہوا۔ ایک حوالدار ایک نوجوان کے ساتھ اس کے کیبن میں داخل ہوا۔ سارا اسٹاف اس وقت بہت ڈرا ہوا تھا۔ پولیس سٹیشن کا ماحول ایک دم سے گرم ہو گیا تھا۔ وہ سب عیسی کے کیبن سے کان لگاہے وہاں کی باتیں سن رہے تھے۔ عیسی اپنی کرسی پر بیٹھا اس نوجوان کو غور سے دیکھ رہا تھا۔ "کون ہے وہ" عیسی کے لہجے سے نوجوان کچھ خوفزدہ ہوا. بیک وقت اس کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا اور اس کے پیر کانپنے لگے. حوالدار نے اس

کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر اسے ہمت دینے ہی کوشش کی. "پتا جی ہیں میرے "نوجوان بمشکل بول پایا. عیسی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ ٹیبل پر زور سے مکا مار کر اس نوجوان کے بالکل سامنے جھک گیا حوالدار تو ڈر کے مارے باہر چلا گیا نوجوان کا دل اس کے حلق میں آ پہنچا تھا۔ "کہاں تھے اتنے دنوں سے اب یاد آیا کہ تمہارا باپ غائب ہے "عیسی بہت آہستہ سے مگر خوفناک انداز میں بول رہا تھا۔ "جی......جی....."

"جی....جی.... کیا بول رہا ہے بول" وہ دھاڑا تو سارا پولیس اسٹیشن ڈر کے مارے سہم گیا۔

"ہم نے ان کے غائب ہونے پر رپورٹ لکھوائی تھی۔ کچھ دنوں بعد ایک انجان لاش ہمیں دکھائی گئی۔ ہمارے لاکھ منع کرنے کے باوجود بھی

پولیس والوں نے اسے ہمارا باپ بتایا اور اس کا انتمسکار کر دیا" نوجوان ایک سانس میں بول پڑا۔ عیسی واپس اپنی کرسی پر بیٹھ گیا۔

عیسی نے پانی کا گلاس نوجوان کے آگے کیا. وہ شخص ایک سانس میں سارا پانی پی گیا جیسے اپنے اندر کی خشکی کو دور کرنا چاہ رہا تھا۔ "ہمارے پتا جی ہمارے ساتھ نہیں رہتے تھے. جب وہ ہمارے ساتھ رہتے تھے تو ان کے خلاف کئی الزام سننے کو ملے تھے. اسی لیے ہماری ماں نے ان سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا تھا" وہ شخص سانس لینے کے لیے رکا. عیسی اسے بڑے غور سے دیکھ رہا تھا اس کا ہر تعثر اس کے سچ ہونے کا ثبوت دے رہا تھا. "ہمارے چھوڑ کر جانے کے بعد بھی ہمارا باپ نہیں بدلا. ہم سب کو پتہ تھا کہ ہمارا باپ کتنا گھٹیا انسان ہے." وہ شخص اپنے آنسوں پونچھنے لگا. دنیا میں ہر بچے کا پہلا ہیرو اس کا باپ ہوتا ہے. اور یہ خود باپ طے کرتا ہے. رگھونات نے

اپنے بچوں کی نظر میں اپنی ایک بد صورت سی تصویر بنا کر رکھی تھی جس کی
وجہ سے اس کے بچوں میں اس کے لیے کوئی محبت نہیں تھی وہ سب اس
سے پیچھا چھڑانا چاہتے تھے۔"ایک دن اسکول سے کال آیا کہ ہمارا باپ
گمشدہ ہے تو ہم نے رپورٹ لکھوائی۔"عیسی اور اس شخص کی نظریں ملی
دوسرے پل اس نوجوان نے گردن نیچے کرلی. "ہماری ماں نے ہمیں بہت
منع کیا تھا لیکن پھر بھی میرے بھائی نے رپورٹ لکھوائی. رپورٹ
لکھوانے کی کچھ دن بعد میرے بھائی کو پولیس سٹیشن بلایا گیا اور ایک لاش
کی پہچان کرنے کے لیے کہا. وہ لاش ہمارے باپ کی نہیں تھی وہ کسی اور کی
تھی پھر بھی پولیس والوں نے یہ کہہ کر ہمیں واپس بھیج دیا کہ لاش بہت
سڑ گئی ہے اس لیے تم اپنے باپ کو پہچان نہیں پا رہے ہو. اور یہ دھمکی بھی
دھی کہ اگر ہم نے کاروائی آگے بڑھائی تو اس قتل کا الزام ہم پر ڈال دیں

گے "عیسی نے غصے سے اپنی مٹھی بھیج لی جبکہ باہر کھڑے تمام پولیس افسران اپنی حفاظت کے خدا سے فریاد کرنے لگے. حالانکہ جس نے یہ حرکت کی تھی وہ وہاں نہیں تھا پھر بھی وہ جانتے تھے کہ عذاب تو ان پر ہی آنے والا ہے. "پتہ نہیں کیسے پولیس اسٹیشن نے ہمارے باپ کی مسنگ کمپلیٹ نہیں نکالی. شاید قسمت تھی جو ہمارا باپ ابھی بھی مسنگ پرسن میں تھا. پر سو جب ہمیں پہچان کے لیے بلایا گیا تو ان ٹکڑوں میں میرے باپ کا سر دیکھ کر یہ اندازہ ہو گیا کہ میرے باپ کو کسی نے اس کے گناہوں کی سزا دی ہے "آدمی نے اپنا بیان ختم کیا اور گردن اٹھا کر عیسی کو دیکھا۔

"کیا تم چاہتے ہو کہ یہ کیس پھر سے ری اوپن ہو "آدمی نے فوراً نفی میں سر ہلایا. "اس کا اب کوئی فائدہ نہیں ہے سر. اگر کیس ری اوپن ہو بھی گیا تو فیصلہ میرے باپ کے خلاف ہی آئے گا کیونکہ وہ تھا ہی ایسا "عیسی اپنی

زندگی میں پہلی بار ایسی اولاد دیکھ رہا تھا جو اپنے باپ کے مرنے کو اس کے گناہوں کی سزا بتا رہی تھی۔ ہر بار اولاد غلط نہیں ہوتی۔ کبھی کبھی ماں باپ بھی غلط ہوتے ہیں۔ اور یہ دنیا ہر وقت ہمیں دکھاتی رہتی ہے۔" سر۔ اب میں چلتا ہوں" وہ آدمی عیسی سے وداع لیتا ہوا پولیس اسٹیشن سے چلا گیا.

ایک پولیس اندر آ کر ہاتھ سامنے باندھے اسے سننے کے لیے تیار تھا. مگر وہ بالکل خاموشی سے دیوار کو دیکھے جا رہا تھا۔ "دیوان کی جنم کنڈلی نکالو. اور اس کے ہر ستارے پر نظر رکھو چاہے وہ ستارہ ساکت ہو یا گردش میں" پولیس اس کا حکم سن کر واپس چلا گیا۔ ٹیبل پر پڑا فون بجنے لگا اس نے فون اٹھا کر کان سے لگا یا۔ " ملازموں ہاسپٹل جانے کے لیے منع کر رہی ہے کہہ رہی ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہے" فون اٹھاتے ہی اسے ایک خبر ملی

جس سے اس کے دن میں مزید بدمزگی آگئی۔ "ٹھیک ہے اس سے کہو کہ جب اس کا من کرے ہاسپٹل جائے لیکن تب تک آرام کریں۔ کام کے لیے نہ آئیں" وہ دانت چباتا ہوا بولا۔ کون کو ٹھاک سے رکھ کر اس نے اپنی آنکھیں بند کرلی۔ اپنے ذہن میں وہ پہلے دن سے اور اب تک کی تمام حالات کو دہرا رہا تھا۔ ہر ڈور دیوان رانا پر جا کر ختم ہو رہی تھی مگر آج اس کی آنکھوں میں دیکھ کر اسے یہ اندازہ ہو گیا تھا اس کے دماغ کو بھی کوئی اور چلاتا ہے اصل ماسٹر مائنڈ کوئی اور ہے۔

"یہ فائل سنبھال کر رکھنا" دیوان آفس سے جلدی لوٹا تھا۔ کمرے میں ریشمی آرام سے سو رہی تھی۔ دیوان زور سے دروازہ کھول کر اندر داخل ہوا ریشمی گھبرا کر جاگ گئی اور اپنا پلو صحیح کرتے ہوئے گردن جھکا کر کھڑی

ہوئی۔ دیوان نے ہرے رنگ کی فائل اسے دیتے ہوئے کہا ریشمی نے فائل لی اور اندر لا کر میں رکھ دی۔ وہ پلٹی تو دیوان بیڈ پر بیٹھ کر پانی پی رہا تھا۔ "چائے لاؤں آپ کے لئے" اس نے دھیمے لہجے میں کہا دیوان نے خالی گلاس میز پر رکھا اور اس کی طرف متوجہ ہوا اسے خود پر یقین نہیں آیا کہ ایک وقت تھا جب وہ اس کے عشق میں گرفتار تھا اب اس کا چہرہ دیکھ کر کچھ بھی محسوس نہیں ہوتا تھا۔ ان کی شادی میں کچھ بھی نہیں بچا تھا وہ دونوں بس ساتھ رہ رہے تھے۔ "اِدھر آ" دیوان نے اسے اپنے پاس بلایا وہ ڈرتی ہوئی اس کے پاس آ کر بیٹھی۔ "سچ بتانا. تو نے مجھ پہ جادو کیا تھا نا اسی لیے میں تیرے عشق میں پاگل تھا۔ ساری دنیا سے لڑ بیٹھا اپنے ماں باپ سے سارے سماج سے۔ میں تجھ سے ایک منٹ بھی الگ نہیں رہ پاتا تھا لیکن اب ایسا کیا ہو گیا کہ تجھے دیکھ کر بھی مجھے غصہ اتا ہے۔" ریشمی نے

نظریں اٹھا کر دیوان کو دیکھا. اس کی آنکھوں سے آنسوں بے اختیار نکلنے لگے. دیوان آگے کو ہوا اس کا چہرہ اپنے ہاتھوں میں دبوچ کر اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگا. "اب جادو کا اثر ختم ہو گیا ہے" اس کا لہجہ ریشمی کے دل کو کاٹ رہا تھا. "کنور سا ایسے مت کہیے میں بہت پیار کرتی ہوں آپ سے. تب بھی اب بھی. میں نے کوئی کالا جادو نہیں کیا تھا آپ پر" دیوان نے ایک جھٹکے سے اس کا چہرہ چھوڑا. "کالا جادو ہی تھا ورنہ میں تجھ جیسی عورت سے کبھی پیار نہیں کرتا. تجھ جیسی نیچی جات والی عورت کو کبھی اپنے گھر کی بہو نہ بناتا" وہ بیڈ سے اٹھا. "جب جب چھوٹی بہو کو دیکھتا ہوں میرا خون خول اٹھتا ہے۔ اس کی وجہ سے دیوان کی اس گھر میں عزت زیادہ ہے۔ وہ باؤجی کا بھی من پسندیدہ بیٹا رہا کیونکہ اس نے باوجی کی پسند سے شادی کی تھی۔ ایک عزت دار عورت کو اپنی عزت بنایا تھا" ریشمی بنا آواز

کے رو رہی تھی۔ "وہ عورت جتنی مرضی چاہے مجھ سے بدتمیزی کر لے

پھر بھی اس کی عزت کم نہیں ہوتی کیونکہ وہ ایک شاندار باپ کی بیٹی ہے."

وہ سانس لینے کو رکا۔ "اگر وہ اس خاندان کی بہو نہ ہوتی تب بھی وہ ایسی ہی

حکمرانی کرتی۔ اس دن مندر میں اس کے انداز سے بڑے سے بڑا پجاری

بھی گردن جھکا کے کھڑا ہوا تھا اسی لیے نہیں کہ وہ رانا پریوار کی چھوٹی بہو

ہے اس لیے کہ وہ خود میں ایک راج کماری ہے" دیوان اپنے جملوں سے

ریشمی کو اس کی اوقات دکھا رہا تھا اور اس کو نیچے محسوس کروا رہا تھا. اسے یہ

بتا رہا تھا کہ وہ بڑی بہو ہونے کے باوجود بھی دشا کے سامنے ہر معاملے میں

کمتر ہے. خوبصورتی عقل رباب انداز مزاج... وہ پیر پٹک تھا ایک نظر ریشمی

پر ڈالتا وہاں سے چلا گیا. کمرے میں دروازے کو زور سے بند کرنے کی اواز

گونجی جس سے ریشمی ٹھٹک کر اچھلی. ایک بار پھر سارا ماحول خاموش ہو

گیا. ریشمی کے سر سے پلو ہٹ گیا وہ بیڈ پر بیٹھے پوری شدت سے رونے لگی.

"تم مر کیوں نہیں جاتی تم مر جاؤ" وہ رونے کے درمیان بول رہے تھی۔ مگر جس انسان کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے لے رکھا ہے اس کا کوئی بال بھی بانکا نہیں کر سکتا۔

کستوری دیوی کے ساتھ دشاز مینوں کا دورہ کرنے کو نکلی تھی۔ اس نے لال ساڑھی میں سنہری چوڑیاں، ناک میں چمچماتا نت، آنکھوں میں گہرا کاجل، سر پر پلو۔ پیروں میں خوبصورت موجڑیاں، گلے میں منگل سوتر مانگ میں سندور۔ وہ بہت زیادہ خوبصورت لگ رہی تھی۔ اس کے برابر بیٹھ کے کستوری دیوی بہت سارے زیورات اور سنگار کے باوجود بھی

پر کشش نہیں لگ رہی تھی۔ڈرائیور نے کار آہستہ سے روکی۔ڈرائیور جلدی سے اتر کر کستوری دیوی کے لیے دروازہ کھولا جبکہ دشا خود دروازہ کھول کر باہر آکر کھڑی ہو گئی۔دشا اور کستوری دیوی ایک ساتھ چلنے لگے۔ان کے زمینوں میں نوجوان کام میں مصروف تھے۔کڑکتی دھوپ میں وہ لوگ اپنا پسینہ پوچھتے ہوئے ان کی زمینوں کی خدمت کر رہے تھے۔دشا نے مڑ کر ڈرائیور کو پانی لانے کے لیے اشارہ کیا۔"اب سے تم ان تمام زمینوں کی دیکھ بھال کرو گی. ویسے دیوان اور ریوان تو کر رہے ہیں لیکن تم بھی اپنا ہاتھ بٹاؤ" کستوری دیوی نوکروں کو دیکھتے ہوئے دشا سے بول رہی تھی جبکہ دشا کی نظریں ان مزدوروں کے چہروں پر تھی. پریشان, بھوکے, اداس, غمگیں. نہ جانے کتنی اور تعاثرات تھے ان چہروں میں. دشا کا دل تار تار ہوا. ڈرائیور ٹھنڈے پانی کا بڑا سا کین لے کر دشا کے سامنے آ

کر کھڑا ہو گیا. کستوری دیوی نے حیرانی سے ڈرائیور کو دیکھا پھر دشا کو جو مسکرا رہی تھی. "یہ کیوں لائے ہو" کستوری دیوی نے سخت لہجے میں ڈرائیور سے کہا. "ماں جی میں نے منگوائے ہیں. آپ نے کہا کہ یہ زمین ہماری ہیں تو یہ مزدور بھی ہمارے ہیں. یہ جیسے ہماری زمینوں کا خیال رکھتے ہیں ہمارا فرض بنتا ہے کہ ہم ان مزدوروں کا بھی خیال رکھیں. اسی لیے میں نے سوچا کہ اتنی کڑکتی دھوپ ہے تو یہ لوگ کہیں بیمار نہ پڑ جائیں اسی لیے میں نے ٹھنڈا پانی منگوایا ہے" وہ بہت چالاکی سے الفاظ کا استعمال کر رہی تھی. کستوری دیوی خاموش رہ گئی. دشا نے اس طرح بولا تھا کہ کوئی اس کے خلاف نہیں جا سکتا تھا. "جایئے آپ ان لوگوں کو پانی دے کر آیئے" ڈرائیور پانی کا کیان لے کر زمینوں کے اندر چلا گیا. کستوری دیوی نے ایک نظر دشا کے خوبصورت چہرے پر ڈالی. "یہ لوگ اتنی عزت کے

لائق نہیں ہیں جتنی عزت تم انہیں دیتی ہو تم بھولو مت کہ تم رانا پریوار کی چھوٹی بہو" نشا فورا کستوری دیوی کے طرف متوجہ. "نہیں ماں جی ہر کوئی عزت کے لائق ہوتا ہے. ہر ایک جاندار عزت کا حقدار ہے. ہمیں عزت تبھی ملتی ہے جب ہم دوسروں کو عزت دیتے ہیں. رہی بات میرے رانا پریوار کی چھوٹی بہو ہونے کی یہ تو معمولی سی بات ہے. اس سب سے پہلے میں ایک انسان ہوں اور انسان کو تو دوسرے انسان کا درد محسوس کرنے کے لیے ہی بنایا گیا ہے" کستوری دیوی اس کی بات پر ہنسنے لگی. "تم رانا پریوار کی چھوٹی بہو ہو یہ بات تمہیں معمولی لگتی ہے" وہ ہنستے ہوئے بول رہی تھی. "ہاں ہر انسان معمولی ہے" وہ کتنا دھیما صحیح بولتی تھی. کستوری دیوی کی ہنسی رکی. اس کے اندر ایک خوف سا جاگا۔ اس کے دماغ نے پہلی بار اس سے یہ کہا کہ یہ پرتاب رانا کی پسند ہے تو ظاہر سی بات ہے وہ اس کے

جیسی ہو گی۔ دشا کی باتوں سے بھی پرتاب رانا کا انداز جھلک رہا تھا۔ کستوری دیوی کو ایک بار پھر ڈر ہوا کہ کہیں اس کی بنی بنائی سلطنت اس کے ہاتھوں سے نہ چھن جائے. "ٹھیک ہے" اس نے اتنا ہی کہنا مناسب سمجھا کیونکہ اس کے برابر جو عورت کھڑی تھی اس کے علم میں ہر سوال کا جواب تھا. اور وہ اپنے جواب کو بہترین طریقے سے اظہار کرنے کا ہنر بھی رکھتی تھی ۔ دشا نے ان مزدوروں کو دیکھا جواب ٹھنڈا پانی پی کر اپنے سینے پر ہاتھ پھیر رہے تھے اور آسمان کو دیکھ کر رب کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ وہ ملازم ایک ساتھ دشا کو دیکھ کر نم آنکھوں سے اس کا شکریہ ادا کرنے لگے اور اسے دعا دینے لگے۔ پانی پلانے کے ثواب سے دشا بخوبی واقف تھی۔ اس نے پل کے جھپکائی۔ کچھ دیر وہ دونوں یوں ہی اس پاس کی زمینوں میں گھومتے

رہے۔دشانے وہاں موجود ہر مزدور کو اپنے ذہن میں قید کر لیاان کا چہرہ

ان کا کام کرنے کا انداز۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔

روتق اور سنجنا پارک میں ٹہل رہے تھے۔رونق کی حالت میں کوئی سدھار نہیں ارہا تھا تو سنجنا نے یہ طے کیا کہ وہ اس کے ساتھ ہمیشہ رہے گی اس کا خیال رکھے گی۔شاید پیار کی طاقت اس کا ڈر مٹا دے۔ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے وہ آسمان کی اور دیکھتے ہوئے چل رہے تھے. ہری گھاس پر ان دونوں کے پیر ایک وقت پڑھ رہے تھے. لمبے لمبے درختوں کے سایوں میں سکون سا محسوس ہو رہا تھا. پارک میں مکمل خاموشی ہونے کی وجہ سے ذہن بھی آرام دہ تھا. "جیسلمیر چلیں "سنجنا نے کچھ سوچ سمجھ کر بنا تمہید باندھی رونق سے کہا. رونق چونک کر اس کی طرف متوجہ ہوا اس کے

چہرے پر رنگ غائب ہو چکا تھا اور اس کی آنکھوں میں خوف اتر رہا تھا.

دونوں ہی کے قدم رک گئے تھے دونوں ایک وسیع سائے دار درخت کے نیچے کھڑے ہوئے تھے. سنجنا نے اس کے تعاثرات کو سمجھتے ہوئے اس کے دونوں ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا اور ایک نرم لہجہ اختیار کیا. "رونق ! مجھے لگتا ہے کہ جہاں سے یہ سب شروع ہوا وہیں پہ جا کے ختم ہو گا.

تمہارے سپنوں میں بار بار جیسلمیر کا آنا کوئی اتفاق نہیں ہے۔ تم ہی سوچو قسمت چاہتی ہو گی کہ ایک بار پھر تم اس زمین پر قدم رکھو اور تمہارے سارے درد ختم ہو جائیں" رونق نے فورا اپنا ہاتھ چھڑا لیا۔ "تم مجھے مارنا چاہتی ہو. "سنجنا نے فورا نفی میں سر ہلایا مگر وہ سننے کو تیار نہیں تھا۔ "تم مجھے وہاں لے جانا چاہتی ہو جہاں وہ میرا انتظار کر رہی ہے جہاں میرا موت میرا انتظار کر رہی ہے "اس پارک کی تنہائی کو توڑتے ہوئے رونق کی آواز

سنجنا کے کانوں میں پڑ رہی تھی. اس نے ایک نظر سنجنا پر ڈالی اور پیر پٹختا واپس مڑ گیا سمجھنا اس کے پیچھے لپکی اس کے پیچھے اس کے قدم کی رفتار ملاتے ہوئے وہ خود کو رونق کو سمجھانے کی کوشش کرنے لگی کہ سب ٹھیک ہو جائے گا. "رونق یہی ایک حل ہے تمہارے ٹراما سے نکلنے کا ایک بار مجھ پر یقین کرو تو صحیح" وہ خود کو اور رونق کو دلاسہ دے رہی تھی۔ رونق اس کو سننے کے بجائے پوری رفتار سے چلنے لگا۔

چھت کو گھورتے ہوئے ریم نے اپنے گزرے زندگی کو اپنے ذہن میں دہرایا۔ عیسی سے ہوئی پہلے ملاقات۔ عیسی اس کا لو ایٹ فرسٹ سائٹ تھا۔ اس نے پہلی ملاقات کے بعد ہی رشتے کے لیے ہامی بھر دی تھی۔ ان دونوں کی شادی بہت دھوم دھام سے کی گئی تھی۔ وہ سارے لمحے وہ

سارے قصے بے حد حسین وہ خوبصورت تھے۔ شادی کے ایک سال بعد وہ پریگننٹ ہوئی تھی لیکن پریگننسی کے تین مہینے بعد ہی اس کا مس کیرج ہو گیا تھا۔ اسے اس کی زندگی کا پہلا صدمہ ملا تھا۔ اس مس کیرج کے بعد ڈاکٹر نے کہا کہ وہ کبھی ماں نہیں بن پائے گی۔ سماج نے اور اس کے اپنوں اس سے بانجھ کا خطاب دیا۔ وہ تب بھی ڈٹی رہی کیونکہ اس کے ساتھ عیسی تھا۔ عیسی اسے ہر طعنہ ہر گم سے بچا کر ایک نئی دنیا میں لایا تھا۔ امیدوں کی دنیا میں۔ عیسی نے اس کے اندر امید کی شمع جلائی تھی۔ اس کی زندگی میں عیسی کی آمد نے اس کا خدا پر یقین بڑھا دیا تھا۔ وہ روزاون سے اپنی امیدوں کے ساتھ اپنے سپنے بنتی۔ ساری دنیا میں صرف عیسی ہی تھا جو اس کے اس امیدوں کو مذاق نہیں سمجھتا تھا۔ اس نے اون سے اپنے ہونے والے بچوں کے لیے ہر چیز بنا کر ایک صندوق میں رکھی تھی جو پچھلی رات خاک ہو گئی

تھی۔ آنسو اسکی آنکھوں سے پھسل کر نیچے گرا۔ وہ پورا دن بیڈ پر چھت کو گھورتے ہوئے لیٹی رہی۔

عیسی پولیس اسٹیشن کے قریب مسجد میں عشاء کی نماز پڑھ کر گھر کے لیے نکلا۔ راستے میں اس کی نظریں پھول خریدتے ریوان پر پڑی۔ اس نے کار ایک طرف روکی اور کار سے اتر کر اس کے برابر آ کر کھڑا ہو گیا۔ وہ زرد پھولوں کو سونگتا ہوا مسکرا رہا تھا۔ "لال بہتر رہیں گے" اس کے اچانک تبصرے پر ریوان چونک کر سیدھا ہوا اور سینے پر ہاتھ رکھ کر لمبی لمبی سانسیں لینے لگا. "تم نہ ایک دن میری جان لے لو گے" اس کے خوفزدہ چہرے کو دیکھ کر عیسی ہلکا سا ہی سہی مگر مسکرایا پورے دن میں وہ پہلی بار مسکرایا تھا. "تمہارا تو پتہ نہیں لیکن تمہارے بھائی کی جان ضرور لے لوں

گا" وہ سرخ گلابوں کو سونگتا ہوا ریم کو یاد کر رہا تھا۔ ریوان کو اس کی بات کا برا نہیں لگا تھا وہ یہ جانتا تھا عیسی اور دیوان ایک دوسرے سے نفرت کرتے ہیں۔ دونوں نے ایک ساتھ پھول واپس رکھ دیئے اور ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہو کر ایک دوسرے کے بولنے کا انتظار کرنے لگے۔ "کیا کل تم مجھے تھوڑا وقت دے سکتے ہو" دیوان اس کی گزارش پر بے اختیار ہنس پڑا.

"ڈی ایس پی صاحب میں شادی شدہ ہوں میرا وقت صرف میری بیوی کا ہے" وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بولا. سڑک پر گاڑیوں کی آواز دھیمی ہونے لگی۔ پھولوں کی خوشبو ہوا میں پھیل رہی تھی۔ رات کی سیاہی میں چاند نے اپنی روشنی بکھیر رکھی تھی۔ دوکاندار باقی گراہکوں کے ساتھ مصروف تھا۔ آس پاس مٹھائی کی دوکانیں تھی جہاں بہت سے لوگ اپنی

زبان کی فرمائش کو پورے کر رہے تھے۔"غلط سمجھنے کی غلطی مت کرنا... میں تو بس..." وہ الفاظوں کو ڈھونڈ رہا تھا. "میں تو بس آگے بولو ڈی ایس پی" ریوان نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر پوچھا عیسی نے فوراً اس کے ہاتھ کو جھٹک دیا. "تمہاری بیوی میری بیوی کی دوست بن گئی ہے. میری بیوی کی طبیعت تھوڑی خراب ہے اور مجھے لگتا ہے کہ شاید تمہاری بیوی کی موجودگی سے وہ ٹھیک ہو جائے" ریوان نے غور کیا کہ عیسی سنجیدہ ہے. "کیا ہوا ہے سب ٹھیک ہے" یک دم سے عیسی کو دیوان کا یوں فکر کرنا عجیب, مگر اچھا لگا. "کچھ نہیں بس....." وہ بول کر خاموش ہوا تو ریوان اس کے دونوں کاندھوں پر ہاتھ رکھ کر زبردستی اپنی طرف متوجہ کروایا. "کیا ہوا ہے" عیسی کو پہلی بار لگا کے وہ کچھ زیادہ سیئرس سو گیا ہے. "طبیعت خراب ہے" عیسی ایک بار پھر اس کے دونوں ہاتھوں کو

جھٹک کر دانت چباتے ہوئے بولا. "کیا تم میری مدد کرو گے" آنکھوں میں امید لیے اس نے ریوان سے پوچھا. ریوان نے کچھ دیر سوچنے کی ایکٹنگ کی پھر اسبات میں سر ہلایا. "ٹھیک ہے. ویسے بھی دشا بے صبری سے انتظار کر رہی ہے تمہاری بیوی سے ملنے کا. روز سن سن کر پک گیا ہوں میں ایک دن میں یہ دونوں ایسے کیسے دوست بن گئے" عیسی اس کی بات سے مطفق ہوا۔ دونوں نے ایک ساتھ دوکاندار کو پیسے دیئے اور سرخ گلاب لے کر مڑے۔ "فکر مت کرتا بھگوان تمہاری بیوی کو ٹھیک کر دے گا" ریوان کہہ کر مڑا عیسی کچھ سیکینڈ یوں ہی کھڑا رہا ریوان کی باتوں سے اسے اپنا پن محسوس ہوا تھا۔ اتنے دنوں بعد اسے یہ شہر بے گانہ نہیں لگا۔ ہاتھوں میں سرخ گلاب لئے وہ گھر کے لیے روانہ ہو گیا۔

جب دل اداس ہو تو کوئی بھی چیز ہمیں خوشی نہیں دیتی۔ کہتے ہیں کہ دل کا کام صرف دھڑکنا اور جسم کے تمام اعضاء تک خون پہنچانا ہے۔ مگر صحیح معنوں میں یہ ساری زندگی دل پر مبنی ہے۔ دل خوش تو تنہائی بھی جشن معلوم ہوتی ہے۔ دل اداس وہ غمگیں تو حسین محفلیں بھی کچھ کام نہیں۔ دل صاف تو ہر ایک پیارا لگتا ہے۔ دل ناپاک تو خون کے رشتے بھی بے نام ہو جاتے ہیں۔ میں نے کئی لوگوں کو یہ کہتے سنا ہے کہ دل خدا کا گھر ہے اسی لیے اس کو توڑا نہیں سنبھالا جاتا ہے۔ کہتے ہیں کہ ٹوٹے دلوں میں خدا رہتا ہے۔ دنیا میں سب سے بڑا اور سب سے زیادہ بحث کا مضمون ہمیشہ دل ہی ہوتا ہے۔ شاعروں کی بنیاد ہوتا ہے یہ دل۔ تمام امراض دل سے شروع اور دل پر ختم ہوتے ہیں۔ جو پھول ہمیشہ سے ریم کو خوشی دیا کرتے تھے آج وہ اسے مسکان تک نہیں دے پا رہے تھے۔ اس کے پیروں میں

بیٹھا عیسی اس کے چہرے پر چھائی اداسی کو دیکھ کر خود بھی اداس ہو رہا تھا۔ مگر وہ مرد تھا وہ ستون ہوتا ہے گھر کا اگر وہ کمزور پڑ جائے تو گھر کی دیواریں گر جاتی ہیں۔ وہ زخمی سا مسکرایا۔ بنا کچھ بولے اس نے ریم کو گلے لگا لیا۔ اس کو اپنے سینے سے لگا کر اس کے بال سہلانے لگا۔ "خدا کو اداس بندے پسند نہیں ہیں. ہمیں ایسے اداس دیکھ کر اسے تکلیف ہوتی ہے" وہ جس طرح اسے سمجھا سکتا تھا وہ سمجھا رہا تھا. "غم ہماری زندگی نہیں ہے یہ زندگی کا مرحلہ ہے۔ اس سے گزر جانا ہی بہتر ہے اس کو دل میں سما کر صرف ہمیں تکلیف ملے گی اور کچھ نہیں" وہ کہہ کر سانس لینے کے لیے رکا۔ "کل تمہارے لیے ایک چھوٹا سا سرپرائز ہے" وہ رین کو خود سے الگ کر کر اس کے چہرے کو اپنے ہاتھوں میں لے کر بڑی محبت سے بول رہا تھا. "ریم بس کر دو۔ اللہ نے ہم دونوں کو امید کا دامن چھوڑنا نہیں سکھایا

ہے۔مایوسی کفر ہے۔ بڑے سے بڑا اندھیرا ہمارے ایمان کو دھکا نہیں پہنچا سکتا۔امید کے دھاگوں سے تم ایک بار پھر اپنا آشیانہ بنانا" وہ منت بھرے لہجے میں بول رہا تھا ریم نے کچھ جواب نہیں دیا اور اس کے گلے لگ گئ.

عیسی کے دل میں ایک سکون کی لہر دوڑی.("اے اللہ تو نے میرا سکون میری بیوی میں رکھا ہے پلیز اللہ میری بیوی کو پر سکون رکھنا اس کے اندر امید کو ختم ہونے مت دینا ہمارے ایمان کی حفاظت کرنا میرے مالک")........

کستوری دیوی اپنی ملازمہ کو غور سے دیکھ رہی تھی جو اس کے پیر دبا رہی تھی۔اس ملازمہ کے ماتھے پر چوٹ کے نشان تھے۔" تمہیں پتہ ہے میں نے اس سلطنت کو پانی کے لیے کیا کیا ہے" ملازمہ نے چونک کر کستوری

دیوی کو دیکھا جو آنکھوں میں چمک لیے اپنی داستان سنانے کو تیار تھی.

ملازمہ نے آہستگی سے نفی میں سر ہلایا اور دوبارہ اپنے کام میں لگ گئی. "تم دشا پر نظر رکھو کہیں وہ میری اس بنائی گئی سلطنت کی دشمن نہ بن جائے" ملازمہ ایک بار پھر اس کی طرف متوجہ ہوئی اور اس بار اس بات میں سر کھلاتی ہوئی اس کا حکم جا بجا کرنے کے لیے ہامی بھر لی. کستور دیوی جانتی تھی کہ اگر کوئی اس کے سیاہ جادو کا پردہ چاک کر سکتا تھا، تو وہ دیشا تھی۔ دیشا کا وجود ایک خطرہ تھا—ایسا خطرہ، جو اس کے سالوں پرانے کھیل کو تباہ کر سکتا تھا۔

گورنمنٹ اسپتال میں مکمل اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ روشنی کے نام پر راہدری میں زرد بلب لگے ہوئے تھے۔ مرکزی دروازے پر واچ مین نیند کے گہرائیوں میں گم تھا۔ تمام نائٹ ڈیوٹی والے ڈاکٹر اور نرسز اپنے اپنے کیبن میں یا سٹاف روم میں سوئے پڑے تھے۔ مردہ گھر میں جلتا نیلا بلب ایک دم سے لال روشنی میں بدل گیا۔ مردہ گھر میں درج حرارت بڑھنے لگا۔ چھوٹی کھڑکی سے آہستہ سے ہوا اندر داخل ہوئی مگر اس کی آواز کسی طوفان کی مانند تھی۔ ایک لاش کو کسی نے باہر کی طرف کھینچا۔ لاش کسی عورت کی تھی۔ اس لاش پر ناخنوں کے نشان پڑنے لگے۔ اور ان سے خون کے فوارے نکل کر زمین پر گرنے لگے۔ دروازے پر لگی چھڑکی سے دیکھتے ہوئے نرس کے ہوش اڑ گئے۔ کیونکہ وہاں پر کوئی نہیں تھا یہ سب اپنے آپ ہو رہا تھا۔ نرس تھوڑی دیر کے لیے سانس لینا بھول چکی تھی۔ اب ہوا

میں وہ لاش تیر رہی تھی تو کبھی دیوار سے خود کو پٹکی دے رہی تھی۔اس لاش کا خون سارے مردہ خانے کو سرخ کر کر رکھ دیا تھا۔نرس مزید اپنے حواسوں پر قابو نہیں پا سکی اور بے ہوش ہو گئی۔ہوائیں مردہ خانے سے سفر کرتے ہوئی جنرل وارڈ کی طرف پہنچی۔تمام مریض پر سکون سو رہے تھے۔فین کی رفتار اتنی آہستہ تھی کہ ہوا نہ کے برابر تھی۔نیلے،سفید گدوں پہ لیٹے وہ مریض جنہیں دوسرے دن جاگنے کی امید تھی۔جنرل وارڈ کی خاموشی میں خلل تب پڑی جب وہاں کسی کے سینڈل کی آواز گونجی۔ٹک...ٹک ٹک..ٹک۔۔۔۔۔۔۔۔۔۔بے ہوش ہوئی نرس آنکھیں بند کیے ہوئے چل رہی تھی۔اس کے سفید یونیفارم پر خون کے دھبے تھے اور اس کے چہرے پر کسی کے ناخنوں کے نشان۔وہ آہستہ آہستہ مریضوں کے طرف بڑھتی رہی۔اس وارڈ میں تقریبا 10 مریض

تھے۔ چاند کی روشنی براہ راست اس نرس پر اور اس کے یونیفارم پر لگے خون کے دھبوں پر پڑ رہی تھی۔ نرس نے ٹرالی میں رکھا سکیپل اٹھایا۔ اسی کے ساتھ مزید نو سکیپل ہوا میں تیرنے لگے۔ نرس آگے بڑھی پہلے بیڈ پر ایک چھوٹا بچہ تھا۔ نرس نے سکیپل ہوا میں اٹھایا اور ایک رفتار سے سارے سکیپل ہوا سے مریضوں کے جسم میں داخل ہوئے۔ نہ چیخ نہ پکار۔ سارے 10 مریضوں نے ایک ساتھ اپنے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ ان میں سے ایک بچہ تین نوجوان عورتیں۔ 5 نوجوان مرد اور ایک بوڑھا شخص تھا نرس نے کیمرے کی طرف دیکھا وارڈ میں اس نرس کا قہقہ گونجا۔ اگلے ہی منٹ نرس بے ہوش ہو کر نیچے گر گئی۔ رات واقع شر ثابت ہوئی۔ 10 معصوم لوگ کسی کے بدلے میں مر گئے۔ برا کسی اور نے کیا بھگتنا کسی اور کو پڑا۔

عدالت میں سنّاٹا تھا، اور نرس کا چہرہ ایک عجیب الجھن میں ڈوبا ہوا تھا۔

جج نے فیصلہ سنایا، "CCTV فوٹیج اور تمام شواہد کی بنیاد پر، عدالت یہ مانتی ہے کہ ملزمہ اپنے ہوش و حواس میں نہیں تھی۔ اسے جیل بھیجنے کے بجائے نفسیاتی ڈاکٹر سے رجوع کرنے کا حکم دیا جاتا ہے!"

نرس نے سر اٹھایا، اس کی آنکھوں میں خوف تھا، آنسو تھے، مگر سب سے زیادہ حیرت تھی۔ "میں نے ایسا کچھ نہیں کیا... مجھے کچھ یاد نہیں!" وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی، مگر فوٹیج سب کچھ دکھا چکی تھی۔

10 بے گناہ لوگ، جنہوں نے اس پر بھروسہ کیا تھا، اور وہی ان کی موت کی وجہ بنی تھی۔

کونسی طاقت تھی جو اس کے جسم کو چلا رہی تھی؟

کون سا سایہ تھا جو اس کی روح میں اتر گیا تھا؟

اسے یاد نہیں تھا، مگر حقیقت نہیں بدلی تھی۔

نرس کو ہتھکڑیاں لگ چکی تھیں، مگر جیل کے دروازے اس کے لیے نہیں کھلے، بلکہ وہ اب ایک اور دروازے پر جا رہی تھی—— جہاں اس کی حقیقت کھلنے والی تھی، جہاں شاید وہ اس سائے کو پہچان سکے جو اسے چلا رہا تھا!

دنیا میں انسان سے پہلے شیاطین اور جنات رہا کرتے۔ جب ان کے درمیان فساد برپا ہوا تو انہیں زمین سے نکالا گیا تھا آج بھی وہ شریر شیاطین وہ جنات انسانوں میں فساد پیدا کرتے ہیں۔ قتل گاری عام کرتے ہیں۔ آج کے دور میں انسان کا ایمان پر قائم رہنا بہت مشکل ہو گیا۔ انسان نے اپنی مرضی سے اپنے آپ کو ان مخلوقات کو دیا ہے۔ صرف اور صرف وقتی کامیابی کے لئے۔

دن بدلا وقت نے اپنے رنگ بکھیرے۔ دو الگ کہانیاں ایک قلم سی لکھی گئی۔ عشق دو زبانوں میں دو مذہبوں میں ایک شکل لئے اپنے عروج پر تھا۔ گادی سر تالاب کے سامنے دو جوڑے ایک دوسرے کے مقابل کھڑے ہوئے تھے۔ ریوان اور عیسی ایک دوسرے کو دیکھ کر بیزار گی ظاہر کر رہے تھے تو دشا اور ریم کی خوشی کا کوئی ٹھکانہ نہیں تھا۔ ان دونوں نے دو سیکنڈ کے لیے خود کو یقین دلانے کی کوشش کی کہ وہ دونوں آمنے سامنے ہیں اور اگلے ہی پلک ایک دوسرے کو گلے لگا کر چیخنے چلانے لگے۔ ریوان اور عیسی نے اپنے کان بند کر لیا اور دور آکر کھڑے ہو گئے۔ دشا ہرے رنگ کی سادی ساڑی میں ہاتھ میں ہرے رنگ کی چوڑیاں اور ان کے درمیان لال رنگ کی چوڑیاں پہنی خوشی سے جھوم رہی تھی اور اس کے کھلے بال ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس کے مقابل کھڑی دی شام سفید لانگ

فراک میں ملبوس بے حد حسین لگ رہی تھی۔ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر اپنی خوشی کا اظہار کر رہے تھے۔ اور جو تالاب راجہ راول جیسل نے Ad1156 اس لیے بنایا تھا کہ لوگ پانی اور سنہری ریت کے درمیان بیٹھ کر وہاں موجود قلعوں کا اور قدرتی خوبصورتی کا مزہ لے کر مطمئن اور پر سکون ہوں۔ ان کی سالوں کی محنت کو ان دونوں دوستوں نے پل میں غائب کر دیا تھا۔ تالاب کا پانی ان کے شور سے حرکت کرنے لگا تھا اور مچھلیاں اچھل کر ان دونوں کو دیکھ رہی تھی۔ عیسی ریم کو مسکراتا دیکھ کر بہت مطمئن ہوا۔ اتنے دنوں بعد وہ اسے ہنستا ہوا دیکھ رہا تھا۔ ان دونوں کی ہنسی رکی تو ریم کے آنسوں اس کی اجازت کے بغیر بہنے لگے۔ عیسی گھبرایا وہ آگے بڑھنے والا تھا کہ ریوان نے اسے واپس روک لیا اور آنکھوں سے اسے وہیں کھڑے رہنے کے لیے اشارہ کیا۔ دشا نے گھبرا کر ریم کو گلے لگا لیا

اور بنا کچھ سوال پوچھے اسے دلاسا دینے لگی۔ سنہری ریت پر ریم کے انمول آنسوں گر رہے تھے اور عیسی کا دل ویران ہو رہا تھا۔ دشا نے خود کو ریم سے الگ کیا اور دونوں ریت پر بیٹھ گئے۔ ریم کے آنسوں تھم چکے تھے۔ ان دونوں کے سامنے سورج غروب ہو رہا تھا۔ غروب آفتاب کے وقت آسمان پر مختلف رنگ بکھرے تھے۔ ان رنگوں میں سب سے خوبصورت رنگ ریم اور دشا کی دوستی کا تھا۔ کار سے لگ کر کھڑے ریوان اور عیسی اپنی زندگیوں کو دیکھ کر خدا کا شکریہ ادا کر رہے تھے۔ "عجیب ہے نا دونوں. کچھ ہی دن ہوئے ان دونوں کو مل کر مگر مل ایسے رہے ہیں جیسے برسوں کے دوست ہیں" ریوان نے عیسی کو کہتے سنا۔ سورج کے آگے وہ دو چاند اپنی اپنی داستان سنا رہے تھے دشا بہت غور سے ریم کی باتیں سن رہی تھی وہ ان باتوں کے پیچھے کا درد سمجھ پا رہی تھی۔ "کیا وقت آ گیا ہے بھگوان کن

لوگوں کے ساتھ کھڑا ہونا پڑ رہا ہے" ریوان نے عیسی کو طنزیہ انداز میں کہا اس کے تبصرے پر عیسی ہلکا سا ہنسا۔ "میں بھی وہی بولنے والا تھا چور اور پولیس ایک ساتھ کھڑے نہیں ہو سکتے" ریوان جل کر اپنے دانت پیسنے لگا۔ "ڈی ایس پی صاحب میں چور نہیں ہوں میں نے کوئی غلط کام نہیں کیا ہے" وہ عیسی کو اپنی طرف متوجہ کرتے ہوئے بولا۔ "میں نے آپ کو چور نہیں کہا رانا صاحب" ریوان کو اینٹ کا جواب پتھر سے ملا تھا۔ "آپ خاموش ہیں یہی آپ کی غلطی ہے" جب دونوں کے درمیان خاموشی کا وقفہ آیا تو عیسی نے اس وقفے کو ختم کرتے ہوئے بولا۔ ریوان خاموش رہا اس کی آنکھوں میں دشا کے ہوا میں لہراتے بالوں کا عکس تھا اس کا پورا دھیان دشا پر تھا۔ اس کی اداسی، اس کے حرکت کرتے ہونٹ، درمیان میں اس کی زخمی مسکراہٹ، اس کے ہاتھ جو ریم کے ہاتھوں میں تھے اسے

ناچاہتے ہوئے بھی ریم سے حسد ہوا۔ عیسی کو جب کوئی جواب نہیں ملا تو وہ بھی خاموش ہو گیا اس نے لمبی اور گہری سانس لیتے ہوئے اپنی شرٹ کا اوپری بٹن کھولا اور اپنے آستینوں کو کہنیوں تک کیا۔ سورج کی گلابی روشنی میں اس کے ہاتھوں کی ہری ہری رگیں واضح ہوئی۔ شفاف اس تالاب کے پانی کی طرح۔ اس کے لب مسکرانے لگے۔ ریم اپنے سارے غموں کو دشا کے ساتھ مل کر اس تالاب میں بہا رہی تھی۔

"آپ امید مت ہارنا بھگوان کے یہاں دیر ہے اندھیر نہیں" ریم ہلکا سا مسکرائی۔ "اسی کے ہاتھ میں ہے سب" لفظ تلافی۔ "آپ پریشان کیوں ہے میرے بچے آپ کے بچے۔ آپ ان کی چھوٹی ماں ہیں اس بار آئیں گے تو ان کو ان کی چھوٹی ماں سے ضرور ملاؤں گی" دشا کی باتوں سے ریم کی

آنکھیں خوشی سے بھر آئی اس نے فوراً دشا کو گلے لگا لیا۔ "آپ تحفہ ہیں

خدا کا" اس کے گلے لگ کر ریم نے اظہار تشکر کیا۔

"یہ دونوں اتنا گلے کیوں لگ رہی ہیں" ریوان کو جیلس فیل ہو رہا تھا۔ "

صحیح کہا" عیسی نے اس کی بات پر ہامی بھری۔ "تم اپنی بیوی کو سمجھا دینا

میرے اور دشا کے بیچ میں آنے کی ضرورت نہیں ہے"

"تم بھی سمجھا دینا. میری بیوی کے دل میں صرف میں رہ سکتا ہوں" وہ

دونوں بچوں کی طرح بحث کر رہے تھے۔ دونوں نے ایک دوسرے کو

مارنے کی دھمکی تک دے دی۔ دشا اور ریم ہستے ہوئے ان کی طرف بڑھ

رہے تھے دونوں رک گئے. "لگتا ہے ہم ان کے بیچ میں آرہے ہیں"

ریوان نے بھی اس کی بات سے سہمتی جتائی۔ ان دونوں کے چہرے کھل

اٹھے ریم اور دشا ان کے مقابل آکر کھڑی ہو گئ۔ "کچھ کھانا ہے آپ

لوگوں کو" ریوان نے دشا کو اپنی طرف کھینچتے ہوئے کہا دشا کے چہرے پر سرخی آئی اس نے دور ہونے کی کوشش کی مگر اس کی کمر پر ریوان نے اپنی گرفت مضبوط کرلی۔ "نہیں نہیں" ریم نے ہاتھوں سے بھی منع کرتے ہوئے کہا عیسی نے اپنا ہاتھ آگے کیا۔ ریم نے اس کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ دیا اور اس کے برابر آکر کھڑی ہوگئی۔ "کیوں۔ اتنی باتوں سے پیٹ بھر گیا" ریوان بھی عیسی کی بات پر ہنس پڑا دونوں عورتوں نے اپنے شوہروں کو تیکھی نظروں سے دیکھا تو دونوں چپ ہوگئے۔ "دشا مجھے لگتا ہے کہ اگلے کچھ دنوں تک تم کھانا نہیں کھاؤ گی۔"

"آپ دونوں کو بھوک لگی ہے" دشا اور ریم ان دونوں سے الگ ہو کر بے یقینی سے ایک ساتھ بولے۔ عیسی اور ریوان نے نفی میں سر ہلایا مگر ان کے پیٹ نے ان کے جھوٹ کا خلاصہ کردیا دشا اور ریم ان دونوں کے پیٹ سے

آنے والی آوازوں کو سن کر بسنے لگے "آپ لوگوں نے بتایا کیوں نہیں" دشا نے رک کر پوچھا۔ عیسی اور ریوان نے ایک دوسرے کو بے چارگی سے دیکھا دشا اور ریم دوبارہ ہنسنے لگیں۔ وہ چاروں آسمان کی چادر تلے بہت پرسکون تھے ہر غم پریشانی سے دور۔ انہیں اصل زندگی کا مزہ مل رہا تھا۔

ڈوبتے سورج کی نارنجی روشنی میں وہ دو عشق کے جوڑے ایک دوسرے کے قریب بیٹھے تھے۔ ہوا میں ہلکی سی خنکی تھی، مگر ان کے دلوں میں ایک خاص گرمی تھی —— محبت کی گرمی۔

لہر آتی، ساحل سے ٹکرا کر نرمی سے پیچھے ہٹ جاتی، جیسے وقت کا اشارہ دے رہی ہو کہ لمحے ہمیشہ کے لیے نہیں ٹھہرتے، مگر یادیں ہمیشہ رہتی ہیں۔

"کتنا خوبصورت منظر ہے، ہے نا؟" ریم نے سرگوشی کی۔

"ہاں، بالکل تمہاری آنکھوں کی طرح..." عیسی مسکرایا۔

وہ ہنس پڑے، ایک ایسی ہنسی جو شام کے سکون میں مزید مٹھاس گھول رہی تھی۔

"یہ آخری بار تھا کہ تم میرے علاوہ کسی کے گلے لگی ہو" ریوان مصنوعی خفگی سے بولا......

"آپ کو کسی نے بتایا کہ آپ جب جیلیس ہوتے ہیں تو بہت کیوٹ لگتے ہیں" دیشا کی بات پر وہ نا چاہتے ہوئے بھی ہنس پڑا....

سورج ڈوب رہا تھا، مگر محبت کے رنگ مزید گہرے ہو رہے تھے۔

سنبل شیطان کی مورت کے سامنے برہنہ حالت میں اس ستارے کے بیچوں بیچ بیٹھی ہوئی تھی۔اس کے بال ہوا کے ساتھ لہرا رہے تھے۔ سنبل کی آنکھیں بند تھی آگ کی لپٹیں اپنی روشنی اس غفہ میں بکھیر رہی تھی۔ اس نے آنکھیں کھولی تو آگ کی لپیٹوں میں اسے سمیرا کے ہونے والے منگیتر سمیر کا چہرہ نظر آیا۔اس کی آنکھوں میں حیرت تھی۔اس کو اس چہرے کی توقع نہیں تھی آگ میں اسے سمیر ایک پجاری کے ساتھ تھا۔وہ پجاری اس کے بازو پر لال دھاگا باندھ رہا تھا۔اور اس کے ماتھے پر لال ٹیکا۔ اس کا حلیہ غیر مسلموں والا تھا۔س سنبل نے فوراً آگ میں پانی ڈالا اور لمبی لمبی سانسیں لیتی کھڑی ہوئی۔

اس نے جلدی جلدی اپنے کپڑے پہن اور ایک اشارے سے غفہ کے سارے مشالوں کو جلادیا۔وہ پوری رفتار سے وہاں سے نکلی۔

"روشنی کنور سا کا پیچھا چھوڑ دو" دو بہنیں چھت پر کپڑے سکھا رہی تھی۔ سمیرا نے وقت کی نزاکت دیکھ کر اپنے دل کی بات بول دی کپڑے تار پر ڈالتے ہوئے روشنی زخمی مسکرائی پھر نفی میں سر ہلانے لگی۔

"نہیں چھوڑ سکتی۔ مر کر بھی نہیں" وہ نہیں اس کا جنون بول رہا تھا۔ سمیرا کو کبھی کبھی اس کے پاگل پن سے ڈر لگتا تھا۔ "اب کیا کرو گی تم" سمیرا رک کر اسے بغور دیکھتے ہوئے بولی. "حاصل کروں گی" وہ عجیب انداز میں بول رہی تھی. " صحیح غلط سچ جھوٹ کا راستہ چھوڑ کر میں کنور سا کو حاصل کروں گی. میں ان کی بیوی کی جان لے لوں گی" وہ حیوانیت کے درجے پر آ پہنچی تھی۔ جہاں اسے صرف اپنا محبوب نظر آ رہا تھا اس کی آنکھوں میں ساری دنیا دھندلا چکی تھی۔ "اور اور یہ تم کیسے کرو گی"

"میں کروں گی مدد" دونوں سنبل کی آواز پر پلٹی۔ سنبل آہستہ آہستہ قدم لیتے ان کے مقابل آکر کھڑے ہو گئ۔

"کنور سا کو میں تجھے لا کر دوں گی" وہ کسی ماہر نفسیات کی طرح بات کر رہی تھی۔ سمیرا اور روشنی نے حیرت انگیز طریقے سے ایک دوسرے کو دیکھا۔اور یک دم سے وہ دونوں ہنسنے لگی۔ "تم لا کر دو گی.... "وہ سنبل کو کم سمجھنے کی غلطی کر رہے تھے. سنبل نے اپنے کھیل کے میدان آسمان کی چادر تلے کھولنے کا فیصلہ کیا اس نے اپنی نظریں گھمائی تو تار پر لٹکے سارے کپڑے ہوا میں اڑنے لگے۔ سمیرا اور روشنی نے اپنی چیخ کو روکنے کے لیے اپنے منہ پر ہاتھ رکھ لیا اور ایک دوسرے سے چپک کر کھڑی ہو گئ۔ان دونوں نے بے یقینی سے سنبل کو دیکھا۔ سنبل نے ان کو ڈرا دیکھ ہسنا شروع کر دیا۔اس کے ایک اشارے پر کپڑے اپنی پرانی حالت میں آ

گئے۔ "میں وہ کر سکتی جو کوئی سوچ بھی نہیں سکتا" اس کی آواز میں کئی آوازیں شامل تھیں۔ روشنی ہمت کر کے آگے بڑھا اور سنبل کے برابر جھک کر اس کے دونوں بازوؤں کو جھنجھلانے لگی۔ "سنبل تو ٹھیک ہے یہ کیا ہو گیا ہے تجھے" وہ بڑی فکر مندی سے بول رہی تھی۔ سنبل نے ایک نظر روشنی کو دیکھا پھر سمیرا کو۔ سمیرہ اور روشنی نے اس کی انکھوں کا رنگ بدلتے ہوئے دیکھا۔ اس کی آنکھیں اب سفید ہو رہی تھی۔ روشنی فورا سے اس کے سامنے سے ہٹی اور ہر بڑا کر سمیرہ کے گلے لگ گئی۔ "تم جو چاہتی ہو میں کر دوں گی" اس کی آواز میں مردانہ آواز شامل تھی. "کیا کرو گے تم کیسے کرو گی" بالاخر سمیرا نے سمبل پر یقین کر لیا اور اس سے پوچھا۔ سنبل کی انکھوں کا رنگ واپس سے نارمل ہو گیا۔ "سب مجھ پر چھوڑ دو میں کر لوں گی" وہ پلٹی اور جاتے ہوئے بولی. اس کے جاتے ہی سمیرا اور روشنی

ایک دوسرے کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ ان کی بہن کسی اور دنیا کی بن گئی.

ڈاکٹر شوبتا سنگ راکنگ چیئر پر جھولتی ہوئی اپنے ہاتھوں میں پڑی رپورٹ کو بڑی غور سے دیکھ رہی تھی۔

اس کی ایک غلطی اب کسی کی جان لینے والی تھی۔ موت کا ایسا کھیل کھیلا جانے والا تھا کہ وقت کی صدیاں تک اسے یاد رکھنے والی تھی۔ ایک غلط دوائی ایک جان کا سودا بہت لوگوں کو بھر پڑنے والا تھا۔ اس نے رمشا کو یہ کہہ کر ڈسچارج دے دیا تھا کہ اب وہ بالکل ٹھیک ہے جبکہ حقیقت کچھ اور تھی رمشاہ کی ڈاکٹر شوبیتا سنگھ کے غلطی کی وجہ سے کڈنی فیل ہو چکی تھی اور اس کی جان کبھی بھی جا سکتی تھی۔ وہ اندھیرے سے بھرے کمرے میں

راکنگ چیئر پر جھولتی ہوئی خدا سے اپنی زندگی کے بھیک مانگ رہی تھی۔

کیونکہ اسے پتہ تھا اس کا کیا اسے لوٹ کر آئے گا

خوشی کے گھر میں آج کوئی مرد آیا ہوا تھا۔ کرسی پر پیر پر پیر ڈالے دیوان رانا حقارت سے اس گھر کو دیکھ رہا تھا۔ دروازے سے لگی روشنی دیوان کو نفرت کی نگاہوں سے دیکھ رہی تھی۔ جبکہ چٹائی پر سمیرہ اور خوشی بیٹھے ہوئے تھے۔ "آپ یہاں کیوں آئے ہیں کنورسا" سمیرا نے وہاں کی خاموشی کو توڑتے ہوئے کہا. دیوانے اپنی نظروں کا دورہ ختم کر کر سمیرا کو بغور دیکھا پھر خوشی کو پھر روشنی کو وہ تینوں میں سے روشنی عظیم حسن کی مالکن تھی. وہ کچھ لمحات کے لیے اسے دیکھتا ساکت ہو گیا تھا وہ اس کی نظروں سے اتر کر ذہن کے کونوں میں چھپ رہی تھی. "تمہاری

بیٹی۔ "اس نے روشنی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا. خوشی نے روشنی کی طرف دیکھا. دونوں کی نظریں ملی پھر روشنی نے ندامت سے اپنی گردن جھکالی. "تمہاری بیٹی حویلی کے خواب دیکھنے لگی ہے" خوشی پر سات و آسمان آکر گرے تھے. اس نے بے یقینی سے روشنی کو دیکھا پھر دیوان کو۔ "اس سے کہو کہ وہ سپنے دیکھنا چھوڑ دے ورنہ تم سب نے دیکھنے یا حقیقت دیکھنے کے قابل نہیں رہو گی" وہ کرسی سے اٹھتا ہوا روشنی کو بغور دیکھتا ہوا دھمکی دے رہا تھا۔ "کنور سایہ تو آپ کو کھیل شروع کرنے سے پہلے سوچنا چاہیے تھا" سمیرا اس کے مقابل کھڑی اس کی انکھوں میں دیکھ کر بول رہی تھی جبکہ خوشی اسے چپ رہنے کے لیے کہہ رہی تھی۔

"میری بہن کوئی سامان نہیں ہے جس کا استعمال کر کے آپ اسے پھینک دیں گے. اب جو ہو گا وہ آپ دیکھیں گے یا ہم" وہ اسی انداز میں اسے دھمکی

دے رہی تھی. دیوان نے قہقہ لگایا. ''تو کیا کرے گی چھوری'' وہ مذاق اڑانے والے انداز میں بول رہا تھا۔ ''آپ کی ساری حویلی اور سارے خاندان کو برباد'' روشنی نے بلند آواز میں کہا. دیوان کی ہنسی رکی. اس نے برق رفتاری سے آگے بڑھ کر روشنی کی گردن نوچ لی۔ خوشی اور سمیرہ دیوان کو پیچھے ہٹانے کی لاکھ کوشش کرنے لگے مگر اس نے بہت مضبوطی سے اس کی گردن کو دبوچا تھا۔ روشنی کی سانس حلق میں اٹکنے لگی اور اس کی آنکھوں میں خون اترنے لگا مگر اس کے چہرے پر شیطانی مسکراہٹ قائم رہی جیسے وہ اس سے یا موت سے بالکل نہیں ڈر رہی تھی۔ ''اے چھوری ہمت کر کر بتادے۔ تجھے زمین میں گاڑ دوں گا۔ ویسے بھی حویلی کی زمین میں بہت سی لاشیں دفن ہے تیری ایک اور ہو جائے گی'' جب روشنی کی آنکھیں بند ہونے لگی تو جھٹکے سے دیوان نے اپنا ہاتھ پیچھے۔ کیا

روشنی لمبی لمبی گہری سانسیں لینے لگی اور ساتھ ہی ساتھ کھانسنے لگی اس کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ دیوان وہاں سے پیر پٹختا ہوا چلا گیا جبکہ روشنی گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ کر سمیرہ کے گلے لگ کر رونے لگی. مگر خوشی نے روشنی کے بالوں کو اپنی مٹھی میں کھینچ کر اسے اپنی طرف متوجہ کیا "ساری دنیا میں تمہیں حویلی کا مرد ہی ملا تھا" روشنی کی آنکھوں سے پانی اترنے لگا سمیرا نے خوشی کو دھکا دے کر روشنی سے الگ کیا. "ممی! بس کر دیجیے ایسے وقت میں ہم سب کو ساتھ ہونا چاہیے نہ کہ ایک دوسرے سے لڑنا چاہیے" سمیرا نے روشنی کو اپنے گلے لگا کر دلاسا دیتے ہوئے کہا. خوشی اپنا ماتھا پکڑ کر بیٹھ گئی جیسے اس نے اپنی زندگی کی سب سے بڑی جنگ ہاری ہو.

"کیا کر رہی ہو تم اتنے رات کو" سنبل کا استاد رات کو اچانک آواز آنے پر جاگ کر دیکھنے لگا تو سنبل ستارے کے بیچ میں بیٹھی آگ میں کچھ منتر پڑھتے ہوئے ڈال رہی تھی اور غفہ کی ساری مشالیں جل رہی تھی "کیا کر رہی ہو تم" جب سنبل نے کوئی جواب نہیں دیا تو اس کا استاد بستر سے اٹھ کر اس کا کندھا جھنجھلا کر بولا مگر اگلے ہی پر وہ ہوا میں اچھل کر اپنی جگہ پر واپس آ چکا تھا. سنبل کی آنکھوں کا رنگ سفید پڑ گیا تھا اور شیطانی طاقتوں نے اس کے استاد کو اٹھا کر پٹک دیا تھا. اس کا استاد ڈر کے مارے ستون کے پیچھے چھپ گیا تھا۔ وہاں کی دیواریں یک دم سے شور کرنے لگی تھیں۔ سمبل نہیں چادر سے پر داب رانا کی تصویر نکالی۔ اس تصویر پر اس نے مختلف رنگ پھینکے اور اس کے نام کا ایک پتلا بنایا اس پر کئی سوئیاں چبو کر اسے آگ کی لپیٹوں میں پھینک دیا۔" بربادی شروع ہو گئی ہے. موت کا کھیل شروع

ہو گیا ہے. اب ساری دنیا سنبل کے اس کھیل کا حصہ بنے گی" وہ مختلف آوازوں کے ساتھ چلا رہی تھی. عفہ ہنسنے کی آوازیں آنے لگی۔ سنبل ایک دم سے ہوا میں تیرنے لگی۔ باہیں پھیلائے چیخنے چلانے لگی۔اس کے برہنا جسم پر آگ کے کئی نشان تھے مگر اس کے چہرے پر شیطانیت تھی۔ جس سے ہر انسانی روح کانپ جاتی ہے۔ابلیس جیت چکا تھا۔اس زمین کی ہوائیں اس کے جیت میں ناچ رہی تھی۔ جبکہ دور خدا کی رحمت اپنا جلوہ دکھانے کو تیار تھی۔ خدا دیر ضرور کرتا ہے مگر اس کی دیری میں رحمت چھپی ہوئی ہوتی ہے۔ خدا کی محبت کا سب سے اہم انصر انتظار ہوتا ہے۔تاریخ کی کتابوں میں اس انتظار کو عشق کا لقب دیا گیا ہے۔ جیسے یعقوب علیہ السلام کا انتظار۔ جیسے حضرت زلیخہ کا انتظار، جیسے ایوب علیہ السلام کا انتظار، جیسے یوسف علیہ السلام کا انتظار، جیسے نوح علیہ السلام کا

انتظار، جیسے حضرت محمد مصطفی صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار. انتظار صبر کی چادروں میں لپٹا عقیدت سے پہنایا گیا وہ عملی جامہ جسے اوڑھ کر کوئی مومن جھکتا یا ہارتا نہیں وہ ہمیشہ پروان رہتا ہے. ایمان کے وادیوں میں زندہ رہتا ہے. بہت لوگوں نے اس انتظار کا مذاق کیوں بنایا لیکن جب اس انتظار نے جوش مارا تو خدا کی ساری کائنات میں حیرت کے مارے دیکھا. کائنات تب حیران تھی جب نوح علیہ السلام کی کشتی صحرا میں چلنے لگی تھی. پریشان ہوئی تھی دنیا جب یوسف علیہ السلام کو لمبے انتظار کے بعد اپنے باپ کا دیدار ہوا تھا. حیران ہوا تھا جہاں جب حضرت ذلیخاں کی محبت میں انتظار کا لمحہ پار کر کے ایمان کا دامن تھاما تھا. ساری دنیا دیکھتی رہی جب حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا انتظار ختم ہوا تو دنیا میں اسلام و دین کا جھنڈا لہرایا.

رات نے ایک بار پھر اپنا شر پھیلایا۔ پارک میں بینچ پہ وہ دونوں ہاتھوں میں ہاتھ لیے بیٹھے ہوئے تھے۔ سمیرا مسلسل روئے جا رہی تھی تو اس کو چپ کرانے کے لیے سمیر نے اسے اپنے گلے سے لگا لیا اس کے بالوں کو سہلاتے ہوئے وہ اسے دلاسا دینے کی کوشش کرنے لگا۔ مگر اس کے باوجود بھی وہ روتی رہی۔ وہ بہت کم روتی تھی مگر جس کے سامنے روتی تھی وہ اس کے لیے بہت زیادہ اہمیت کا حامل تھا۔اور سمیر اس کے لیے ساری دنیا سے بڑھ کر ہو چکا تھا۔ "بس کر دیں آپ کتنا روئیں گی طبیعت خراب ہو جائے گی آپ کی" وہ منت بھرے لہجے میں بول رہا تھا. سمیرا اس سے الگ ہو کر اپنے آنسو پونچھنے لگی. آنسوں پونچھتے ہوئے اس کی نظر اس کے ہاتھ میں بندھے سرخ دھاگے پہ پڑی۔ اس نے اس کا ہاتھ ہوا میں اٹھایا اور اس کو ایک نظر دیکھا "یہ کیا ہے" اس کے سوال پر اسنے ہڑبڑا کر اپنا ہاتھ پیچھے کر

لیا۔اور اپنے گھبراہٹ دور کرنے کے لیے ادھر ادھر دیکھنے لگا۔" در گاہ گیا ہوا تھا اسی کا ہے" وہ نظریں چرا کر بول رہا تھا. سمیرہ نے اس کا چہرہ اپنی طرف زبردستی متوجہ کیا اور اس کی آنکھوں میں دیکھنے لگی. "ان دھاگوں کا مجھ سے الگ ناطہ ہے اسی لیے جھوٹ بولنے کی غلطی مت کیجئے" سمیر نے خوف کے مارے اپنا تھوک نگلا۔ وہ اس کی آنکھوں میں نہیں دیکھ پا رہا تھا۔ "سمیرا آپ مجھ پر شک کر رہی ہیں"

"اگر آنکھ ملا کر کہتے تو جھوٹ پر بھی یقین کر لیتی مگر مجھ سے جھوٹ بولنا بے کار ہے" سمیر نے گہری سانس لی اور اس کی طرف متوجہ ہوا۔ "OK آپ صحیح میں غلط" اس سے پہلے سمیرہ کوئی جواب دیتی سمیر اسے بے حوش کر چکا تھا۔

رات کے درمیانی پہر میں چاند کی روشنی تلے اسے برگد کے پیڑ کے نیچے لیٹایا گیا تھا اس کے لباس پر سرخ ڈالا گیا تھا اس کے بازو بڑی بے ترتیبی سے پھاڑا گیا تھا۔ اس کے اعطراف چار پانچ لوگ تھے دو بزرگ ایک کالے کپڑوں میں تانترک ایک نوجوان اور اس کے برابر کھڑا ہاتھ جوڑے آنکھ بند کئے ہوا سمیر اس نے اپنا لباس بدل لیا تھا۔ "وہ دو" تانترک نے سمیر کی طرف ہاتھ بڑھا کر مانگا اس نے اپنی جیب سے سفید کانچ کی بوتل نکال کر دی جس میں خون تھا۔ "کیا یہ وہی خون ہے؟" تانترک نے بوتل کو غور سے دیکھتے ہوئے کہا۔ سمیر نے اثبات میں سر ہلایا۔ "یہ لڑکی تمہارے سارے مشکلات کا نوارن کرے گی" اس خون کو ہون کنڈ میں ڈالتے ہوئے تانترک بولا. ہون کنڈ میں آگ کی لپیٹیں طیش کھا رہی تھی۔ اس آگ کی روشنی میں سمیرہ کا چہرہ صاف واضح ہونے لگا۔ تانترک اپنے منتر

بلند آواز میں پڑھنے لگا۔ وہاں کھڑے تمام لوگوں نے اپنی آنکھیں بند کر کے دھیان کیا۔ سمیرا کی انکھیں دھیرے دھیرے کھلنے لگی یہ یوں کہوں کہ کسی نے زبردستی اسے جگایا تھا۔ ورنہ جس دوائی سے سمیرہ کو بے ہوش کیا گیا تھا وہ تقریبا دو دن تک اٹھ نہیں پاتی تھی۔ اس نے آنکھیں کھول کر چاروں طرف دیکھا اس نے اپنے آپ پر نظر ڈالی اس کے بازو پر کپڑا نہیں تھا اس کے تن پر اس کا دوپٹہ نہیں تھا۔ اس کی آنکھوں کا رنگ دھیرے دھیرے پوری طرح کالا ہو گیا۔ وہ ان آگ کی لپٹوں کی طرح بھڑک رہی تھی اس کا جسم بار بار زمین سے ٹکراتا پھر اوپر اٹھتا۔ تانترک اپنے منتروں میں مصروف تھا۔ سمیرا ایک دم سے ہوا میں تیرنے لگی۔ اس کے پیر الٹے ہو گئے۔ ہون کنڈ میں جلتی آگ بجھ گئی۔ سمیرا کی ہنسی سے سب لوگوں نے اپنی آنکھیں کھولی اور تانترک نے گردن اٹھا کر اوپر دیکھا تو اس کی دھڑکن

رک گئی۔ سمیرا ان لوگوں کو غور سے دیکھ رہی تھی۔اور بس ہنسے جا رہی تھی۔تانترک نے اپنے جیب سے راخ نکال کر اس پر ماری تو زمین پر بے ہوش اگر گئی۔ "یہ سب کیا ہو رہا ہے تانترک جی" بزرگ ادمی نے تانترک کو دیکھتے ہوئے پوچھا.تانترک تو کچھ بول ہی نہیں پا رہا تھا. وہ سمیرہ کو بے ہوش دیکھ کر بھی خوفزدہ ہو رہا

تھا."پ۔۔۔ت۔۔۔۔۔ا۔۔۔۔پ۔ت۔۔پتا نہیں"تانترک نے چاروں طرف نظر دوڑائی چاند کی روشنی میں لمبے گھنے پیڑ پوری شدت سے حرکت کر رہے تھے ایسے جیسے وہاں کوئی طوفان آنے والا ہو. یک دم سے وہ ہوا میں اٹھا کوئی اس کی گردن کو دبوچ رہا تھا اس کی سانسیں حلق میں آ کر اٹک گئی تھی. وہاں کھڑے تمام لوگ بھاگ گئے سوائے سمیر کے. وہ کانپتا ہوا وہ منظر دیکھ رہا تھا اس کے دماغ نے کام کرنا بند کر دیا تھا. اس کی آنکھوں

میں آنسوں خشک ہو چکے تھے. اس کا دل کسی بھی وقت باہر آ سکتا تھا. اس کے جسم کا خون کسی بھی وقت خشک ہو سکتا تھا. "کیوں کیا یہ سب" ایک مردانہ آواز وہ جنگل میں گونجی. "اس لڑکے پر کوئی دوش ہے جو اس لڑکی کی بلی پر ہی ختم ہو سکتا ہے." تانترک اپنی جان کی بھیک مانگتا ہوا بول رہا تھا.

"مگر یہی کیوں"

"اس کا رنگ، اس کا خاندان، اس کی کنڈلی، سب اس لڑکے کے دوش کو ختم کرنے کے لیے ہیں اسی لیے ہم نے اس کو چنا۔ یہ مسلم نہیں ہے یہ ہندو ہے" تانترک نے اپنی جان کو گوانے سے پہلے کہا. آخر کار اس کی جان اس کے قدموں سے خارج ہو کر ہوا میں تحلیل ہو گئی اور وہ نیچے گر گیا. اس کی لاش پر آگ نے اپنا کام کیا اور اس کو اپنی آغوش میں لے کر راخ کر دیا.

سمیرا نے آہستہ آہستہ اپنی آنکھیں کھولی اس نے اپنے آپ کو اکیلا پایا اور

اپنے سامنے کھڑے سمیر کو ساکت منجمد۔ وہ ہمت کرتی ہوئی کھڑی ہوئی اس کے پیروں میں جان نہیں تھی۔

"آپ نے مجھے دھوکہ دیا ہے؟"اس نے یقین دہانی کروانی چاہی. اسے یقین نہیں تھا کہ جس شخص پر وہ اپنا سب لٹا کر بیٹھی ہے. جس شخص کے لیے اس نے اپنے آپ کو صرف کر دیا. جس شخص کو اس نے اپنی دنیا میں سب سے بڑا مقام دیا اسی نے اسے دھوکا دیا. محبت جب اپنے بھرم توڑتی ہے تو دل کے ساتھ ساتھ یقین بھی توڑتا ہے اور انسان بھی۔ سمیر کچھ بول نہیں پایا وہ بولنے کے قابل رہا ہی نہیں نہ ہی. سمیرا نے اس کا کالر پکڑ کر جھنجھلایا مگر وہ تب بھی خاموش رہا. "میں آپ کو نہیں چھوڑوں گی۔ آپ کو اتنا تڑپا کر ماروں گی کہ موت بھی کانپ جائے گی" وہ دانت چباتے ہوئے بول رہی تھی۔ مگر اگلے ہی لمحے اس کے سر پر کسی زوردار چیز سے حملہ ہوا

جس کی وجہ سے وہ بے ہوش ہو گئی۔ سمیر نے نظریں نیچی کر کے اسے زمین پر گرتا ہوا دیکھا۔ اسے کوئی کھینچ کر زبردستی وہاں سے لے جا رہا تھا۔ اسے کوئی وہاں سے جسمانی طور پر لے جا رہا تھا مگر اس کا ذہن اس حد سے اور اس منظر میں اس شخص کے ساتھ قید ہو چکا تھا۔ اس شخص کے ساتھ سارے گزرے لم جو صرف اور صرف ایک جھوٹ کا حصہ تھے۔ جن جھوٹے لمحوں کو سمیرا اپنی زندگی مان چکی تھی وہ کسی کے لیے مشکلات سے بچنے کا راستہ تھا۔

نیند سے نہ جاگتے تو سچائی کا پتہ نہ چلتا

اب ہو گئے ہیں بیدار تو سچائی سونے نہیں دیتی۔

صبح سمیرا نے اپنے آپ کو صحیح سلامت مناسب حالت میں اپنے بستر پر پایا اسے وہ حادثہ اک خواب کی طرح لگا ایک خوفناک ڈراؤنا خواب جو رونگھٹے کھڑے کر دے۔ وہ فوراً سیدھی ہو کر بیٹھی اور اپنا فون چیک کرنے لگی اس نے سمیر کا کئی مرتبہ کال کی مگر اسکا فون سوئچ آف تھا۔ "دی وہ خواب نہیں سچ تھا" سنبل اس کی طرف پانی لے کر بڑھتے ہوئے بولی۔ سمیرا کے ماتھے پر پسینہ آنے لگا دل بند ہونے کو تیار تھا۔ اس کے سر میں شدید درد اٹھنے لگا اس کی دماغ کی شریان پھٹنے والی تھی۔ سنبل نے اسے پانی پلایا اور اس کے برابر بیٹھ گئی۔ اس کے ہاتھ کو اپنے ہاتھ میں لے کر اس کی پشت کو سہلانے لگی۔ "وہ حادثہ دھوکا نہیں تھا وہ ایک سچ تھا" سمیرا نے فوراً اس کا ہاتھ چھوڑ دیا. "بکواس کر رہی ہوں تم" سنبل نے ایک بار پھر اس کے ہاتھوں کو اپنے ہاتھ میں لیا۔ "اب جو وعدہ آپ نے اس آدمی سے کیا ہے وہ

آپ کو کرنا ہوگا" وہ اس کو یاد دلا رہی تھی کہ اس نے اپنے دھوکے سے کیا وعدہ کیا ہے۔ میرا ایک دم سے ٹوٹ کر سنبل کو گلے لگا کر رونے لگی۔ سنبل صرف اور صرف اس کا رونا سن رہی تھی اور اس کی پیٹھ سہلا رہی تھی۔ وہ چاہتی تھی کہ وہ روئے اس کے آنسوں اس کی طاقت بنے۔

وہ آئینے کے سامنے کھڑی تھی، اپنے آنسو پونچھتے ہوئے، مگر یہ آنسو کمزوری کے نہیں تھے—یہ آگ تھے، انتقام کی آگ!

"میں نے ہر دھوکہ سہا، ہر زخم کو دل پر نقش ہونے دیا، مگر اب بس!" اس نے خود سے کہا، آواز میں ایک سرد یقین تھا۔

"اب کوئی مجھے رلائے گا نہیں...اب میں وہ بنوں گی جس سے لوگ خوف کھائیں گے!"

وہ جانتی تھی کہ بدلہ وقت مانگتا ہے، صبر مانگتا ہے، مگر وہ تیار تھی۔

آج اس نے کمزوری کو دفن کر دیا تھا، اور انتقام کو اپنی سانسوں میں بسا لیا تھا۔

سنبل نے اپنی بہن کے کانپتے ہاتھ تھامے اور نرمی سے کہا،

"تم اکیلی نہیں ہو... میں تمہارے ساتھ ہوں!"

بہن کی آنکھوں میں خوف اور بے بسی تھی، مگر سنبل کی مضبوطی نے اسے تھوڑا سا حوصلہ دیا۔ زندگی کے دکھوں نے اسے توڑنے کی کوشش کی تھی، مگر آج وہ گرنے نہیں والی تھی۔

"یہ وقت بھی گزر جائے گا، بس تمہیں خود پر بھروسہ رکھنا ہوگا۔" سنبل کی آواز میں وہ یقین تھا جو بکھری ہوئی روحوں کو جوڑ دیتا ہے۔

بہن نے گہری سانس لی اور سر ہلایا۔ آج اس نے پہلی بار خود کو کمزور نہیں، بلکہ سنبل کے ساتھ مضبوط محسوس کیا تھا۔ "بدلہ لیا جائے گا... بالکل ویسے

ہی، جیسے دھوکہ ملا تھا!" اس نے سرگوشی کی، اور اس کے لبوں پر ایک زہریلی مسکراہٹ پھیل گئی۔

سمیر نے اس کے اعتماد کو، اس کی محبت کو روند دیا تھا۔ اب وہی سمیر تڑپے گا، وہی سمیر تڑپے گا... اور وہی سمیر تباہ ہو گا!

"میں اس کی موت بنوں گی!" اس نے آئینے میں اپنے عکس کو دیکھا، وہی چہرہ جس پر کبھی محبت کی روشنی تھی، آج انتقام کی سیاہی چھائی ہوئی تھی۔

اب کھیل شروع ہو چکا تھا... اور اب یہ کھیل ختم وہی کرے گی!

چور اور دھوکہ باز کتنا ہی ماہر کیوں نہ ہو اس کی چوری اور اس کا دھوکہ زیادہ دیر پردے میں نہیں رہ سکتا۔ دیوان کے جھوٹ کا خلاصہ بڑی شان سے پرانی حویلی کے ہال میں رنگے ہاتھوں ہوا تھا۔ وہ صرف پینٹ میں اس کے اوپری جسم پر کوئی کپڑا نہیں تھا۔ اور اس کے بال بری طرح بکھرے ہوئے تھے۔ پرانی حویلی میں کوئی ملازم نہیں تھا صرف باہر واچ مین تھا جس کو دیوان نے خرید رکھا تھا۔ ہال میں مرکزی شاندار کرسی پر بیٹھی رتاب رانا

اسے قتل کر دینے والے نگاہوں سے دیکھ رہے تھے انہوں نے غصے کے مارے اپنی دونوں مٹھیاں بھینچ لی تھی اور اپنے غصے کو قابو کرنے کی نہ ممکن کوشش کر رہے تھے۔ہال میں موجود ستون سے لگی سادہ لباس میں ملبوس سر پر گھونگٹ ڈالے ریشمی روئے جا رہے تھی۔"کب سے چل رہا ہے یہ سب "پرتاب رانا کی اواز پوری حویلی میں بجلی کی طرح گونجی. دیوار ان کے سوال پر بھی ساکت کھڑا رہا. "اگر منہ نہیں کھولا تو اسی زمین میں گاڑ دوں گا"پرتاب رانا برق رفتاری سے اس کا گلا دبوچتے ہوئے بولے. دیوان کی آنکھوں میں خون اترنے لگا تو پرتاب رانا نے اسے آزاد کر دیا اور بولنے کے لیے اشارہ کیا۔دیوان نے خود کو سنبھالا پھر بولنے کی ہمت جٹائی۔"ایک سال سے چل رہا ہے باؤ جی"

"اور کہاں تک پہنچا ہے یہ رشتہ" دیوان کی طرف ان کی پشت تھی اور دوسری طرف دیکھ رہی تھے.

"باؤجی......" وہ کانپ رہا تھا اس کے الفاظ اس کا جسم اس کی روح کانپ رہی تھی. "دیوان یہ رشتہ کہاں تک پہنچ چکا ہے" یہ وہ سوال تھا جو کوئی باپ پوچھتا تو وہ اپنی ہی نظروں میں گر جاتا. ایسے گھٹیا سوال تو کوئی عام آدمی بھی کسی عام آدمی کو نہ پوچھے. دیوانے پرتاب رانا کو انہی کی نظروں میں گرا کر رکھ دیا تھا. "تم جانتے ہو یہ ہماری ملازمہ کی بیٹی ہے؟" دیوان کی خاموشی پرتاب رانا کے ہر سوال کا جواب دے رہی تھی اور وہ جواب انہیں جھنجوڑ رہے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی پرورش نہ ہارے۔ انہیں جھوٹ ہی سہی مگر وہ نہ بولا جائے جو سچ ہو. ریشمی روتی ہوئی ان کے پیروں میں آ

کر گر گئی اور ان سے منت کرنے لگی۔ "رانا صاحب میں بہت پریم کرتی

ہوں کنور سا سے "

"پریم نہیں ہے. ہوس ہے یہ "پرتاب رانا سانس لینے کے لیے

رکے۔ "پریم ہمیں مان مریادہ دیتا ہے۔ وہ سنسکاروں کا سامان کرنا سکھاتا

ہے نہ اسے اپنی ماتاپتا کو دھوکہ دینا سکھاتا ہے۔ میں اس بات کے خلاف

نہیں ہوں کہ تم ہمارے ملازمہ کی بیٹی ہو میں اس بات سے خلاف ہوں کہ

تم نے مان مریادہ کی ساری حدیں پار کر دی "ان کا دل ٹوٹا تھا اور حویلی کی

ساری دیواروں نے وہ آواز سنی تھی۔ کیا یہی ہوتی ہے بے تحاشہ یقین کی

منزل ؟ ریشمی ان کے پاؤں سے لگی رو رہی تھی دیوان صوفے پر بیٹھ کر اپنا

ماتھا پیٹ رہا تھا پرتاب رانا نے اپنا پیر چھڑایا اور ان دونوں کو دیکھنے لگے۔ "

آنے والے شکروار کو تم دونوں کی شادی ہے "فیصلہ سنا کر پرتاب رانا حویلی

سے چلے گئے۔ دیوان اور ریشمی ایک دوسرے کو بے یقینی سے دیکھ رہے تھے جیسے انہیں یقین نہیں آیا ہو ریشمی اپنے آپ کو سنبھالتی ہوئی اٹھی اور دیوان کے گلے لگ گئ۔ "کنور سا میں بہت خوش ہوں" وہ سینے سے لگی خوشی سے بولی جبکہ دیوان ابھی بھی شاک میں تھا۔ اس نے ایک مرتبہ بھی ریشمی سے شادی کا نہیں سوچا تھا۔ اسے تو کسی بڑے گھر کی بیٹی سے شادی کرنی تھی۔ مگر پرتاب رانا نے اس پر ریشمی کو تھوپ دیا تھا۔

ریوان چھٹیوں میں گھر آیا ہوا تھا دن بھر کی بے زارگی کے بعد اس نے فیکٹری جانے کا فیصلہ کیا کپڑے بدل کر اس نے سیاہ رنگ کی ٹی شرٹ پہن لی۔ بالوں کو پیچھے کی طرف سیٹ کر کے اس نے اپنے آپ کو آئنہ میں دیکھا۔ اس نے خود کے عکس کو دیکھ ہلکا سا مسکرایا۔ کار کی چابی لے کر وہ

فیکٹری کے لئے روانہ ہوا۔ گاڑی چلاتے ہوئے وہ گنگنا رہا تھا۔اس کے سیٹی کی آواز کھڑکی سے باہر سفر کرتی ہوئی کسی کے کانوں میں جھولتے جھکوں کو چھو کر کان میں داخل ہو رہی تھی۔ وہ شخص اب سیٹی مارنے والے کو دیکھا تو دونوں کی ہارٹ بٹ مس ہوئی۔ ریوان نے کار کی رفتار دھیمی کر دعا۔ وہ نیلے فراک میں ہاتھوں میں چوڑیا لئے بالوں کو کان کے پیچھے کرتی ہوئی اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ ریوان نے اس سے پہلے اتنی خوبصورت لڑکی نہیں دیکھی تھی۔ وہ غائب ہو گئی کیونکہ ریوان نے گاڑی کو موڑتے ہوئے اپنا راستہ بدلانہ چاہتے ہوئے بھی وہ لڑکی اس کے ذہین میں کند ہو چکی تھی۔

وہ فیکٹری کے سامنے کار پارک کر کے سیدھا آفس کی طرف قدم اٹھایا۔

اس کے دروازہ کھولتے ہی CA کشور اور پرتاب رانا چپ ہو گئے ریوان نے پہلے CA کو مصافحہ کر کے سلام کیا CA نے اس سے اس کی خیرت

پوچھی ریوان کرسی کھینچ کر بیٹھتا ہوا اپنی خیریت بتانے لگا CA اجازت لیتا

ہوا وہاں سے چلا گیا اس کے جاتے ہی ریوان پرتاب رانا کی طرف متوجہ ہوا

۔ان کا بغور دیکھتے ہوئے اسے اندازہ ہوا کہ وہ کتنے پریشان اور اداس ہیں۔"

باؤ جی سب ٹھیک ہے؟" پرتاب رانا نے گردن اٹھا کر مسکرانے کی کوشش

کی مگر وہ ناکام رہے۔ریوان پریشان ہوا۔"کیا ہوا باؤ جی" پرتاب رانا نے

گہری سانس لی پھر پانی پی کر اسے مخاطب کیا۔"سب ٹھیک ہے بس سر درد

ہو رہا ہے" ان کے لہجے میں بے حد بے زارگی اور بے بسی تھی۔"باؤ جی...

آپ کو پتا ہے نہ کہ آپ جھوٹ نہیں بول سکتے" ریوان نے ایک سیکنڈ میں

ان کا جھوٹ پکڑ لیا تھا۔پرتاب رانا کے چہرے پر سفید رنگ آنے لگا۔"

کوئی بات نہیں ہے" انہوں نے نظریں چرا کر کہا ریوان نے مزید نہیں

پوچھا کیونکہ وہ اپنے باپ کے مزاج سے واقف تھا۔"ریوان! ہر کام کر لینا

مگر کبھی دھوکہ نہ دینا۔" وہ کئی دیر بعد ریوان کو باپ کے انداز میں سمجھانے لگے۔ "یہ تمھیں انسان نہیں رہنے دیتی" ریوان نے ان کی باتوں کو غور سے سن کر اثبات میں سر ہلایا۔ "باؤجی میں آپ کا بیٹا ہوں" ریوان کی باتوں سے پرتاب کو تسلی مل رہی تھی ایک آس زندگی کی۔

"وہ بنے گی میرے گھر کی بہو۔ ایک نوکرانی کی بیٹی" کستوری دیوی کے لہجے میں بے یقینی تھی۔ وہ سر پکڑ کر بیٹھ گئی۔ دیوان گردن جھکائے کھڑا ہو تھا پرتاب رانا صوفے پر بیٹھے سیگریٹ کا کش لے رہے تھے۔ سیگریٹ کا دھواں دھیمے دھیمے ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا۔ کستوری دیوی ماتھا پکڑے اپنی بدقسمتی پر رو رہی تھی۔ "یہ تمہارے بیٹے کے کرموں کا نتیجہ ہے" سیگریٹ کو ہونٹوں پر رکھنے سے پہلے پرتاب رانا نے کہا کستوری دیوی

روتے ہوئے اپنے بیٹے دیوان کے پاس آئی۔ انھوں نے ایک کے بعد ایک اسے تھپڑ لگانا شروع کر دیے۔ آخر میں تھک ہار کر رک گئی دیوان کا چہرہ سرخ ہو چکا تھا۔ "مجھے معاف کر دیجئے" دیوان ندامت بھرے لہجے میں بولا۔ پرتاب رانا نے کوئی رد عمل نہیں کیا۔

کستوری دیوی اپنے آنسوں پونچھتے ہوئے پرتاب رانا کے قدموں میں آکر بیٹھی۔ "دیکھیے رانا صاحب اسے معاف کر دیجیے یہ شادی مت کروایئے. وہ ہمارے خاندان کے لائق نہیں ہے" وہ بے صبری سے الفاظ ادا کر رہے تھی جبکہ ان الفاظوں کا پرتاب رانا پر کوئی اثر نہیں ہو رہا تھا. "شادی تو ہو گی؟ جب ضرورت تھی تو نہ ذات دیکھی گئی نہ درجہ تو اب یہ سب دیکھنے کا کوئی مطلب نہیں" پرتاب رانا کا فیصلہ اٹل تھا یہ تو طے تھا کہ وہ اپنے فیصلے سے پیچھے ہٹنے والے نہیں ہیں. کستوری دیوی بے بسی سے اپنے بیٹے اور پتی

کو دیکھنے لگی. ان کے بیٹے کی ایک غلطی نے ان کے سپنوں کا محل جلا کر خاک کر دیا تھا. وہ پیر پٹختی ہوئی اندر کمرے میں چلی گئی. پرتاب رانا بھی اپنے ملازم کے ساتھ باہر چلے گئے ہال میں دیوان کھڑا رہا۔ کچھ دیر یوں ہی خاموشی کا نظارہ کر کے اس نے بھی اپنے قدم اپنے کمرے کی اور بڑھائے۔ دروازہ زور سے بند کرتے ہوئے اپنے کمرے کے اندر چلا گیا۔ حویلی میں ایک بار پھر خاموشی چھا گئی۔

جمعہ کے دن بڑی سادگی سے کچھ لوگوں کی موجودگی میں ریشمی اور دیوان کی شادی تکمیل پائی۔ نہ کوئی بینڈ باجا نہ کوئی بڑی دعوت نا مہمان نہ تحفے۔ ایسی شادی جو آج تک رانا پریوار میں کسی کی نہیں ہوئی تھی۔ وہ لوگ تو جنم دن بھی ایک تہوار کی طرح منایا کرتے تھے۔ دیوان کی ایک غلطی

نے انہیں سر جھکانے پر مجبور کر دیا تھا۔شادی کے بعد ریشمی کو دیوان کے

کمرے میں لایا گیا۔وہ کمرے میں پہلے سے ہی سو چکا تھا ریشمی گھبراتی ہوئی

اس کے پاس آئی۔اسے دیکھ کر یہ لگا کہ وہ ایک سپنے میں جی رہی ہے۔وہ ہلکا

سا مسکرا۔کمرے میں ہلکی روشنی تھی اور کھڑکی سے ٹھنڈی ہوائیں ارہی

تھی۔شادی ہونے کے باوجود بھی حویلی کو سجایا نہیں گیا تھا۔بیڈ پر وہ اس

کے قدموں کے پاس بیٹھے گھٹنوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھ کر بڑی فرصت

سے دیوان کو دیکھ رہی تھی۔نہ جانے کتنے گھنٹوں تک وہ اسے دیکھتے ہوئے

اس کے پیروں میں سر دیے سو گئی۔کمرے میں ہلکی روشنی میں اس کا دلہن

سا وجود جگمگا رہا تھا۔اس کے ہاتھوں میں معمولی سی کانچ کی چوڑیاں۔کانوں

میں نقلی بالیاں سرخ سادہ لباس۔وہ اب بھی ملازمہ لگ رہی تھی۔۔ صبح

صبح سورج کی کرنیں دیوان کو جگانے کی کوشش کر رہی تھی دیوان نے

اپنے پیروں پر وزن محسوس کیا تو وہ ہلکا سا کسمسایا۔ اس نے اٹھنے کی کوشش کرتے ہوئے اپنے پیروں کی جانب دیکھا۔ اس کے پیروں پر ریشمی سو رہی تھی۔ اس نے زور سے اپنے پیروں کو پیچھے کیا۔ اچانک حرکت سے ریشمی جا کر بیٹھ گئی۔ اس نے آنکھیں رگڑتے ہوئے دیوان کو دیکھا جو حقارت سے اسے دیکھ رہا تھا۔ محبت کا طلسم ٹوٹ چکا تھا۔ نظروں میں تبدیلی آ چکی تھی۔ "کنور سا" وہ اٹھ کر محبت سے بولی۔ "ہٹ یہاں سے مجھے نہانے جانا ہے" وہ اس کو نظر انداز کرتا ہوا اس کے ہاتھ کو جھٹک کر حمام میں چلا گیا. ریشمی خالی کمرے کو دیکھتی رہی. اس کی آنکھوں سے آنسوں ٹپ ٹپ گرنے لگے. اس کی توقعات پر پانی پھر گیا تھا. ہر سپنا سپنا ہی رہ گیا تھا. وہ ہاتھ ملتے ہوئے پچھتا رہی تھی. اس نے حویلی اور حویلی کا سب سے اونچا درجہ اپنی عزت نفس کو بیچ کر خریدا تھا۔

وقت کا کام ہے گزر جانا اور یہ کام وہ بہت ایمانداری وہ لگن سے کرتا ہے وقت گزرتا گیا۔ ہر روز ریشمی اپنے عزت نفس کو خاک میں ملتے ہوئے دیکھتی رہی۔ وہ قیمتی زیورات اور کپڑے پہنا کرتی تھی لیکن باوجود اس کے اسے وہاں ملازمین سے بدتر سلوک کیا جاتا تھا۔ تشدد صرف جسم پر نہیں ہوتے۔ تشدد کی بہت اقسام ہیں جیسے روح اور ذہین پر اور یہ جسم پر کئے گئے تشدد سے زیادہ تکلیف دہ ہوتے ہیں۔ اس کے حساس دھیرے دھیرے دم توڑنے لگے۔ اس نے اپنے اپ کو ایسے سلوک کا عادی بنالیا۔ کستوری دیوی اسے ایک کیڑے سے بھی زیادہ حقیر مانتی تھی۔ اور دیوان اسے اپنے کسی اجڑی حویلی کی طرح دیکھا کرتا تھا۔ لیکن پرتاب رانا اس سے کم بات کرتے لیکن عزت سے بات کرتے۔ دیوان تو خیر حویلی میں رہا کرتا ہی نہیں تھا وہ

اپنی پڑھائی کے سلسلے میں شہر سے باہر تھا۔ اگر وہ ہوتا بھی تب بھی وہ اسے عزت کی نگاہ سے ہی دیکھتا۔

رام پور میں تجارت کے سلسلے میں آئے پرتاب رانا کی ملاقات روپ کمار سے ہوئی جو انہی کی طرح ایک تاجر تھے۔ وہاں قیام کے دوران پرتاب رانا نے روپ کے گھر کا دورا کیا۔ روپ کمار کی رہائش گاہ قدیم راجستانی روایات کا درس دیتی تھی۔ روپ کمار کا رہن سہن پہننا وہ قدیم راجستھان کے جیسا تھا۔ ایک باعزت اور باوقار مرد ہونے کے باوجود وہ ایک نرم طبیعت کے مالک تھے۔ بڑی داڑھی مسکراتا چہرہ راجستھانی لباس۔ ان کے تین بچے تھے بڑا بیٹا شادی شدہ تھا۔ جو روپ کمار کے ساتھ کاروبار میں ان کی مدد کیا کرتا تھا ان کی ایک بیٹی شادی شدہ تھی جو اپنے پتی کے ساتھ

مدھیہ پردیش میں رہتی تھی۔ان کی چھوٹی بیٹیجو ابھی تک پڑھ رہی تھی۔ اس کا نام دشا تھا۔ایک خوبصورت ٫ نازک ٫ عقلمند ٫ ہوشیار ٫ اور نرم دل۔ قدیم روایات کے ساتھ آگے بڑھتے ہوئے انہوں نے اپنے بچوں کو تعلیم کا خزانہ بھی دیا تھا۔ان کی بیٹی اپنے پتی کے ساتھ مدھ پردیش میں کاروبار میں مدد کیا کرتی تھی۔ قدیم خیالات کو انہوں نے ماڈرن زمانے کے خیالات سے سجایا تھا۔انہوں نے ارتقا کو اپنی زندگی کا ایک حصہ بنایا تھا۔وہ اپنی سنسکرتی ٫ ریوایات ریتی رواج کو بھولے بنا دنیا کے ساتھ قدم سے قدم ملا کر چل رہے تھے۔

رات کے کھانے کے بعد پرتاب رانا نے پہلی بار دشا کو چائے لاتے ہوئے دیکھا۔ ہلکے زرد لباس میں ملبوس سر پر دوپٹہ ڈالے معصومیت سے مسکراتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی پرتاب رانا نے قدرت کا شاہکار دیکھا تھا۔انہوں

نے پورا ہندوستان دیکھا تھا اور تمام لوگوں کو بھی مگر انہوں نے ایسا حسن نہیں دیکھا تھا وہ دشا کی خوبصورتی سے مسحور ہو گئے تھے۔ دشا نے چائے کا کپ ان کے ہاتھ میں تھماتے ہوئے انہیں سلام کیا۔ اور آرشیواد لیا اور اپنے باپ کے پاس ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر بیٹھ گئی۔ "یہ میری چھوٹی بیٹی ہے دشا۔" روپ کمار نے دشا کا تعارف کرواتے ہوئے کہا۔ "بڑی پیاری بیٹی ہے آپ کے پاس تو کوہنور ہے روپ صاحب" پرتاب رانا کہے بھی نہ رہ نہیں پائے۔ دشا مسکراتے ہوئے انہیں دیکھ رہی تھی۔

"خوبصورت ہونے کے ساتھ ساتھ میری بیٹی ذہانت میں بھی آگے ہے پورے راجستھان میں میری بیٹی مشہور ہے۔" وہ فخر انداز میں دشا کے سر پر ہاتھ رکھ کر بول رہے تھے۔ "باؤجی میں چلتی ہوں ماں جی کی مدد کرنی ہے" چاشنی تھی اس کی آواز جو پرتاب رانا کے دل کو چھو گئی. دشا نے

دونوں کو باری باری سلام کرتے ہوئے وہاں سے وداع لیا۔اس کے جانے کے بعد کچھ دیر تک پراتاب رانااور روپ کمار ایک دوسرے سے بات کرتے رہے۔

ریوان اپنی پڑھائی ختم کر کے اب پرتاب رانا کی مدد کر رہا تھا۔اس کے ذہن ودماغ نے فیکٹری کی کے بڑے سے بڑے مسائل حل کر دیے تھے۔اس کے آتے ہی پرتاب رانا کے کاروبار میں برکت ہونے لگی تھی۔ریوان اب جوان ہو چکا تھا۔ہلکی سی باریک شیو، مونچھیں، گہری آنکھیں، گھنے بال، قد وقامت۔وہ ایک پرکشش آدمی تھا۔اس کے لیے بہت سے رشتے آئے تھے لیکن پرتاب رانا نے سب کو منع کر دیا تھا۔ریوان کے لیے ان کی نظر میں ایک ہی مجسمہ تھا۔خوبصورتی کا مجسمہ۔

کچھ مہینوں بعد ریوان اپنے باپ پرتاب رانا کے ساتھ رامپور آیا ہوا تھا۔ یہ سفر پرتاب رانا کی ترکیب کا حصہ تھا۔ وہ ایک چاند کو چاند سے ملانے کی تدبیر کر رہے تھے۔ وہ دن بھر کے کام کے بعد ہوٹیل کے بڑے سے کمرے میں آکر لیٹا تھا۔ اس نے آنکھیں بند ہی کی ہوئی تھیں کہ دروازہ کھٹکھٹانے کی آواز نے اسے جگا دیا۔ وہ بیزارگی سے دروازہ کھولنے کے لیے اٹھا۔ دروازے پر رانا صاحب تھے۔ "چل ہمیں ایک دوست کے پاس جانا ہے" وہ اندر گھستے ہوئے جلد بازی میں بول رہے تھے. "باؤ جی میں تھک گیا ہوں آپ چلے جایئے" وہ دوبارہ بستر پر لیٹتے ہوئے بیزاری سے بول رہا تھا اور ساتھ ہی ساتھ جمائی لے رہا تھا. پرتاب رانا نے ایک مصروف نظر اس پر ڈالی اور ایک لمبی گہری سانس لیتے ہوئے کہا "ریوان تمہارے پاس بس

پانچ منٹ ہیں" ریوان برق رفتاری سے بستر سے اٹھا اور تیار ہونے لگا

کیونکہ وہ جان چکا تھا کہ یہ اس کے باپ کا حکم ہے۔

اگلے آدھے گھنٹے بعد ریوان اپنی کار پارک کر کے باہر نکلا۔ سفید شرٹ

، کالی پینٹ، سیٹ کیے بال، چمچماتے جوتے، وہ ایک شاندار مرد تھا۔ وہ

پرتاب رانا کے پیچھے چلتا ہوا گھر کی اور بڑھ رہا تھا دروازے پر روپ کماران

کا استقبال کرنے کے لیے تھے۔ دونوں کو گلے لگا کر انہوں نے استقبال

کیا۔ دونوں آ کر ہال میں موجود ایک شاندار صوفے پر آ کر بیٹھ گئے۔ ریوان

نے اپنا تعارف کروایا۔ روپ کمار نے ستائشی نظروں سے پرتاب رانا کو

دیکھا۔ " چلو کھانا کھاتے ہیں" روپ کمار کی بیوی نے ان لوگوں کو ڈائننگ

ایریا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا۔ روپ کمار آگے چلتے ہوئے ریوان

اور پرتاب رانا کو راستہ بتا رہے تھے۔ اور ان کے ساتھ آ کر زمین پر بچھائے

گئےاک دستر خوان پر بیٹھ گئے۔ان کے سامنے چھوٹے چھوٹے ٹیبل رکھے گئے تھے۔ تمام ملازمین مختلف اقسام کے پکوان لاکران کے سامنے رکھ رہے تھے۔اور روپ کمار کی بیوی ان کی تھالی میں سرو کررہی تھی۔سب نے ایک ساتھ بھگوان کا نام لے کر کھانا شروع کیا۔ کھانا بہترین بنایا گیا تھا۔منہ میں گھلتے ہی وہ دل کو خوش رہا تھا۔ریوان نے تو آہستہ آہستہ چباتے ہوئےاس نوالے کے ہر زرے کا مزہ لیا۔روپ کمار کے برابر ان کی بیوی کھانا کھارہی تھی ریوان ان دونوں کو دیکھ کر ہلکا سا مسکرایا۔یہ ان کے ماں باپ کی طرح نہیں تھے ان دونوں سے محبت کی مہک آرہی تھی جو اکثر شادیوں میں موجود ہی نہیں ہوتی ریوان نے اپنے باپ کو دیکھا جو روپ کمار سے باتیں کررہے تھے۔(کاش باوجی آپ کو بھی آپ ہی کے جیسی بیوی ملتی۔کاش ہمارے گھر کا ماحول بھی اتنا ہی پر سکون ہوتا") وہ نوالہ چباتے

ہوئے سوچ رہا تھا۔ کھانے کے بعد وہ اٹھنے والے تھے کہ روپ کمار نے اسے روک لیا۔ "بیٹھئے کنور سا مٹھائی کے بنا تو بھوجن ادھورا ہے" ریوان واپس سے بیٹھ گیا یہ سچ تھا اس نے حد سے زیادہ کھالیا تھا۔ اس کے پیٹ میں ہوا کی بھی جگہ نہیں تھی لیکن وہ منع بھی نہیں کر سکتا تھا۔ وہ اپنے باپ اور روپ کمار کی باتوں کو سن رہا تھا تبھی اس کے کانوں میں کسی کے پایل کی آواز آئی۔ اس نے اپنی توجہ دروازے پر مرکوز کی۔ اس کی آنکھوں میں وہ خوبصورتی کا مجسمہ نمودار ہوا۔ سرخ ساڑھی ہاتھوں میں سنہری چوڑیاں۔ ماتھے پر بندی چہرے پر دنیا کی سب سے خوبصورت مسکان_ ریوان سانس لینا بھول چکا تھا۔ اس کے اعطراف کا سارا وقت تھم چکا تھا آوازیں مدھم ہو گئی تھی۔ وہ تھی اس کے پایل کی آواز دی۔ وہ زندگی کی مانند اس کی طرف آ رہی تھی۔ وہ حقیقت سا اسے دیکھ رہا تھا یک دم سے سانس اس کے حلق

میں اٹک گئی وہ بے کھانسنے لگا اور اپنے سینے پر مارنے لگا روپ کمار اور پرتاب

رانا ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرائے جا رہے تھے جبکہ مٹھائی کا برتن نیچے

رکھ کر جلدی سے پانی کا گلاس لے کر اس کے آگے بڑھی اس کے برابر بیٹھ

کر اس نے اسے پانی پلایا اور اس کی پیٹھ کو سہلاتے ہوئے اس کی کھانسی کو

روکنے کی کوشش کی۔ ایک تو وہ اتنے قریب۔ اس کی آنکھوں میں دیکھتے

ہوئے ایک بار پھر روان نے سانس کو اپنے جسم سے جدا کر دیا۔ ڈش اپنی

نظروں میں فکر لیے اسے ٹھیک کرنے کی کوشش کر رہی تھی جبکہ وہ اپنی

مرضی سے خود کو فنا کرنے نکلا تھا۔ اس کی کھانسی رکی تو دشا نے سکون کا

سانس لیا۔ "آپ ٹھیک ہیں کنور سا" چہرے تک تو ٹھیک تھا اس کی آواز

بھی جان لیوا تھی اس نے اثبات میں سر ہلایا۔ "بیٹے میٹھا دو سب کو" روپ

کمار نے مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ دشا نے سب کو میٹھا دیا۔ ریوان مسلسل

دشا کو دیکھ رہا تھا اور دل ہی دل میں مسکائے جا رہا تھا۔ ''بیٹا آپ کبھی آنا ہمارے جیسلمیر'' پرتاب رانا نے ریوان کی سوچ کے محور میں مداخلت کرتے ہوئے کہا۔ ''جی بالکل'' دشا کو وہ فرصت سے سن رہا تھا جبکہ وہ اسے فرصت سے دیکھنا چاہتا تھا۔ دشا کو ملازمہ نے آواز دی تو وہ اجازت لیتی ہوئی وہاں سے چلی گئی اس کا جانا ریوان کو اداس کر گیا۔

ہوٹل واپس آکر اس کی بے چینی میں مزید اضافہ ہوا۔ وہ یہاں سے وہاں چلتے ہوئے اپنے ذہن سے دشا کے خیال کو نکالنے کی کوشش کر رہا تھا۔ مگر دشا کی آنکھیں وہ نہیں بھول پا رہا تھا۔ باہر سڑکوں پر شور برپا تھا اور اس کا دل دشا کے نام کے نعرے لگا رہا تھا۔ وہ تھک ہار کر بیڈ پر بیٹھ گیا۔ اس کے سامنے ایک بڑی TV تھی جس میں وہ اپنا عکس دیکھ رہا تھا۔ اس کا چہرہ آج

ضرورت سے زیادہ چمک رہا تھا۔اس نے اداسی سے مسکرایا۔"خیالوں میں آگئی ہو، آنکھوں میں ٹھہر گئی ہو، دل پر قبضہ جما لیا ہے۔ شاید مجھے عشق ہوا ہے۔" وہ خود سے کہتا مسکرائے جا رہا تھا۔

واپس جسلمیر آکر اس نے خود کو مصروف کر لیا پورا دن فیکٹری اور زمینوں پر رہنا مزدوروں کے مسئلے سننا۔کاروبار کی مالی حالت کا جائزہ لینا مگر اتنی مصروفیت کے باوجود بھی وہ یاد آتی تھی ایسے لگنے لگا تھا کہ اس کا یاد آنے کا کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔اس کا ذہین اس کی یادوں کے لیے ہمیشہ فری ہے ان لمحوں کو یاد کر کے وہ خوش ہو جاتا ہے۔ مقصد مسکرانے لگتا۔اس نے ایک دن دشا کی یاد میں غریبوں کو کھانا کھلایا۔("دیوی ماں وہ میرے خیالوں سے نہیں جاتی آپ اسے میری زندگی کا حصہ بنا دیں") وہ پوجا

کرنے کے بعد ہاتھ جوڑ کر آنکھیں بند کر کے دعا کر رہا تھا۔ دیوی کی مورت سے سفید پھول گرا تو کھل اٹھا۔ "تھینک یو دیوی ماں" وہ خوشی سے جھومتا ہوا بولا۔ ہندوستان میں اسے دعا قبول ہونے کی علامت کہتے ہیں۔

دشا ریوان کی دعا بعد میں تھی وہ تھی اس کی قسمت تھی۔ ریوان تک پہنچنا اس کا مقدر تھا۔ ان دونوں کی ملاقات کے کچھ مہینوں بعد ان کی شادی ہو گئی۔ رانا صاحب کی چھوٹی بہو کے قدموں نے جیسلمیر کو خوشیوں سے بھر دیا۔ وہ خاندان کے سب سے اہم کردار کی طرح ان کی دنیا میں داخل ہوئی تھی اور ہمیشہ کے لئے ان کے آسمان کا چاند بن گئی۔

آج دیوان کا دن بہت خراب تھا۔ صبح صبح اس کے کپڑے خراب ہو گئے وہ

لیٹ ہو گیا ء راستے میں اس کی گاڑی پنچر ہو گئی, جیسے تیسے فیکٹری پہنچا تو کلائنٹ غصے سے ڈیل کنسل کر کے چلے گئے۔اس نے اپنا سارا فسٹریشن اپنے تمام ایمپلاؤپر نکالا سارے کام کاماحول گرم تھا۔ ریوان ہمیشہ کی طرح گنگناتے ہوئے دفتر میں داخل ہوا۔اس کے چہرے پر خوشی بتارہی تھی اس نے کوئی بڑی ڈیل سائین کی ہے۔"کیا ہوا بھائی سا" اس نے دیوان کو تپا دیکھ کر کہا دیوان اپنی کرسی پر بیٹھ کر پانی پینے لگا۔"آج کا دن ہی منحوس ہے" اس نے بیزاری سے کہا ریوان اس کے مقابل کرسی پر بیٹھ گیا۔ایک گہری سانس لے کر اس نے کہنا شروع کیا۔"بھائی سا اسلئے کہتے دن نہ آرتی سے شروع کرنا چاہیے"

"سوری بھائی میرے پاس تیری بیوی جتنی سنسکاری بیوی نہیں ہے جو میرے دن کو اچھا کرے" وہ دونوں ہاتھوں کو جوڑ کر قدرے بے بسی سے

بولا۔اس کے تبصرے پر ریوان ہلکا سا مسکرایا وہ فخر محسوس کر رہا تھا۔"یہ تو ہے"اس نے آہستہ سے کہا تھا مگر پھر بھی دیوان نے سن لیا۔اور اس کو حسد کی نگاہ سے دیکھنے لگا۔"تیرا کام ہو گیا"ریوان نے مسکرا کر اثبات میں سر ہلایا وہ دونوں کی گفتگو میں مداخلت کرتا ہوا عیسی اندر داخل ہوا۔دیوان اور ریوان بے یقینی سے کھڑے ہو گئے۔"کیا ہوا ڈی ایس پی تمیز بھول گیا ہے کیا"عیسی کے اعصاب اسے دیکھ کر تن گئے جبکہ ریوان عیسی کے مقابل آکر کھڑا ہوا اور نرم لہجے میں پوچھنے لگا۔"کیا بات ہے"عیسی نے دیوان سے نظر ہٹا کر ریوان کو دیکھا تو اس کے اعصاب کچھ ڈھیلے پڑے۔

"آپ کے پتا جی کی موت کے بارے میں بات کرنی ہے"اس کی بات سے دیوان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔وہ خود کو سنبھالتا ہوا کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ ریوان کی آنکھیں نم ہونے لگی ایک بار پھر پچھتاوا امڑ آیا۔"کیا بات

کرنی ہے"عیسی نے ریوان کے بدلتے تعاثرات کو نوٹس کیا۔"ریوان آپ اس وقت یہاں نہیں تھے تو آپ یہاں سے جایئے"عیسی نے حد نرم لہجے میں بات کی۔

"نہیں عیسی میں سننا چاہتا ہوں"

"تم اس سے دوست کی طرح کیوں بات کر رہے ہو"دیوان نے ان دونوں کو اچھے سے بات کرتے ہوئے دیکھ کر حیرانی سے پوچھا جبکہ وہ دونوں ایک دوسرے کو دیکھ رہے تھے عیسی نے منت بھرے لہجے میں اسے دیکھا۔"ریوان"ایک اور کوشش مگر ناکام...

ریوان وہیں کرسی پر بیٹھ گیا جبکہ عیسی دوسری کرسی کھینچ کر دیوان کے بالکل مقابل بیٹھ گیا۔ایک لمبی سانس ہوا میں خارج کرتے ہوئے اس نے بولنا شروع کیا"تو بتایئے دیوان صاحب آپ کے پتا جی کی موت کیسے ہوئی

تھی" دیوان نے خود کو کمپوز کرنے کے لیے جگ سے گلاس میں پانی انڈیلا اور ایک سانس میں پورا پانی پی گیا. "وہ سیڑھیوں سے گر گئے تھے" ایک طویل خاموشی کے بعد دیوان نے کہا. ریوان نے بے یقینی سے اپنے بڑے بھائی کو دیکھا. "یہ تو ان کی موت کی طرف کا پہلا راستہ تھا جو آپ لوگوں نے بنایا تھا" عیسی نے بڑے آسانی سے کہا تھا. مگر باوجود اس کے ریوان اور دیوان کے ہوش اڑ گئے۔ "ایسا کچھ نہیں ہے ریوان" دیوان نے جب خود پر ریوان کی نظروں کو محسوس کیا تو خود کو صحیح ثابت کرنے کے لیے وہ ہڑ بڑا کر بولا. "باؤجی سیڑھیوں سے گرے تھے؟" ریوان نے قدرِ بے یقینی سے پوچھا. "ریوان آپ کے پتاجی سیڑھیوں سے گر گئے تھے اور کچھ مہینوں تک وہ پیرالائزر ہے" اپنوں کی حقیقتیں جب غیروں سے سننے کو ملے تو وہ بدترین تلخی انداز میں دل میں اترتی ہیں. ریوان اس بات سے

انجان تھا کہ اس کا باپ بستر پر اپنی زندگی کی بھیک مانگ رہا ہے اور وہ بڑے چین و سکون سے دور کہیں زندگی گزار رہا ہے. اسے خود پر بہت غصہ آیا. "تمہیں کیسے پتہ ڈی ایس پی" دیوان نے سختی اور سنجیدگی سے پوچھا"آپ کہتے ہیں نا کہ ہم سرکار کے کتے ہیں تو یہی سمجھ لیجیے کہ ہماری ناک بہت شارپ ہے اسی لیے ہم آپ تک پہنچ گئے "عیسی طنزیہ طور پر کہتا پیر پر پیر ڈالے ریوان کو دیکھنے لگا. "لیکن دیوان صاحب ان کی موت کیسے ہوئی تھی. ان کی میڈیکل رپورٹ بتا رہی ہیں کہ وہ ٹھیک ہو رہے تھے پھر ایسا کیا ہوا کہ وہ مر گئے "یہ وہ سوال تھے جس سے حویلی کا ہر فرد بھاگ رہا تھا ان رازوں کو حویلی کے لوگوں نے دفنا کر رکھا تھا جو ڈی ایس پی نے نکال کر ان کے سامنے رکھ دیے تھے۔ "جن سے یہ سب معلوم کیا ہے انہی کو جا کے پوچھو" دیوان خود کو کمپوز کر کے واپس نارمل لہجے میں بول رہا

تھا. ریون کا بس نہ چلتا وہ پوری فیکٹری کو آگ لگا دیتا ہے. وہ خود سنبھالتا ہوا وہاں سے چلا گیا. " چلیے پھر ایک بار پھر ملاقات ہو گی مگر اریسٹ وارنٹ کے ساتھ " وہ اس کو چیلنجنگ انداز میں کہتا ہوا ریوان کے پیچھے بھاگا. ریوان فیکٹری سے نکل کر کار کا دروازہ کھولنے ہی والا تھا کہ اس کا کندھا پکڑ کر عیسی نے اس کو اپنی طرف متوجہ کیا۔ عیسی اس کی آنکھوں میں دیکھ پا رہا تھا کہ وہ کتنا غمزدہ اور حیران ہے. عیسی نے تسلی بخش انداز میں اس کے کندھوں پر ہاتھ رکھا۔ " ریوان فلحال ابھی ہوش میں رہو. اس وقت تمہارا ہوش میں رہنا بہت ضروری ہے. میں چاہتا ہوں کہ تم اپنی راز کھول دو. جتنی دیر انہیں اپنے سینے میں دفن کر کے رکھو گے اتنا ہی خود کو کھو دو گے " وہ ایک دوست کی طرح اسے سمجھا رہا تھا. " میں وعدہ کرتا ہوں کہ میں تمہیں غلط نہیں سمجھوں گا اگر تم غلط بھی ہو گے تو میں تمہیں سکون

سے سنوں گا۔ تمھیں ہو سکے تو راہ بھی بتاؤں گا۔ ریوان ایک بار ہمت کر کے اپنی زبان کھولو میرے لیے نہ سہی اپنے پتا جی کے لیے "منت تھی عیسی کے لہجے میں درخواست کر رہا تھا وہ۔ ریوان نے اسے دیکھا سالوں بعد اسے کوئی اپنا نظر آیا۔ مگر وہ اس کی فکر کو ذہن وہ گمان سے جھٹک کر وہاں سے چلا گیا۔ وہ عیسی کا دوست نہیں تھا۔ مگر اس شام کے بعد وہ دشمن بھی نہیں تھے ایک احساس کی ڈوری دونوں کے درمیان تھی۔ اب سب راز عیاں ہونے والے تھے۔ پرتاب رانا کی موت کا سراخ اسے کش نے دیا تھا وہ ڈارک ویب سائٹ کے معاملے میں انوالو تھا۔ سالوں پہلے گم شدہ لوگوں کی رپورٹ دیکھتا ہوا کش حیران تھا ان لوگوں کا ایک نشان تک کیسے باقی نہ رہا۔

اسے پتا چلا کہ جیسلمیر کے ایک گمنام جگہ جہاں غوفہ ہے وہاں ایک عجیب آدمی رہتا ہے۔اس پاس کے لوگوں سے پوچھتاچ کی تولوگوں نے حویلی کی ملازمہ کوایک عورت کے ساتھ آتادیکھاتھااور سالوں پہلے کستوری دیوی وہاں نظر آئی تھی کش اور عیسی نے اپنے الجھتے کرداروں کواس غوفہ کے شخص نے جوڑناشروع کیاعیسی کو یہ پتہ تھاکہ ریوان اپنامنہ نہیں کھولے گا اور وہ اسے مجبور بھی نہیں کرے گاوہ اپنے بچے کے احساس کی عزت رکھے گا ۔اسے اپنی کی دوست کامان رکھناتھاجس نے اسے بھائی کہاتھا۔

وہ سالوں بعد ہمت کر کے اس گلی میں واپس آیاتھاجہاں اس کی کہانی کاآغاز ہواتھا۔اس کے دماغ میں وہ ہنسی وہ وعدے وہ باتیں گونجنے لگی۔وہ اس گھر کے مقابل کھڑااس کی اجڑی دیواروں کودیکھنے لگا۔اس بالکنی میں سے اس کا

چہرہ نظر آیا وہ آج وہ اسے دیکھ کر مسکرا رہی تھی۔ "کنور سا مجھے یقین تھا آپ آئیں گے" ریوان کی آنکھوں میں قید آنسوں بہنے لگے وہ آوازیں صرف وہی سن پا رہا تھا۔ جیسلمیر میں بہت سے لوگ اسے کنور سا کہتے تھے مگر روشنی کا کنور سا کہنا الگ تھا۔ شاید اسلئے کہ اس سے ریوان کا ضرورت کا رشتہ تھا ہر احساس سے خالی۔ "روشنی!" سالوں بعد اس کے منہ سے یہ نام نکلا تھا اسی درد کی شدت سے جس شدت سے وہ بلایا کرتی تھی آج وہی درد کے در پر ریوان کھڑا تھا۔ اقرار کے لئے اعطراف جرم کے لیے۔ "روشنی میں تمہارا گنہگار ہوں۔ میں نے تمہیں استعمال کیا تمہیں اپنا شوق سمجھا۔ مجھے معاف کر دو" کتنے عرصے بعد اس نے اپنے گناہوں کا سامنا کیا جس کا کفارہ وہ اتنے سالوں سے چکا رہا تھا۔ "مگر یہ سچ ہے کہ تم صرف میری ضرورت تھی وقت گذاری۔ میری محبت تب بھی دشا تھی اب بھی دشا

ہے اور سات جنم بھی وہی رہے گی۔" ہواؤں نے اپنا رخ بدلا۔ کڑکتی دھوپ کو بادلوں نے گھیر لیا ایک دم سے موسم گرما میں موسم بارش کا احساس ہونے لگا۔

(کنورسا مجھے اپنے گھر میں تھوڑی سی جگہ دے دیجئے۔ میں آپ کے گھر میں نوکرانی بن کر بھی رہ لوں گی کنورسا۔" روشنی اس کے پیر پکڑ کر بچوں کی طرح روتے ہوئے بول رہی تھی۔ اور ریوان اس کے وجود کو دھتکار رہا تھا۔)

"میری بیوی مجھ پر بہت یقین کرتی ہے پلیز اس کے یقین کو قائم رہنے دو"

(کنورسا اگر آپ کی بیوی کو آپ کے دھوکے کا پتا چل گیا تو" ریوان نے قدم رک گئے۔ وہ پلٹ کر روشنی کو نفرت سے دیکھنے لگا۔ اس کے چہرے کو دبوچ کر اس نے کہا۔" میں تمہیں جان سے مار دوں گا۔ وہ میری بیوی

ہے مجھے جان سے زیادہ پیاری ہے" آخر کار باہر والی باہر ہی رہ گئی مرد کے دل پر راج نہیں کر پائی۔ مرد عورت کے چناؤ میں بہت چالاکی سے فیصلہ لیتا وہ عزت کو چنتا ہے۔)

"مانا کہ تمہاری اور تمہارے خاندان کی جان میری وجہ سے گئی ہے مگر مجھے بخش دو تمہیں اس پیار کی قسم جو تم نے مجھ سے کیا"

"میں آپ کے خاندان کو تباہ کر دوں گی ریوان پرتاب رانا" اس نے پہلی بار ریوان کو اسطرح مخاطب کیا تھا۔ "اس سے پہلے میں تمہیں تمہارے خاندان سمیت جلا دوں گا۔" وہ اس کی لال آنکھوں میں دیکھ کر بول رہا تھا۔)

"میرا بیٹا میرے دھوکے کو جانتا ہے روشنی۔ تم نے مجھے پوری طرح برباد تو نہیں کیا مگر آباد ہونے بھی نہیں دیا۔"

(5 سالہ روی ان دونوں کی نفرت دھوکے سے بھری گفتگو کو سن کر بھاگا

ریوان اس کے پیچھے فوراً بھاگا۔ اسے سمجھا بجھا کر اس نے روی کے ذہین میں

اپنے دھوکے پر پردہ ڈال دیا۔ حویلی کی دیواروں اور اس کے چراغ میں

ریوان نے راز دفن کر دیا)

ان جملوں کو بولنے میں اسے 4 سال لگ گئے تھے۔ وہ اندر ہی اندر مرتا رہا۔

آج عیسی نے اس کے اندر بجھی آگ میں گھی کا کام کیا تھا۔ اب وہ تھک گیا

تھا۔ وہ سچ بولے گا سنے گا بھی ڈھونڈے گا بھی۔ وہ اپنے آنسوں پونچتا ہوا

روشنی کو ایک بار پھر تن تنہا چھوڑ کر وہاں سے چلا گیا۔

ڈاکٹر کے کہنے پر سنجنا دھوکہ سے رونق کو جیسلمیر

لانے میں کامیاب ہو چکی تھی اس کے آتے ہی ہواؤں کا رخ بدلا۔ سالوں پہلے اس نے اس زمین پر سمیر بن کر قدم رکھا تھا۔ آج قسمت ایک بار پھر اسے سمیر بنانے والی تھی۔ اور اسی وجود کو ختم ہونے کا فتویٰ جاری ہوا۔

وہ چھوٹا گھر جس کے اعتراف جانے سے بھی لوگ کتراتے تھے وہ گھر خوشی کا تھا۔ وہ گناہ جو ریوان کو ستا رہا تھا وہ روشنی تھی۔ جو سایہ ریم کو نظر آرہا تھا وہ صبور تھی، جو ہسپتال کی حالت تھی رمشاہ نے کی تھی، رگھو ناتھ کے ٹکڑے سمیہ نے کیے تھے۔ رونق کو پاگل سمیرا کی یادوں نے کیا تھا۔ یہ فساد یہ خون سب خوشی اور اس کی بیٹیوں کی روحوں کا کام تھا۔ وہ ادھوری خواہشات جس کو پورا کرنے کے لیے انہوں نے اپنے جسم کا ساتھ چھوڑا۔ وہ خواہشات جو غیروں کے لیے جان لیوا تھی۔ جن لوگوں کی

موت سے اعتراف کے لوگوں کو سکون ملا تھا انہیں کیا خبر تھی کہ وہ ان کا سکون چھیننے کے لیے مر رہی ہیں۔

ڈاکٹر شوبیتا سنگھ کے گھر کے کیمرے ٹھیک ہو چکے تھے۔ان کیمروں سے فوٹیج کش کے پاس آچکی تھی۔ کش کیمرے کی فٹیج دیکھ کر حیران ہو رہا تھا۔ اس کے تعاثرات اس کے دل کا حال بتا رہے تھے۔ وہ ایک خوفناک مناظر دیکھنے کے بعد جس طرح انسان کے دھڑکنیں یک دم سے بے ترتیب اور خوفزدہ ہو جاتی ہیں اسی طرح کا حال اس وقت کش تھا۔اس کے چہرے کا رنگ غائب ہو چکا تھا۔ایک سفید دھواں نما وجود شوبتا سنگھ کو زبردستی لیٹا کر زہر پلا رہا تھا۔ یہ وہی ڈاکٹر تھی جس نے رمشاہ کی زندگی کے ساتھ کھیلا تھا۔ کش سے مزید دیکھا نہیں گیا تو اس نے فورا لیپ ٹاپ بند کر کے

آنکھیں بند کرلی۔اس کا سر گھوم رہا تھا۔ایک کانسٹیبل ہاتھ میں فائل پکڑے اندر داخل ہوا۔اس کو وہ خاموش دیکھ کر اس نے خاموشی سے فائل ٹیبل پر رکھی اور باہر چلا گیا۔ایک گہری لمبی سانس لیتے ہوئے کش سیدھا ہوا۔اس فائل میں ڈاکٹر سوبیتا سنگھ کی زندگی اور کریئر کی سب سے بڑی غلطی درج تھی۔کہ جس طرح اس نے ایک معصوم بچی کی زندگی کے ساتھ کھیلا تھا اپنے پروفیشن کو لاپرواہی میں گنوادیا تھا۔کش نے فرسٹریشن سے اپنے بال نوچنا شروع کیے۔ایک گناہ کی سزا ایک گناہ سے دی گئی تھی اور یہ سب انسانی طاقتیں نہیں بلکہ شیطانی طاقتیں کر رہی تھی۔روح

آؤ صنم ایک بار ملاقات کریں

بیٹھو پاس میں ذرا ماضی کی کچھ بات کریں

اتنے میں دیر کر دی اب سزا لازم ہو گی

مٹھاس دیکھ لی محبت میں اب محبت ظالم ہو گی۔

رات کے درمیانی پہر میں اچانک ہو جائے گا اس کے برابر سمجھنا پر سکون نیند میں سو رہی تھی۔اس کے سینے پر سجنا کے ہاتھ تھے جسے اس نے بڑے آہستہ سے ہٹا کر بیڈ پر رکھا۔اور اپنی چادر نکال کر بیڈ سے کھڑا ہو گیا۔وہ اندھا دھن چلنے لگا دروازے اپنے آپ کھلنے لگے۔راستوں میں اندھیرا ہونے کے باوجود وہ چلتا رہا کسی نیند میں چلتے شخص کے مانند۔۔اسے ہوش تب آیا جب اس نے خود کو اسی برگد کے پیڑ کے پاس پایا جہاں وہ سمیرا کو لے گیا تھا۔اس کی آنکھوں میں خوف اترنے لگا اور وہ زور زور سے چلانے لگا مگر اس کی آواز اسی جگہ پر قید ہو گئی۔وہ بھاگتا رہا مگر ہر راستہ دیوار بن چکا

تھا۔ایک بار پھر وہ نظارہ سجایا گیا۔رونق اف سمیر ایک بار پھر اس منظر کا گواہ بنا۔اس کے پیر کاپنے لگے۔ہون کنڈ میں سے آگ اور خون نکلنے لگا۔ وہ خون ہوا میں اڑتے ہوئے اس نے سفید ٹی شرٹ پر آکر گرا۔اس کے بدبو اتنی گندی تھی کہ ساری دنیا اسے سونگھ کر مر جاتی مگر رونق نہیں مرا شاید اس کی موت بہت خوفناک ہونے والی تھی۔اگلے ہی لمحے وہ اس ہون کنڈ کے سامنے تھا جہاں چار سال پہلے وہ کھڑا تھا۔اسی جگہ کھڑے ہو کر اسے وہ دوبارہ سے دکھایا گیا سمیرہ کی چیخ وپکار اس کا خون۔اب اس کے اعتراف سات سائے تھے۔اس کے مقابل اسی لباس میں سمیرہ کا سایہ تھا۔ وہی چہرہ وہیں آنکھیں وہ اس سے نظریں ہٹا نہیں پایا اس کی آنکھوں سے آنسوں بے اختیار بہنے لگے۔سمیرا کا خون سے لت پت ہاتھ اس کے چہرے پر حرکت کرنے لگا اس کی انگلیاں اس کی آنکھوں کو چھو کر اس کے

کانوں تک سفر کر رہی تھی۔ چار سائیوں نے مل کر اسے ہوا میں اٹھایا۔ آگ کے شعلے بھڑ کائے گئے۔ "محبت ! محبت کی تھی میں نے. محبت......" پورے جنگل میں سمیرہ کی غراتی آواز سنی۔ "اتنے سال انتظار کروایا اتنا تڑپایا تم نے" نے ہوا میں رونق کے آنسوں شامل ہو رہے تھے. اسے نیچے لا کر اسی جگہ پٹک دیا جہاں سمیرہ کو لٹایا گیا تھا. اس کا دایاں ہاتھ ہوا میں اٹھایا "اسی ہاتھ سے تم نے میرے ہاتھ میں ہاتھ رکھ کر وعدہ کیے تھے اسی ہاتھ سے تم نے میرے ہاتھوں کو ایک نئ زندگی میں لے جانے کا فیصلہ کیا تھا۔" ایک روڈ ہوا میں اٹھی اور اس کے دائیں ہاتھ میں گھسا دی گئ. خون اور چیخ ایک ساتھ نکلی۔ وہ اپنی زندگی کی بھیک مانگنے لگا۔ اس خون کو اس آگ میں ڈالا گیا۔ اس کے جسم کے ہر حصے سے خون کی نالیوں کو باہر نکال کر خون کا بہاؤ کروایا گیا حتی کہ وہ موت کی بھیک مانگنے لگا۔ اس کی موت

اتنی خوفناک ہونے لگی کہ وہاں موجود ہر مخلوق خوفزدہ تھی پورا جنگل اس کی چیخ وپکار سے گم سم ہو گیا تھا۔اب صرف اس کا چہرہ باقی تھا۔آخری بار رونق نے اپنے دھوکے کو دیکھا۔اس کے چہرے پر حملہ ہونے سے پہلے اس نے آہستہ مدھم آواز میں سنجنا کو آواز دی اس کے ساتھ گزرے خوبصورت لمحوں کو یاد کیا وہ بے اختیار درد کی شدت میں بھی مسکرایا۔ آنکھیں بند ہو گئی خدا کو اس ذات پر رحم آیا تو اس نے اسے موت کا تحفہ دیا ورنہ وہ روح اسے اور تڑپاتی۔اس کو بے جان کر کے وہ سارے سائے ہوا میں جھومنے لگے۔ ہنسی چاروں طرف تھی۔ سمیرا کے ادھوری خواہش پوری ہوئی۔(میں سمیرا! سمیر کے جسم کے ہر حصے سے جان نکالنا چاہتی ہوں)اس پیڑ کے چاروں طرف خون تھا صرف خون۔۔۔

اندھے عقائد غلط راستہ ہی بتاتے ہیں جو قسمت میں ہونا ہے ہو کر رہتا ہے اب اس کو کسی مولانا یا پجاری کے کہنے پر بدلنے کی چاہ رکھنے والا محض بے وقوف ہے۔ اور جو لوگ ہمیں قسمت کو بدلنے کی صلاح دیتے ہیں ان سے پوچھنا چاہئیے کہ بھلا قسمت سے کوئی جیت پایا ہے اگر ایسا ہوتا تو دنیا میں جنگیں نہ ہوتی اموات نہ ہوتے انسان اپنی ہر خواہش کو پورا کر پاتا۔

سنجنا نے جب رونق کو اپنے برابر نہ پایا تو وہ پریشان ہو کر اسے ڈھونڈنے لگی۔ ہر جگہ پر گلی ہر ڈگر وہ ماری ماری اسے ڈھونڈتی رہی ایک بے چین ماں کی طرح۔ اسے نہ اپنے لباس کی فکر تھی اپنے حلیہ کی۔ دوپہر کے بعد اس نے پولیس سے رابطہ کیا پولیس نے بہت منتوں کے بعد اس کی پریشانی سنی اور رونق کو ڈھونڈھنا شروع کیا۔ بہت دیر بعد سجنا سمیت اس علاقے میں

پہنچے جارونق کی لاش تھی سنجنا کے قدم رونق کو اس حالت میں دیکھ کر

رک گئے لے جان وہ پڑا تھا مگر جان سنجنا کی جارہی تھی۔ پولیس والوں

نے جلدی سے سارا علاقہ سیل کر دیا آس پاس کے لوگ جمع ہو گئے۔ ایسی

خوفناک موت سے ہر کوئی ڈر رہا تھا۔ سنجنا زمین پر گھٹنوں کے بل بیٹھے

رونق کے جسم کو دیکھ رہی تھی۔("سنجو۔ میں تم سے بہت پیار کرتا ہوں

میں تم سے شادی کرنا چاہتا ہوں)خون میں لت پت رونق کے چہرے پر

مسکان تھی۔ سنجنا کی نظر رونق کے جھولتے ہاتھ پر پڑی جس پر راڈ سے

بڑے بڑے سوراخ بنائے گئے اس کی سفید ہتھیلی آج سرخ تھی۔("میں

تمہارا ہاتھ اپنی آخری سانس تک نہیں چھوڑوں گا")اس کی سفید ٹی شرٹ

پر خون کے دھبے۔ اس کی لاش پر اب سفید چادر اڑائی جارہی تھی۔("سنجو

اس دوش کو مٹانے کا طریقہ مل گیا۔ مجھے اس لڑکی سے پیار کا ناٹک کرنا

ہو گا۔ باقی سب ٹھیک ہو جائے گا۔) اس کو بیڈ پر لے جانے کے لئے اٹھایا گیا۔ اس کی آنکھوں نے زور زور سے رونا شروع کر دیا اس کی چیخ رونق کی چیخ ہی کی طرح تھی وہاں ہر کوئی اس کی حالت دیکھ کر رو پڑا۔"

رونق........."اس کو ایمبولینس میں لے جاتا دیکھ کر وہ چلائی۔

"رونق..... معاف کر دو مجھے۔ واپس آ جاؤ"

("میں تمہارا ہوں سنجو میں جلد ہی واپس آ جاؤں گا")

وہ رو رہی تھی مگر اسے چپ کرانے والا کوئی نہیں تھا۔ جو اسے ہمیشہ چپ کرواتا تھا وہ مر چکا تھا۔ سجنا کی زندگی رونق کی سانسوں کے ساتھ ہی ختم ہو چکی تھی۔ آخر کار رونق صحیح ثابت ہوا۔ اس نے کہا تھا کہ جیسلمیر اس کی جان لے گا اور وہی ہوا۔ اسے خود پر بہت غصہ آیا اس نے اپنے آپ کو مارنا

شروع کیا۔ کاش وہ اسے یہاں نہ لاتی کاش وہ اس کی بات مان لیتی۔ اب بس لفظ کاش تھا۔ رونق ختم ہو چکا تھا۔

پولیس آفسر نے اسے کیس کو متعلق پوچھا تو کیس بند کرنے کے لیے کہہ دیا۔ یہ کہہ کر کہ "قاتل پہلے ہی مر چکا ہے روح کو کسی جیل میں قید نہیں کر سکتے" اسے پاگل سمجھ کر پولیس والوں نے ایک گمنام کیس کی طرح اسے بند کر دیا۔ رونق کی لاش کو لے کر وہ جےپور آگئی۔ اس نے اس کے انتم سنکار کی تیاری کی۔ اس کو لکڑیوں پر لیٹا کر آگ لگائی۔ ("سنجو مجھے آگ سے بہت ڈر لگتا ہے۔") اس نے رونق کے جسم کو جلتے دیکھا۔ اس کا دل اس آگ میں جل گیا اس نے اسی آگ کے سامنے اس کے ساتھ سات پھیرے لینے کے سپنے دیکھے تھے۔ "میرا پیار زندہ رہے گا رونق اگلے سات

جنم سجنا رونق کی رہے گی" یہ وہ عہد تھا جو اس نے خود سے کیا تھا رونق کی کہانی ختم ہو چکی تھی۔اور سنجنا کا انتظار شروع ہو گیا تھا۔

'گزاروں گی باقی زندگی تیری یادوں کے سہارے

تم نہ رہے سنگ تو کیا ہم ہر پل ہیں تمہارے'

ریم عیسی اور کش کو کافی کا مگ دے کر اندر چلی گئی۔سٹڈی روم میں دونوں صوفے پر بیٹھے سیریس معلوم ہو رہے تھے۔"یہ سارا ماجرہ اس غوفہ سے شروع ہوتا ہے۔کش نے ڈاکٹر شوبیتا سنگھ کی موت کی کلپ دکھا کر عیسی کو کہا۔عیسی نے بھنویں سکڑا کر اس غوفہ کو غور سے دیکھا۔وہ دونوں سیدھے ہوئے۔اپنے دماغ کو کیفین دے کر دونوں نے سکون کے سانس لی۔"اور اس ڈارک ویب والی بک کا کیا ہوا"اس نے آنکھ بند رکھتے ہوئے پوچھا.

"کچھ پروگریس نہیں ہے یار" کش نے بے بسی سے کہا. "اس کا پبلشر کون ہے کس کمپنی نے پبلش کیا ہے"

"کچھ پتہ نہیں ہے اچانک ڈارک ویب پر اپلوڈ ہوئی ہے اور اپلوڈ کرنے والا کا کچھ پتہ نہیں ہے "عیسی چونک کر سیدھا ہوا۔ "عجیب بات ہے "عیسی نے بے یقینی سے کہا. "اگلی بات. ہر ڈور ریوان یا دیوان سے جڑی ہے" کش نے ایک اور تبصرہ کیا. عیسی اس کی بات سے متفق ہوا۔ "بس یہ ریوان منہ کھول لے" کش لیپ ٹاپ پر انگلیاں چلاتا ہوا مصروفیت سے بولا. عیسی کا دماغ ریوان کے چہرے کو یاد کر کے اداس ہو گیا۔ "اتنا اسان بھی نہیں ہے "عیسی آہستہ بڑبڑایا۔ کش نے نہیں سنا تھا وہ اپنے کام میں مصروف تھا۔

دیوان چھت پر کھڑا سگریٹ کے کش لے رہا تھا اور اس کے پاس بیٹھی کستوری دے دی چائے کے گھونٹ لے رہی تھی۔ "اگر اس رات میں باؤ جی کو نہ مارتا تو آج میں یہاں نہ ہوتا" وہ ندامت سے ماضی کو یاد کرتا ہوا بولا جبکہ کستوری دیوی بالکل پرسکون تھی۔ سیڑھیوں سے رتاب رانا کو دیوان نے دھکا دے کر مارا تھا۔ دیوان رانا اپنے باپ کا قاتل تھا یہ بات صرف کستوری دیوی اور دیوان جانتے تھے۔ حویلی کی دیواریں تک اس بات سے انجان تھی۔ سمبل نہیں جو جادو کتاب رانا پہ کیا تھا وہ کبھی کام ہی نہیں کر پایا تھا۔ پرتاب رانا کی موت کالے جادو کی وجہ سے نہیں بلکہ آپسی سازشوں کی وجہ سے ہوئی تھی۔ جس رات سنبل نے پرتاب رانا پر جادو کیا تھا اس وقت پرتاب رانا دشا کے پاس بیٹھے اس سے بھگت گیتا سن رہے تھے۔ اور اس کالے جادو کو روکنے میں سب سے بڑا ہاتھ دشا کا وہاں ہونا تھا۔ مگر اس

سارے معاملے میں ایک پزل غائب تھا۔ان کا مفلوج ہونا اب بھی ایک راز تھا۔"تمہارے باپ کو مارنا میرا مقصد تھا.ایک رات میں نے انہیں اسے سیڑھیوں سے دھکا دے کر مفلوج کیا.وہ میرے راستے کا کانٹا بن رہے تھے" دیوان چونک کر پلٹا."ماں جی آپ نے کیا ہے یہ سب" وہ حیرت کے مارے بولا مگر اگلے ہی لمحے وہ کستوری دیوی کے ساتھ ہنسنے لگا. یہ جو آپسی سازش ہے یہ کالے جادو سے زیادہ جان لیوا اور خطرناک ہے. ٹیرس کے دروازے پر کھڑا ریوان ان لوگوں کی باتیں سن کر حیران و پریشان ہو گئے ان لوگوں کی یہ سازش اس کے ذہن و گمان میں نہ تھی۔اس کے پیر کانپنے لگے وہ اپنے آنسوؤں پر قابو پاتا ہوا وہاں سے بھاگ گیا۔دشا اسے آواز دیتی رہی مگر وہ کار میں بیٹھا روشنی کی رفتار سے وہاں سے چلا گیا۔دشا پریشان ہو کر اپنے کمرے میں آ گئی۔

ٹیبل پر پڑا فون اٹھا کر اس نے ریم کو کال کیا۔ ریم باغ میں پودوں کو پانی دے رہی تھی ملازم نے فون اسے لا کر دیا تو وہ جلدی سے فون پکڑ کر پر جوش انداز میں اس سے سلام کرنے لگی۔ "کیا ہوا آپ پریشان کیوں ہو" اس نے دشا کی آواز میں اداسی دیکھی۔ "ریم!" دشا نے رونا شروع کر دیا تو ریم کی حالت بھی خراب ہونے لگی۔ وہ کرسی پر بیٹھ کر اس سے بات کرنے لگی۔ "دشا بتاؤ کیا ہوا ہے"

"ریم! ریوان بڑی پریشانی میں گھر سے نکلے ہیں عیسی بھائی سے کہو نہ کہ وہ ان کے پاس جائیں"

"اوکے اوکے آپ رونا بند کرو میں عیسی کو بولتی ہوں" اس نے اس سے تسلی دیتے ہوئے فون کٹ کیا اور عیسی کو فون کیا۔ "کیا ہوا ملکہ حسن اس وقت یاد کیا سب خیریت." عیسی اپنے کیبن میں بیٹھا شوخی انداز میں

بولا۔ ریم نے گہری سانس لیتے ہوئے بولنا شروع کیا۔ "عیسی ریوان بھائی کہیں چلے گئے۔ پلیز ان کے پاس جاؤ اور انہیں واپس لے آؤ دشا بہت رو رہی ہے" وہ بے بسی سے بول رہی تھی جب کہ عیسی کے ہوش اڑ گئے تھے۔ "اوکے اوکے میں جاتا ہوں تم فکر مت کرو اور دشا سے بھی کہو کہ وہ فکر نہ کریں" وہ اس کو جلدی جلدی بولتا ہوا پولیس اسٹیشن کے باہر نکلا اور مسلسل ریوان کو کال کرنے لگا. پولیس ہیڈ کوارٹر سے اس کی لوکیشن پتہ کر کے وہ سیدھا اسی طرف روانہ ہوا. کچھ دیر بعد وہ ایک دریا کے کنارے آکر پہنچا. وہاں ریوان پتھر پہ بیٹھے بچوں کی طرح سسک سسک کے رو رہا تھا. عیسی اس کی طرف بھاگ کر آیا. "تم پاگل ہو یہاں بن بتائے آ گئے ہو تم پتہ ہے دشا کتنی پریشان ہو رہی ہے" عیسی کی نظر اس کے آنسوں پر پڑی دیوان فورا اسے گلے سے لگا لیا۔ "میں بہت برا ہوں عیسی میں نے اپنے باؤ

جی کو دھوکہ دیا دشا کو دھوکا دیا" وہ مسلسل روتے ہوئے ایک ہی بات بول رہا تھا۔ عیسی اس کو خود سے الگ کرتا ہوا اسے چپ کرانے کی کوشش کرنے لگا۔

"کیا ہوا ہے ریوان تم رو کیوں رہے ہو" ریوان کی سسکیاں کچھ کم ہونے لگی۔ ریوان گاڑی سے پانی لا کر اسے پانی پلا کر اس کے برابر پتھر پر بیٹھ گیا۔ دونوں دن کی روشنی میں سچ سے ملاقات کرنے والے تھے۔

"میں نے دشا کو دھوکا دیا ہے 4 سال پہلے میں ایک لڑکی کے ساتھ تھا ہم دونوں کے تعلق کے بارے میں باؤ جی کو پتا لگ گیا تھا۔" وہ سانس لینے کے لیے رکا عیسی اس کی بات سے بے یقینی سے اسے دیکھنے لگا اسے ایسے راز سننے کی توقع نہیں تھی۔ "ماں جی مجھے باؤ جی کے خلاف بات کرنے کے لیے کہا میں ڈر گیا تھا باؤ جی نے مجھے اس لڑکی کو چھوڑنے کے لئے کہا میں

نے منع کر دیا وہ لڑکی میری ضرورت بن گئی تھی اور میں اس کی محبت۔

ایک دن باؤ جی نے مجھے تنگ آکر تھپڑ مار دیا اور مجھے حویلی سے جانے کے

لیے کہاں تو میں انا کے چکر میں اپنے باپ کو چھوڑ کر چلا گیا۔" عیسی کا دل

کر رہا تھا کہ وہ ابھی ریوان کو اس دریا میں بہا دے صرف دشا کے لیے وہ

خاموشی سے اسے سنتا رہا. "اس وقت دشاب نے مائی کی میں تھی اس لیے

میں نے اسے کچھ بتایا نہیں وہ کچھ دن اور وہیں رہی۔ میں کچھ دن اپنی پرانی

حویلی میں رہا اس لڑکی کے ساتھ میرا تعلق قائم تھا. ایک دن مجھے دشا کی

محبت نے احساس دلایا کہ میں غلط کر رہا ہوں تو میں اس لڑکی کے پاس گیا اور

اس سے اپنے سارے تعلقات ختم کر دیے" اس کی آنکھوں سے آنسوں

بہنے لگے۔" اس کے بعد کچھ دن ایسے ہی چلتا رہا. ایک دن میں عادت کے

چلتے ایک بار پھر اس گلی میں گیا. گلی کے کنارے پہنچ کر میں نے دیکھا کہ وہ

گھر آگ کے لپٹوں میں جل رہا ہے. میں نے اپنی آنکھوں کے سامنے اس گھر کے تمام لوگوں کو جلتے دیکھا۔ وہ لڑکی میرا نام لے کر چیخ رہی تھی چلا رہی تھی. "ریوان کے ہاتھ کانپ رہے تھے۔ "میں نے مارا ہے ان لوگ میں قاتل ہوں ان لوگوں کا" وہ خود سے اخذ کرتا ہوا بول رہا تھا. "آج میں نے اپنے بھائی اور ماں سے سنا کے ان دونوں نے مل کر میرے باؤ جی کو مار دیا" عیسی کے سر پر ایک بار پھر بادل گرجے. اسے بالکل یقین نہیں آیا. "مجھے نہیں پتہ کہ وہ آگ کس نے لگائی تھی مجھے بس اتنا پتہ ہے کہ وہ لوگ میری وجہ سے مارے گئے "ریوان نہیں بول رہا تھا بلکہ اس کا دل اور راز بول رہے تھے۔ وہ تھک ہار کر مرنے کی تمنا کر رہا تھا۔ "میں تھک گیا ہوں عیسی مجھ سے اب یہ درد برداشت نہیں ہوتا مجھے شوٹ کر دو" وہ عیسی کی طرف متوجہ ہو کر اس کا ہاتھ پکڑ کر منت کر رہا تھا. "وہ لڑکی اب بھی

مجھے ستا رہی ہے. وہ مجھے جان سے مار دے گی اس سے پہلے تم مجھے مار دو" وہ جنونیت میں بول رہا تھا. عیسی نے اپنا ہاتھ پیچھے لیا. "میں نے ہمیشہ سے تم سے سچ سننے کی خواہش کی تھی مگر مجھے پتہ نہیں تھا کہ تمہارا سچ اتنا گھنونا ہے. تم نے اپنی بیوی کو دھوکہ دیا ہے. میں نے طے کیا تھا کہ میں تمہیں جج نہیں کروں گا لیکن تمہارا یہ گھٹیا روپ دیکھ کر مجھے تم سے گھن آنے لگی ہے تم نے دو لڑکیوں کی زندگی تباہ و برباد کر دی" وہ اٹھ کھڑا ہوا۔ "میں تمہارے گناہ کو صحیح نہیں کہہ رہا ہوں لیکن تمہارے اس راز کو میں بے پردہ کر کر رہوں گا. تمہارے بھائی, ماں اور اس شخص کو جس نے اس گھر کو آگ گ لگائی تھی انہیں سزا دلوا کر رہوں گا" وہ خود ایسے عہد کرتا ہوا وہاں سے پلٹا کار تک پہنچ کر اس نے مڑ کر ریوان کو دیکھا جو اسے ہی دیکھ رہا تھا" تمہاری بیوی کو تمہارے دھوکے کے بارے میں پتہ نہیں ہے اسی لیے

تمہارے بارے میں پریشان ہو رہی ہے جتنا جلدی ہو سکے اسے اپنا سچ بتا دو"ایک آخری درخواست تھی ایک دوست کے ناطے وہ کار میں بیٹھ کر وہاں سے چلا گیا راستے میں اس نے ریم کو بھی ریوان کے لوٹنے کی خبر دے دی۔

کش اور عیسی دونوں ایک ساتھ مغرب کے بعد اس غوفہ کے پاس پہنچے ہاتھوں میں گن تانے وہ اندر کی طرف بڑھنے لگے اندر سے مختلف قسم کی آوازیں آرہی تھی۔مشالوں کی روشنی میں عیسی اور کش نے آگ کے پاس برہنہ حالت میں ڈیوڈ اور اس محمود کو دیکھا۔ محمود نے سب سے پہلے ان دونوں کو دیکھا اور چونک کر کھڑا ہو گیا۔اس کے کھڑے ہوتے ہی ڈیوڈ بھی کھڑا ہوا۔"اگر چلا کی کرنے کی غلطی کی تو جان سے جاؤ گے "کش بلند

آواز میں بولتا ہوا آگے بڑھا وہاں نا قابل برداشت بو کی وجہ سے ان دونوں کو الٹی کا احساس ہو رہا تھا۔ عیسی نے ماسک پہن لیا۔ عیسی نے چاروں طرف تلاشی لی تو وہاں ہڈیوں کے ڈھانچے خون کے دھبے اور بوتلوں میں پیشاب جمع کر رکھا تھا کالے جادو کی کتاب چھلاوہ اس شیطان کی مورت کے سامنے رکھی گئی تھی۔ اس آگ کے پاس عیسی کو دشا اور پرتاب رانا کی تصویریں ملی۔ عیسی کے اعصاب تن گئے اس نے بندوق محمود کے سر پر رکھی "کیا کیا ہے تم لوگوں نے دشا پر کیا کیا ہے"

"کچھ نہیں کیا ہے کوئی کچھ کر بھی نہیں پایا۔ چھوٹی بہو دیوی کا اوتار ہے اس پر اور اس کے آس پاس لوگوں پر جادو کا اثر نہیں ہوتا" محمود نے ایک سانس میں بک دیا۔

"اور پرتاب رانا" کش نے اسی سختی سے پوچھا۔

"ان پر شیطان کی بیٹی نے جادو کیا تھا مگر وہ کام نہیں کر پایا شاید وہ اس وقت چھوٹی بہو کے ساتھ تھے"

"شیطان کی بیٹی "عیسی اور کش نے ایک ساتھ کہا ڈیوڈ چپ چاپ کھڑا ان لوگوں کی گفتگو سن رہا تھا۔ من ہی منوہ شیطان کی بیٹی کو آواز دے رہا تھا۔

"ہاں اس کا اصل نام سنبل ہے خوشی کی بیٹی "کش نے عیسی کو دیکھا۔ اب سارے پزل ایک ہو رہے تھے۔ (یہ تو وہی ہے جو جس نے انوینٹری کے خلاف رپورٹ لکھوائی تھی) عیسی نے سوچا۔ "اس نے چھلاوہ لکھا ہے ؟" کش نے ڈیوڈ سے انگریزی میں پوچھا ڈیوڈ نے اثبات میں سر ہلایا۔ "ڈارک ویب پر کیوں پبلش کی "ڈیوڈ کانپنے لگا۔ کش کی بندوق پر گرفت مضبوط تھی۔ "ہا.... ہا.... چا..... چارلی نے "اس نے اٹکتے اٹکتے کہا۔

"چارلی ؟"

"یہ ہمارا لیڈر ہے "اس نے انگریزی میں کہا۔

"سالے تجھے انڈیا ہی ملا تھا اپنا بزنس کرنے کے لئے "کش نے اس کے سر پر زور سے مارتے ہوئے کہا۔

"چلو تھانے میں۔اب کرنا کالا جادو "عیسی دونوں کو ہتھکڑی پہنانے کے لیے آگے بڑھا اگلے ہی لمحے غوفہ میں ہسنے کی آوازیں آنے لگی۔"شیطان کی بیٹی "ڈیوڈ اور محمود پر جوش ہوئے۔"یہ کیا ہو رہا ہے "کش نے اپنی زمین کو حرکت کرتے دیکھا تو بے یقینی سے بولنے لگا۔زمین میں زلزلہ آرہا تھا۔مگر عیسی ساکت کھڑا رہا۔

"میں پناہ مانگتا ہوں شیطانی مردود سے "عیسی نے عربی میں بولنا شروع کیا اس نے خدا کا نام لینا شروع کیا۔اس ہنسی کو عیسی کی پڑھی جانے والی آیت الکرسی مدھم کرنے لگی ہنسی اب چیخ میں بدل گئی تھی مثال ہوا میں اِدھر

سے اُدھر اڑ رہے تھے۔ سنبل کی روح اس آگ سے باہر آئی۔ (کمرے میں سناٹا تھا، مگر دیواروں پر بکھری سسکیاں سب کچھ کہہ رہی تھیں۔

خوشی اپنی سات بیٹیوں کے درمیان بیٹھی تھی، انہیں اپنے بازوؤں میں بھرے ہوئے، جیسے وہ سب بکھر نہ جائیں۔

"ماں، کیا یہ سچ ہے؟" سب سے چھوٹی بیٹی، جو ابھی صرف تیرہ سال کی تھی، خوشی کے سینے سے لگی، کانپتی آواز میں بولی۔

خوشی نے اپنی نم آنکھیں بند کر لیں، "ہاں بیٹا، یہ سچ ہے..." اس کا دل جیسے کسی نے مٹھی میں لے لیا ہو۔ چالیس سالہ خوشی، جس نے ہمیشہ اپنی بیٹیوں

کو اپنے آنچل میں چھپا کر رکھا، آج ان کے سامنے خود کو کمزور محسوس کر رہی تھی۔

"ہم نے ہمیشہ بابا کو اچھا سمجھا... وہ کیسے؟" دوسری بیٹی کی آواز کانپ گئی۔

خوشی نے اپنی بیٹیوں کے سروں پر ہاتھ رکھا، "میں نے تم سب کو اس حقیقت سے بچانا چاہا، لیکن سچ ہمیشہ چھپایا نہیں جا سکتا..."

بیٹیوں کے آنسو اس کے کندھوں کو بھگو رہے تھے۔ یہ آنسو صرف درد کے نہیں تھے، یہ ٹوٹے اعتماد، بکھرے خواب اور گہرے زخموں کے آنسو تھے۔

خوشی نے انہیں اور قریب کر لیا، جیسے وہ انہیں اپنے وجود میں چھپا لینا چاہتی ہو، جیسے وہ ان کے دلوں کے زخموں کو اپنے آنچل میں جذب کرنا چاہتی ہو۔

"ہم ایک دوسرے کے لیے کافی ہیں، ہمیں کسی اور کی ضرورت نہیں..."

خوشی نے سرگوشی کی، اور اس لمحے میں، ان سات بیٹیوں نے اپنی ماں کے ساتھ وہ درد بانٹ لیا جو اب صرف اسی کا نہیں رہا تھا۔

خوشی اپنی سات بیٹیوں کو گلے لگا کر ان کے آنسو پونچھ رہی تھی، لیکن اچانک...

"ماں! آگ...! ہمارا گھر جل رہا ہے!" خوشی نے چونک کر اسے دیکھا، پھر جیسے ہی اس کی نظریں کھڑکی کی طرف گئیں، اس کا دل دہل گیا۔ کھڑکی کے باہر، لال شعلے آسمان کو چھو رہے تھے۔ آگ تیزی سے بڑھ رہی تھی، جیسے کسی نے جان بوجھ کر اس گھر کو جلا کر راکھ میں بدلنے کی کوشش کی ہو۔

بیٹیاں چیخنے لگیں، کمرے میں ہلچل مچ گئی۔ خوشی نے فوراً سب کو اپنے ساتھ لپٹا لیا، جیسے وہ اپنے وجود سے ان کی حفاظت کر سکے۔

"اب وقت آگیا ہے آزادی کا"

سب نے آگ کو دیکھا۔ آگ کے شعلے ابھی پوری طرح بجھے بھی نہیں تھے کہ لوگ سمبل کے گرد جمع ہونے لگے۔ ہر کوئی اسی سے امید لگائے بیٹھا تھا۔

"سمبل! تمہیں بلیک میجک آتا ہے، کچھ کرو!" ایک عورت چلائی۔

"ہمارا سب کچھ ختم ہو جائے گا، تمہارے پاس طاقت ہے، ہمیں بچاؤ!" کسی اور نے فریاد کی۔

مگر سمبل نے سختی سے آنکھیں بند کر لیں، جیسے وہ اس شور کو سننا ہی نہ چاہتی ہو۔

"نہیں!" اس نے دوٹوک لہجے میں کہا، "میں کچھ نہیں کروں گی۔"

سب حیرت سے اسے دیکھنے لگے۔

"کیوں؟ تمہارے پاس طاقت ہے، پھر بھی انکار کر رہی ہو؟" ایک بوڑھی عورت نے تلخی سے کہا۔

سمبل نے گہری سانس لی، نظریں جھکا کر بولی، "کیونکہ میں جانتی ہوں کہ اگر میں نے ایک بار یہ راستہ چُنا... تو یہ صرف شروعات ہو گی۔"

"یہ مدد نہیں ہو گی، یہ خون کی جنگ کا آغاز ہو گا۔"

یہ کہہ کر سمبل نے اپنی ماں خوشی اور بہنوں کی طرف دیکھا۔ وہ جانتی تھی کہ بلیک میجک کا استعمال انہیں ایک لمحے کے لیے بچا سکتا تھا، مگر اس کے بعد...ایک نہ ختم ہونے والا کھیل شروع ہو جاتا۔

ایک ایسی جنگ، جہاں جیتنے والا بھی ہار جاتا ہے۔

"نہیں دی ہماری موت ہی سب کی بربادی ہے" سنبل کی آنکھوں کا رنگ بدل گیا۔ رمشا ڈر کے مارے بے حوش ہو گئی۔ سنبل نے گھر کے بیچوں بیچ ایک دائرے میں ستارہ بنایا۔ آگ کی لپٹیں اب پہلے سے بھی زیادہ بھیانک ہو چکی تھیں۔ چیخ و پکار، خوف، اور موت کی سرگوشیاں ہر طرف گونج رہی تھیں۔ سب اپنی جان بچانے کے لیے ادھر اُدھر بھاگ رہے تھے، مگر سمبل خاموش کھڑی تھی... بالکل ساکت۔

پھر اچانک، جیسے کسی انجانی طاقت نے اسے اپنی گرفت میں لے لیا ہو، اس کی سانسیں بدلنے لگیں۔ اس کی آنکھیں آسمان کی طرف اٹھ گئیں، اور پلک جھپکتے ہی اس کی آنکھوں کی سیاہی سفید روشنی میں بدل گئی —— مگر وہ روشنی نہیں، اندھیرے کا سایہ تھا!

سمبل نے زیرِ لب کچھ پڑھنا شروع کیا،اس کے الفاظ کسی اور ہی زبان میں تھے،ایک ایسی زبان جو زمین پر کم،اور شیطانوں کی دنیا میں زیادہ سنی جاتی تھی۔

زمین تھرتھرانے لگی۔

ہوا میں سرگوشیاں گونجنے لگیں، جیسے کوئی نظر نہ آنے والی مخلوق اسے جواب دے رہی ہو۔

"یہ مت کرو، سمبل!" خوشی چیخ پڑی، مگر سمبل نے اس کی طرف دیکھا تک نہیں۔

اس کے ارد گرد ایک سیاہ دائرہ بننے لگا، جیسے کوئی پوشیدہ قوت اسے اپنی دنیا میں کھینچ رہی ہو۔ اس کی سفید آنکھیں اب خالی تھیں — محبت، خوف، یا احساسات سے بالکل عاری۔

"یہ سب ختم ہو جائے گا..." سمبل کی سرگوشی سنائی دی، مگر اس کے الفاظ میں کوئی انسانی جذبات نہیں تھے۔

اور تب... آسمان پر گرج سنائی دی۔

یہ شیطان کا استقبال تھا...یا کسی اور کی آزمائش؟

اس کے سامنے بیٹھ کر وہ کچھ منتر پڑھنے لگی۔روشنی سمیرا مدد کے لئے چلانے لگے مگران کو بچانے کوئی نہیں آیا سمیرا نے گھر کے دور دیوان کو دیکھا جس کے ہاتھ میں پٹرول کا ڈبا تھا۔"برباد ہو گا رانا پریوار۔ شوبیتا سنگھ۔ رگھوناتھ اور ہر وہ شخص جس نے ہمیں تکلیف دی ہے اے شیطان میں تیری بیٹی اپنے جسم کو تیرے حوالے کرتی ہوں میرے اندر بدلے کی آگ کو اس آگ پر حاوی کر دے"روشنی اور سمیرا رو کر اس سے رکنے کے لیے کہہ رہی تھی۔کھڑکی سے آگ کا شعلہ اندر بھڑک اٹھا۔سنبل کے

علاوہ سب لوگ رونے لگے۔ گھر کے جلتے شعلوں میں سب کی نظریں آگ پر تھیں، مگر سمیہ کی نظر ایک اور خطرے کو دیکھ چکی تھی۔

وہ شخص...

سیاہ لباس میں کھڑا ایک سایہ، ہاتھ میں پیٹرول کی بوتل، چہرہ آدھا دھواں اور اندھیرے میں چھپا ہوا۔

یہ آگ حادثہ نہیں تھی... یہ کسی نے لگائی تھی!

سمیہ کی آنکھیں خوف سے پھیل گئیں۔ "یہ کون ہے؟" اس کا دل زور زور سے دھڑکنے لگا۔

آدمی ساکت کھڑا تھا، جیسے وہ منظر کو دیکھ کر لطف اندوز ہو رہا ہو۔ پھر اس نے آہستہ سے بوتل زمین پر رکھی اور سمیہ کی طرف دیکھا۔

"ابھی تو شروعات ہے..." اس کی سرگوشی سمیہ کے کانوں میں زہر کی طرح اتری۔

سمیہ کی سانس رکنے لگی۔ کیا یہ شخص انہی کا کوئی اپنا تھا؟ یا دشمن؟

اور اگر یہ شروعات تھی... تو انجام کیا ہونے والا تھا؟ کمرے میں ہر طرف گیس پھیل چکی تھی۔ کھڑکیاں بند تھیں، دروازہ لاک تھا، اور وقت جیسے رک سا گیا تھا۔ رمشہ کی آنکھیں نیم بند تھیں، سانسیں بھاری ہو رہی تھیں۔

وہ لڑکی جو جینا چاہتی تھی... جو ایڈز کے خلاف لڑنا چاہتی تھی... آج خود زندگی سے ہار رہی تھی۔

"مجھے ابھی مرنا نہیں ہے..." وہ کمزور آواز میں بولی، مگر کوئی سننے والا نہیں تھا۔

اس نے کئی بار لوگوں کو سمجھانے کی کوشش کی تھی کہ ایڈز موت کی سزا نہیں، کہ یہ بیماری نہیں، ایک جنگ ہے جسے جیتا جا سکتا ہے۔ مگر دنیا نے اسے تنہا کر دیا تھا، لوگوں کے طعنے، نفرت اور بے حسی نے اسے اس کمرے میں قید کر دیا تھا۔

گیس مزید پھیل چکی تھی۔ رمشہ نے دروازے کی طرف ہاتھ بڑھایا، مگر اس میں ہلنے کی بھی ہمت نہیں تھی۔ اس کی آنکھوں کے سامنے اندھیرا چھانے لگا۔

"کاش کوئی میری بات سمجھتا..."

اور پھر... سب کچھ خاموش ہو گیا۔

رمشہ چلی گئی، مگر اس کا خواب وہیں چھوڑ گئی——ایک ایسی دنیا کا خواب، جہاں لوگ بیماری سے نہیں، لاعلمی اور نفرت سے لڑیں۔۔ آگ کی وجہ سے گیس پھٹ گیا ان سب کی موت ان کے آنکھوں کے سامنے تھی۔ مگر اس کے باوجود گھر کو کچھ نہیں ہوا۔ سب لوگ اپنی آخری سانس لیتے ہوئے اپنے گھر کو دیکھنے لگے ان کی یادیں بچپن لڑائی خوشیاں سب جل رہے تھے۔ "ہم آئیں گے واپس ہم آئیں گے" وہ دینا سے وعدہ کرتے ہوئے اپنی جان کھو بیٹھے. رات کی تاریکی میں ایک زوردار دھماکہ ہوا۔ لمحے

بھر میں سب کچھ راکھ میں بدل گیا—دیواریں گر گئیں، شعلے آسمان کو چھونے لگے، اور ہر طرف موت کی خاموشی چھا گئی۔

سب مر چکے تھے۔

مگر سمبل... وہ آخری تھی۔

زمین پر گرتے ہوئے، اس کا جسم زخمی تھا، سانسیں مدھم ہو رہی تھیں، مگر اس کی آنکھیں... وہی سفید، بے جان آنکھیں... اب بھی کسی ان دیکھے راز سے بھری ہوئی تھیں۔

اس کے لب ہلے، آواز اتنی مدھم تھی کہ شاید زمین نے بھی کان لگا کر سنی ہو۔

"میں... واپس آؤں گی..."

اور پھر... اندھیرا چھا گیا۔

لیکن کیا موت واقعی اختتام تھی؟ یا سمبل کی واپسی کسی اور بھیانک کہانی کا آغاز بننے والی تھی؟۔) عیسی نہیں رکا۔ وہ بار بار آیت الکرسی پڑھنے لگا۔

غوفہ کی دیواریں سنبل کی چیخ سے گرنے لگے۔اس غوفہ کی مٹی اس کتاب پر گرنے لگی۔ڈارک ویب پر وہ کتاب غائب ہونے لگی۔ سنبل کے اشارے پر مشالیں عیسی اور کش پر آنے لگی۔ "کچھ کر" کش نے بلند آواز میں کہا۔ عیسی نے برق رفتاری سے ڈیوڈ اور محمود کو ان مشالوں کے سامنے کیا اور کش کو لے کر وہاں سے بھاگا۔ وہ دونوں باہر آئے تو ساری غوفہ زمین برابر ہونے لگی ڈیوڈ کے ساتھ چاری ایلیگزینڈر بھی اپنی جگہ مر گئے۔ اس غوفہ سے کالا دھواں نکلنے لگا۔ "الحمد اللہ "عیسی نے کش کو دیکھ کر زیر لب کہا۔ "کیا تھا یہ "کش نے زمین بوس ہوئی غوفہ کو دیکھ کر کہا۔ "بھائی یہ کوئی فلم تو نہیں چل رہی ہے اور تو ہیرو ہے اس موی کا" کش عیسی کے کاندھے پر ہاتھ رکھ شرارتی انداز میں بولا۔ "بہت برا ہونے سے بچ گیا۔ شیطان کی تعریف میں پوری کتاب لکھ رہی مگر ایک آیت الکرسی نے اسے

تباہ و برباد کر دیا" عیسی لمبی لمبی سانسیں لیتا بول رہا تھا۔ وہ دونوں وہاں سے چلے گئے۔ شیطان کے مقبرے بھلے ہی سونے سے بنائے گئے ہوں خدا کی ایک پھونک سے اجڑ جاتے ہیں برائی کو ہمیشہ سے تباہی ہی نصیب ہوتی ہے۔

اک رات جو ہے سب پر بھاری

سو نہ سکے کا گناہ کا پجاری

صبح اپنے ساتھ نئے رنگ لائے گی

بہت سے چہروں سے پردہ ہٹائے گی

حقیقت دیکھ کر بدل جائیں گے جذبات

باقی رہیں گے تو بس ادھوری خواہشات...

دیوان اپنے کمرے میں کھڑکی کے پاس کھڑا اپنے گناہوں کو اپنی چالاکی سمجھ کر مسکرا رہا تھا اس کے پیچھے لیٹی ریشمی امیروں سے اسے دیکھ رہی تھی وہ چاہتی تھی کہ دیوان اس سے محبت کرے مگر جو جسموں کے سوداگر ہوتے ہیں انہیں محبت جیسا احساس سمجھ نہیں آتا۔

رات کے سناٹے میں ہر چیز تھم سی گئی تھی، مگر راوی کے اندر ایک طوفان برپا تھا۔ وہ کروٹیں بدل رہا تھا، نیند اس کی آنکھوں سے کوسوں دور تھی۔

اسے اپنے باپ کا دھوکہ یاد آ رہا تھا...

ریوان——وہ شخص جسے سب ایک ایماندار اور مضبوط انسان سمجھتے تھے، مگر راوی کے لیے وہ صرف ایک دھوکے باز تھا۔

اپنے کمرے میں سوئی کستوری دیوی اپنے زیورات دیکھ کر مگن ہو رہی تھی۔اس نے پرتاب رانا کی تصویر پر نظر ڈالی پھر مسکرانے لگی۔"رانا صاحب جھوٹ کہتے تھے آپ کہ برائی ہارتی ہے اصل زندگی میں برائی کی ہی جیت ہوتی ہے"اس کی بے وقوفی پر کائنات ہنس رہی تھی۔

ریم نے دشا کے کہنے پر ایک بار پھر اپنی امیدوں کی مالا بنانا شروع کر دی تھی۔ سفید اون کی ٹوپی جو مکمل ہونے والی تھی۔اس بار اس نے یہ ٹوپی کشن کے لیے بنائی تھی۔ویڈیو کال پر کئی بار اسے دیکھ کر وہ اسے اپنا ماننے لگی تھی۔اس کی ممتا ایک بار پھر جوش کھا رہی تھی۔

کش صوفے پر سویا صبح سے ہوئی والی واردات کو یاد کر رہا تھا سب عجیب تھا اچانک تھا۔ مگر اسے یقین تھا عیسی کے پاس حل ہو گا اور اسکا یقین ہمیشہ جیت جاتا تھا۔

عیسی مسجد میں بیٹھے خاموشی کا شور مچا رہا تھا مسجد میں پھیلی خاموشی میں صرف اس کی سانسوں کی آواز آ رہی تھی۔اس کے اعطراف صرف تنہائی

تھی سب پزل حل ہو گئے تھے بس درمیانی حصہ غائب تھا۔ اسے ان شیطانی طاقتوں سے کبھی خوف آیا ہی نہیں۔ اسے انسانی سازشوں سے حیرانی ہو رہی تھی دولت کی خاطر بیٹے اور بیوی نے ایک عزت دار آدمی کو مار دیا۔ ایک نے وقت گذاری کے لیے اپنی بیوی کو دھوکہ دیا اور دوسروں کی بیٹی کو استعمال کیا اپنے بچوں کو کبھی نہ ختم ہونے والا ڈراما دیا۔

رات گہری ہو چکی تھی۔ آسمان پر چمکتے ستارے جیسے سوال کر رہے تھے، "اب آگے کیا ہو گا؟" ہر چیز خاموش تھی، مگر درشا کا دل شور مچا رہا تھا۔

وہ اپنے بستر پر بیٹھی، کھڑکی سے باہر دیکھ رہی تھی۔ ہوا میں ہلکی ٹھنڈک تھی، مگر اندر کہیں ایک بے چینی کی آگ جل رہی تھی۔

ریوان...

دشااپنے بیڈپر لیٹی بار بار کروٹ بدل رہی تھی ریوان اب تک نہیں آیا تھا حالانکہ ریم نے اسے فکر نہ کرنے کے لیے کہا تھا مگر مجبور تھی۔اس کا خوبصورت بے عیب چہرہ مرجھا گیا تھا۔اس کی آنکھیں تھک گئی تھی۔

ریوان اپنی پرانی حویلی میں پرتاب رانا کی تصویر کے نیچے بیٹھا بڑے غور سے خود کا عکس دیکھ رہا تھا جو اس تصویر میں نظر آرہا تھا۔اسے لوگ انہی کا عکس کہا کرتے تھے مگر وہ تو ان کے پیروں کی دھول بھی نہیں تھا۔("ریوان تو میرا غرور ہے مجھے یقین ہے کہ ہر برائی سے لڑلے گا") وہ ہنسا۔ ہستا چلا گیا۔"باؤجی برائی سے لڑوں گا میں تو بہت برا انسان بن گیا باؤجی" وہ ہسنے

کے دوران بولا۔اس کی آنکھوں میں آنسوں تھے ندامت کے, خوف کے, نتیجے کے.....اس نے جو بیج بویا اب فصل کاٹنے کا وقت آچکا تھا بس رات باقی تھی۔ بات اب بھی وہیں تھی جہاں سالوں پہلے تھی۔رات کے اندھیرے میں کئے گئے گناہوں کا حساب دن کے اجالے میں دینا پڑتا ہے۔

دوسرا دن:-

صبح کا پہلا پہر تھا۔ سورج ابھی پوری طرح نمودار نہیں ہوا تھا، مگر اس کی سنہری کرنیں آسمان پر پھیلنے لگی تھیں۔ ہلکی ہلکی ٹھنڈی ہوا درختوں کی شاخوں کو جھلا رہی تھی، اور مندروں کے گھنگرو اور گھنٹیوں کی آوازیں فضا میں گونج رہی تھیں۔

گھر کے آنگن میں ایک چھوٹا سا مندر بنا ہوا تھا، جہاں دیوی دیوتاؤں کی مورتیاں سجی ہوئی تھیں۔ دھوپ اور اگربتیوں کی خوشبو ہوا میں رچی بسی تھی۔ ایک خاتون، زعفرانی رنگ کی ساڑھی میں ملبوس، ہاتھ میں پیتل کی تھالی لیے کھڑی تھی۔ اس تھالی میں سندور، چاول، پھول، دیپک اور پرساد رکھا تھا۔

وہ سب سے پہلے دیے میں گھی ڈال کر اسے روشن کرتی، پھر اگربتی جلاتی۔ مندر کے اندر بھجن کی دھیمی آواز گونج رہی تھی۔ اس کے بعد وہ گھنٹی بجاتی اور آنکھیں بند کر کے عقیدت سے دیوی دیوتاؤں کا دھیان کرتی۔ اس کے لبوں پر منتر تھے، اور ماتھے پر چمکتی ہوئی تلک کی لالی۔

دوسری طرف، گنگا جل سے چھڑکاؤ کیا جا رہا تھا، آرتی کے دوران عقیدت مند ہاتھ جوڑے کھڑے تھے، اور پرساد بانٹا جا رہا تھا۔ کچھ گھروں کے باہر دروازے پر تورن اور آم کے پتے بندھے تھے، اور زمین پر خوبصورت رنگولیاں بنی ہوئی تھیں۔

یہ ایک عام ہندو گھرانے کی صبح کی پوجا کا منظر تھا—روحانی سکون اور عقیدت سے بھرا ہوا، جہاں ہر چیز ایک خوبصورت ہم آہنگی میں تھی۔

سورج کی روشنی ان سب پر پڑ کر جگا رہی تھی۔ نیا دن پرانے قصے۔ عیسی اور کش چائے پی کر ریوان کو ڈھونڈنے چلے گئے کل کے اقرار کے بعد اس کا

محفوظ رہنا بہت ضروری تھا۔ دشا پوجا کے بعد ناشتا بنانے میں مصروف ہو گئی۔ ریم نے ناشتہ کر کے دشا کا کال کی۔

"کیسی ہیں آپ" ریم نے سادہ لہجے میں پوچھا۔

"میں ٹھیک ہوں آپ" دشا کا لہجہ تھکا ہوا تھا۔

"الحمد للہ بھائی نہیں آئے ابھی تک"

"نہیں"

"آپ پریشان مت ہونا عیسی نے کہا ہے وہ ان کے ساتھ ہیں" وہ اس کو تسلی دے رہی تھی۔

"ریم! کیا ہم مل سکتے ہیں" ریم فوراً پر جوش ہوئی۔

"ہاں بالکل" اس نے جگہ اور وقت پوچھ کر کال کاٹ دی۔

ریم تو ہواؤں میں اڑنے لگی تھی وہ جلدی جلدی تیار ہونے لگی۔

صبح کا ہلکا سا اجالا حویلی کی دیواروں پر رینگ رہا تھا، مگر اس روشنی میں بھی ایک عجیب سی خاموشی تھی —— ایسی خاموشی جو چیخوں کو نگل جاتی ہے، جو رازوں کو چھپا لیتی ہے۔ صدیوں پرانی یہ حویلی وقت کے تھپیڑوں سے چیخ چکی تھی، مگر اس کی دیواریں آج بھی وہ سب سنتی تھیں جو کہنے والے خود سننا نہ چاہتے تھے۔

دالان میں پڑی موٹی لکڑی کی کرسی پر کوئی موجود نہ تھا، مگر اس کے ہلنے کی آواز ہوا میں تحلیل ہو رہی تھی۔ دیواروں میں دبی پرانی سرگوشیاں جیسے ایک نئی سازش کی گواہ بن رہی تھیں۔ روشندان سے آتی روشنی میں ہوا

کے ساتھ ایک سایہ لہرا رہا تھا—یہ وہی سایہ تھا جو ہر چکرِ وقت کے ساتھ ایک نیا فسانہ جنم دیتا تھا۔

کونے میں رکھی پیتل کی لالٹین کا شیشہ ہلکے سے کھڑکا، جیسے کسی نے آہستہ سے ہاتھ لگایا ہو۔ فرش پر بکھری دھول میں تازہ قدموں کے نشان نمودار ہو رہے تھے، مگر حویلی کے دروازے تو رات بھر بند تھے۔ کہیں کوئی موجود تھا، یا شاید کچھ چھپا ہوا تھا—وہی پرانی کہانی، وہی پرانی سازش، جو دیواروں میں سرگوشیوں کی صورت میں اب بھی زندہ تھی۔

پرانی حویلی کے سامنے دو کار کھڑی ہوئی تھی۔ دونوں کار سے افراد اترے۔ کستوری دیوی کے ساتھ دیوان کار سے اترا اور اپنے گلاسیس نکالے۔

دوسری کار سے کیشو نکلا۔ تینوں ایک ساتھ پرانی حویلی میں داخل ہوئے۔ تینوں کے قہقہوں کی آوازیں پوری حویلی میں گونج رہی تھی۔ اعطراف کے گھلونے سیج دیواریں سننی والی تھی۔ پرتاب رانا کے تخت پر کستوری دیوی بیٹھی اور اس کے سامنے صوفے پر کیشو اور دیوان بیٹھ گئے۔ "اس تخت کو حاصل کرنے کے لیے میں نے کیا کیا نہیں کیا" کستوری دیوی تخت پر ہاتھ پھیرتی ہوئی جنونیت سے بول رہی تھی۔

"اب دیوان کو بھی راستے سے ہٹانا پڑے گا" کیشو کی بات پر دونوں اس کی طرف متوجہ ہوئے۔ "ریوان صاحب پرتاب رانا کی طرح ہے۔" کیشو عام لہجے میں بول رہا تھا۔ "اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے وہ پہلے ہی گلٹ میں ہے کہ اس نے روشنی کے پریوار کو مارا ہے وہ ایسے ہی ہمارے راستے سے ہٹ جائے گا" دیوان نے سنجیدگی سے کہا۔ "جبکہ مارنے والے کو کوئی

پچتاوا ہی نہیں کیوں CA صاحب" دیوان نے کیشو کو دیکھ کر کہا اور تینوں ہسنے لگے۔(سمیہ نے جس شخص کو دیکھا تھا وہ کیشو تھا دیوان اور کستوری دیوی نے اسے اپنا وفادار بنانے کے لیے اسے کمپنی 20% شیئر دئے تھے۔20% شیئر کے لیے اس نے پرتاب رانا اور ریوان رانا سے گداری کی تھی۔ خراب انونٹری کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا آگ لگانے کا آئیڈیا بھی اسی کا تھا اور جس نے کستوری دیوی کے کہنے پر ریوان کی دوکان جلا دی تھی وہ بھی کیشو تھا۔جب سب کی نظریں دوسروں پر تھیں، جب ہر کوئی کسی اور کو قصوروار سمجھ رہا تھا، تب اصلی چالاک شکاری پردے کے پیچھے چھپا بیٹھا تھا—— کیشَو!

رانا فیملی کا قابلِ اعتماد چارٹرڈ اکاؤنٹنٹ، جو برسوں سے رانا پرتاب کا سب سے وفادار شخص سمجھا جاتا تھا، دراصل سب سے بڑا دھوکے باز نکلا۔

کیشَو... وہ شخص جسے رانا پرتاب نے اپنے کاروبار، اپنی جائیداد، اپنی دولت کا محافظ بنایا تھا، وہی اصل مجرم تھا۔ وہ خاموشی سے کھیل کھیل رہا تھا، ہر چال سوچ سمجھ کر چل رہا تھا، اور سب کو اپنی ایمانداری کا یقین دلا کر لوٹ رہا تھا۔)

حویلی کے پرانے کمرے میں راجہ رانا پرتاپ کی قدیم تصویر دیوار پر ٹنگی ہوئی تھی۔ چراغ کی مدھم روشنی میں اس کی آنکھیں یوں محسوس ہو رہی تھیں جیسے وہ ہر چیز کا مشاہدہ کر رہی ہوں، جیسے وہ حویلی میں ہونے والی ہر سرگرمی کے گواہ ہوں۔

نیچے زمین پر سویا ہوا ریوان ہلکے سے کروٹ بدل کر جاگ گیا۔ شاید کسی خواب نے یا پھر رات کی خاموش سرگوشیوں نے اسے نیند سے بیدار کر دیا تھا۔ وہ اٹھا، آنکھیں ملیں، اور کچھ دیر تصویر کو گھورتا رہا—— جیسے اس میں چھپے کسی راز کو سمجھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

پھر وہ آہستہ سے قدم بڑھاتا ہوا باہر ہال میں آ گیا۔ ٹھنڈی ہوا کا ہلکا سا جھونکا اس کے چہرے سے ٹکرایا، اور وہ بے اختیار ستون کے ساتھ جا لگا۔ حویلی کی لمبی راہداری میں ایک پرانا فانوس آہستہ آہستہ جھول رہا تھا، جیسے وقت اپنی کہانی دہرا رہا ہو۔ دیواروں پر لگی قدیم تلواریں اور زرہ بکتر اس خاموشی میں بھی ایک گونج پیدا کر رہی تھیں۔

ریوان کی آنکھوں میں نیند کی جگہ اب ایک سوال تھا— کیا یہ سب حقیقت تھی یا پھر صرف وقت کا ایک سراب؟

ان کے قہقہوں سے جاگا ریوان ستون سے لگ کر ان لوگوں کی بات سن رہا تھا۔ اس کے خون میں ابال آیا وہ اپنے حواسوں پر مزید قابو نہیں پایا۔ وہ پوری رفتار سے ہال میں آیا اور کیشو کا گریباں دبوچ کر اسے کھڑا کیا۔ اس کے اتے ہی کستوری دیوی اور دیوان کے چہرے کا رنگ فق ہو گیا۔ بنا وقت گوائیں ریوان نے اس گدار کو مارنا شروع کر دیا. دیوان نے اور کستوری دیوی نے اسے روکنے کی بہت کوشش کی لیکن وہ پوری نفرت سے اسے مار رہا تھا. "تیری ہمت کیسی ہوئی ان لوگوں کو مارنے کی. تیری ہمت

کیسے ہوئی میرے باو جی اور مجھے دھوکہ دینے کی "وہ اتنی شدت سے مار رہا تھا کہ کیشو کے ناک سے خون بہنے لگا. "وہ لڑکی..... تیری ہمت کیسے ہوئی "اپنے اندر جتنی بھڑاس تھی وہ سب کیشو پر نکال رہا تھا. اس بات سے بے خبر تھے اس کا راز عیاں ہو چکا ہے۔ دروازے پر کھڑے دشا، ریم، عیسی اور کش اسے دیکھ رہے ہیں۔ دشا بے یقینی سے ریوان کا یہ روپ دیکھ رہی تھی۔

دیشا دروازے پر ساکت کھڑی تھی، اس کی سانسیں بے ترتیب ہو رہی تھیں، اور آنکھیں حیرت اور صدمے سے پھیلی ہوئی تھیں۔ سامنے کا منظر اس کے یقین کو توڑ رہا تھا، وہ یقین جس پر اس نے اپنی پوری زندگی گزارنے کا خواب دیکھا تھا۔

دیشا کی آنکھوں کے سامنے ساری یادیں گھومنے لگیں——پہلی ملاقات، محبت کے دعوے، وہ وعدے جواب بکھرتے جا رہے تھے۔ دل میں ایک شدید ٹھیس اٹھی، جیسے کسی نے اس کے وجود کو چیر کر رکھ دیا ہو۔

دیشا کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے۔ یہ آنسو غصے کے نہیں، بے بسی کے تھے۔ وہ ایک قدم پیچھے ہٹی، اس احساس کے ساتھ کہ جو کچھ وہ سمجھتی تھی، وہ سب ایک دھوکہ تھا۔ آج اس کے شوہر کی سچائی اس کے سامنے تھی——اور یہ سچائی اس کی محبت سے کہیں زیادہ تلخ تھی۔

دشا اور ریم ایک مندر کے پاس ملے تھے جہاں عیسی اور کش بھی آئے تھے ۔"عیسی بھائی مجھے ریوان کے پاس لے چلیں مجھے بہت فکر ہو رہی ہے" وہ

بہت بے چینی سے بول رہی تھی جبکہ عیسی اسے دیکھ کر صرف ترس کھا رہا تھا. جتنی محبت دشا اس سے کرتی تھی اتنی محبت ریوان ڈزرو نہیں کرتا. "ریوان صاحب کی لوکیشن آپ کی کسی چھوٹی حویلی کے پاس ہے" کش نے فون پر نظر رکھتے ہوئے بڑی آسانی سے کہا۔ دشا مزید بے چین ہو کر ریم سے چلنے کے لیے ضد کرنے لگی۔ اس کے ضد کے آگے عیسی کو اس کی بات ماننی پڑی اور ان دونوں کو لے کر چھوٹی حویلی کی طرف روانہ ہونا تھا۔ جب وہ چھوٹی حویلی پر پہنچے تو وہاں پہلے سے ہی دو کار کھڑی ہوئی تھی۔ ایک کار کو دیکھ کر دشا بولی یہ کار کستوری دیوی کی ہے۔ وہ چاروں بڑے بڑے قدم دیتے ہوئے حویلی کے اندر داخل۔ لیکن اندر کی حالت دیکھ کر ان چاروں کے قدم رک گئے۔

"وہ لڑکی مجھ سے پیار کرتی تھی......" ریوان بلند آواز میں چیخ کر بول رہا تھا.

اور دشا کے حلق سے کوئی زبان نکال رہا. اتنے سالوں کی محبت یقین سب

ہوا میں تحلیل ہو رہا تھا. دیوان نے بہت جد وجہد کے بعد کیشو کو بچا لیا

ریوان زمین پر بیٹھا پھوٹ پھوٹ کر رونے لگا۔ "کیوں مارا اسے

کیوں..... "وہ سوال تھا دشا کے ہر سوال کا جواب تھا جو وہ اس سے کیا کرتی

تھی ان چاروں کے اندر آتے ہی حویلی کے دروازے بند ہو گئے۔ کش اور

عیسی باری باری ایک دوسرے کو دیکھا۔ "یہاں پہنچ گئی شیطان کی بیٹی"

کش سر گوشی کرتا ہوا بولا عیسی نے ریم کو اور کش کو اپنے قریب کر لیا دشا

کے قدموں کی آہٹ کو سن کر ریوان نے روتے ہوئے گردن اٹھائے۔ وہ

اس کی آنکھوں میں بہت آسانی سے بے یقینی دیکھ پا رہا تھا۔ وہ خود کو سنبھالتا

ہوا کھڑا ہوا اور اس کے مقابل آ کر کھڑا ہو گیا۔ اس سے پہلے وہ کوئی بہانہ بناتا

یا کوئی صفائی دیتا اس اندھیرے میں روشنی اور ریوان کے بتائے گئے لمحات ظاہر ہونے لگے۔

حویلی کے ویران دالان میں موت کا تانڈو شروع ہو چکا تھا۔ دن میں تاریکی گہری ہوتی جا رہی تھی، اور ہر کونے میں خوف رینگنے لگا تھا۔ دیواروں پر جلتے مدھم چراغ لرزنے لگے، جیسے کسی نادیدہ قوت کے سامنے جھک رہے ہوں۔ کھڑکیوں کے پردے بے وجہ ہلنے لگے، اور ہوا میں ایک عجیب سی سرسراہٹ گونجنے لگی، جیسے کوئی پرانا راز سانس لے رہا ہو۔

وہ سایہ، جو ہمیشہ اندھیروں میں چھپا رہتا تھا، اب اپنی موجودگی کا اعلان کر چکا تھا۔ اس کی ہنسی گونجی، ایک سرد، بے رحم قہقہہ، جو ہر جھوٹ، ہر دھوکے سے پردہ اٹھانے والا تھا۔ حویلی کے باسی جو برسوں سے سچائی سے

نظریں چراتے رہے، آج ان کے چہرے پر خوف کی پرچھائیاں ناچنے لگیں۔

فرش پر گرتے قدموں کی آہٹ جیسے کسی ان دیکھے بوجھ کا پتہ دے رہی تھی۔ دروازے خود بخود چرچرانے لگے، جیسے کسی نے انہیں بے دردی سے دھکیل دیا ہو۔ پرانی دیواروں پر پڑے خاندانی پورٹریٹس کی آنکھیں جیسے زندہ ہو کر اس منظر کی گواہ بن چکی تھیں۔

اور پھر... ایک زوردار چیخ سنائی دی۔

یہ چیخ کسی ایک کی نہ تھی، یہ ان تمام چہروں کی تھی جن کے راز آج بے نقاب ہونے والے تھے۔ حویلی کی دہلیز پر اندھیرا مزید گہرا ہو چکا تھا، اور موت کی چاپ اب کسی کو بخشنے کے موڈ میں نہیں تھی۔

یہ نظارے نہ کسی ٹی وی یا کیمرے نہیں کیے تھے بلکہ وہ کسی آنکھوں میں قید نظارے تھے جو اس وقت ہوا میں تحلیل ہو کر سب کو نظر آ رہے تھے۔ دشا نے خود کو مرتا ہوا محسوس کیا۔ اس کے سامنے اس کی محبت ہار رہی تھی۔ اس کے وہ روزے ہار رہے تھے جو وہ ریوان کے لیے رکھا کرتی تھی۔ وہ سندور جو اس کے لیے لگایا کرتی تھی وہ سب ناپاک ہو چکے تھے۔ ریم اس نظارے کو دیکھ کر عیسی سے لپٹ کر رونے لگی۔ "کنور سا ۔۔۔۔۔۔" حویلی میں روشنی کے ہنسنے کی آواز گونجی ۔۔۔۔۔ "کہا تھا نا

میں مر کر بھی آپ کا ساتھ نہیں چھوڑوں گی" یہ دشا کی محبت پر تماچہ تھا.

وہ ایک دم سے بے جان ہو کر گھٹنوں کے بل زمین پر بیٹھ گئی. ریوان اس کے برابر بیٹھا اس سے بات کرنے کی کوشش کرنے لگا مگر وہ مسلسل اس نظارے کو دیکھ رہی تھی. "کیا کمی رہ گئی تھی؟" حویلی میں ایک بار پھر سورج کی روشنی آئی مگر دشا کی زندگی میں ہر طرف اندھیرا تھا. اس نے وہی سوال کیا جو ہر ہندوستانی عورت کرتی ہے کہ اس میں کیا کمی رہ گئی ہے. کستوری دیوی اور دیوان دور کھڑے خوفزدہ ہو کر ان لوگوں کی باتیں سن رہے تھے۔ راز تو ان کے بھی افشاں ہو چکے تھے۔ "کیوں کیا میرے ساتھ ایسا" یہ وہ سوال تھے جن سے ریوان خواب میں بھی ڈر جاتا تھا. "کیوں....... "ایک دم سے وہ اتنی زور سے چلائی کہ حویلی کی کھڑکیاں تک کانپنے لگی ان کے کانچ ٹوٹ کر بکھر گئے. ریوان ایک بار پھر

رونے لگا۔"میں نے..... آپ کے لیے سب چھوڑا...."وہ نہیں بول پا رہی تھی اس کے اندر بولنے کی سکت باقی نہیں تھی."میں نے اپنا سپنا چھوڑا. رام پور کی سب سے ہوشیار لڑکی ہونے کے باوجود میں نے آپ کے خاندان کی عزت رکھنے کے لیے نوکری نہیں کی. میں آج اپنے شہر کی سب سے بڑی وکیل ہوتی اگر آپ میری زندگی میں نہ ہوتے مجھے میری محبت کا یہ صلہ دیا آپ نے"وہ اپنے آنسو پونچھتے ہوئے گہری سانس لینے لگی."دنیا تو کہتی ہے کہ میں بہت خوبصورت ہوں پھر مجھے دھوکہ کیوں ملا. میرا حسن آپ کے لیے کم کیوں پڑ گیا"ریم مزید اپنے دوست کو ایسے نہیں دیکھ سکتی تھی اسی لیے وہ عیسی سے الگ ہو کر اس کے پیچھے آکر بیٹھ گئی. دشا اس کے سینے سے لگ کر کسی اناتھ بچے کی مانند رونے لگی."کیوں میرے ساتھ یہ کیوں ہوا ہے ریم۔۔۔۔۔۔۔"ریم کے پاس اس کے کسی سوال کا جواب

نہیں تھا دشا نے نفرت سے ریوان کو دیکھا۔ وہ ہاتھ جوڑ کر اس سے معافی مانگ رہا تھا مگر دشا سننے کو تیار نہیں تھی۔

یکدم حویلی کی چھت پر سائے لرزنے لگے، جیسے اندھیرا کسی خوفناک طوفان کی طرح سمٹ رہا ہو۔ اور پھر... ایک زوردار جھٹکے کے ساتھ سات سائے نیچے اترے۔ وہ زمین پر ایسے اترے جیسے کسی اور ہی دنیا سے آئے ہوں — بے آواز، مگر ان کی موجودگی نے فضا میں لرزش پیدا کر دی۔

یہ عام سائے نہ تھے۔ ان کے وجود سے ایک سیاہ دھواں اٹھ رہا تھا، اور آنکھوں کی جگہ دو سرخ انگارے دہک رہے تھے۔ وہ حرکت کر رہے تھے، مگر ان کے قدم زمین کو نہیں چھو رہے تھے۔ جیسے ہی وہ آگے بڑھے،

حویلی کی دیواروں پر پڑے پرانے آئینے خود بخود چٹخنے لگے، فانوس لرزنے لگا، اور کمرے میں رکھے چراغوں کی لو کانپنے لگی۔

ان میں سے ایک سایہ حویلی کے بیچوں بیچ آکر ٹھہر گیا۔ اس کے اٹھے ہوئے ہاتھ کی انگلیاں لمبی اور مڑی ہوئی تھیں، جیسے کسی منحوس دُعا کے لیے بلند کی گئی ہوں۔ باقی چھ سائے اس کے گرد دائرے میں کھڑے ہو گئے، جیسے کوئی شیطانی رسم پوری ہونے والی ہو۔

ہوا میں سرگوشیاں گونجنے لگیں، کوئی بھولی بسری زبان، کوئی صدیوں پرانی بددعا، جو آج حقیقت کا روپ لینے والی تھی۔

حویلی کے ویران دالان میں اب صرف خوف کی حکمرانی تھی۔ وہ ساتوں سائے آگ کے شعلوں کی مانند لرز رہے تھے، جیسے کسی صدیوں پرانے انتقام کی تپش میں جل رہے ہوں۔ اچانک، ان میں سے ایک سایہ زور سے چیخا—ایک ایسی بھیانک آواز جس نے دیواروں میں دراڑیں ڈال دیں، فانوس زمین پر آ گرا، اور کھڑکیوں کے شیشے خود بخود چٹخنے لگے۔

پھر، جیسے ہی وہ سایہ ہاتھ بلند کرتا ہے، کستوری دیوی، دیوان اور کیشو ایک جھٹکے سے زمین سے بلند ہو گئے۔ ان کے چہرے خوف سے سفید ہو چکے تھے، ہاتھ پیر ہوا میں جھول رہے تھے، مگر کوئی بھی ہلنے کے قابل نہ تھا۔ ان پر جیسے کوئی نظر نہ آنے والی زنجیر جکڑ چکی تھی۔

"آنکھوں میں التجا تھی، مگر زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔

دیوان نے چیخنے کی کوشش کی، مگر اس کی آواز حلق میں دب گئی۔ کیشو کی آنکھوں میں بے بسی تیرنے لگی، جیسے اسے اپنی موت سامنے دکھائی دے رہی ہو۔

"پھر ایک ساتھ ساتوں سائے آسمان کی طرف دیکھ کر بلند آواز میں کوئی پراسرار منتر پڑھنے لگے۔ جیسے ہی ان کے الفاظ ہوا میں تحلیل ہوئے، کستوری دیوی، دیوان اور کیشو کی چیخیں پوری حویلی میں گونجنے لگیں۔ وہ

تینوں ہوا میں تیزی سے گھومنے لگے، ان کے جسموں سے روشنی نکلنے لگی، جیسے کوئی ان کی روح کھینچ رہا ہو۔

عیسی انہیں بچانے کے لیے آگے بڑھا مگر کش نے روک لیا۔

"کرنے دے ان کو اپنا کام تو کیوں تھک رہا ہے" اس نے عیسی کو زبر ستی روک لیا۔ ریم نے ان سایوں کو دیکھ کر آیت الکرسی پڑھنا شروع کیا اور دشا پر بھی پھونک مارنے لگی۔ وہ تینوں کو ہوا میں آگ لگا کر تڑپا تڑپا کر مارا جانے لگا۔ ریوان نے ایک نظر بھی انہیں نہیں دیکھا۔ ریم نے اپنی آنکھیں بند کر لی۔ پرانی حویلی چیخ و پکار سے گونج اٹھی تھی کش نے ثبوت کے طور پر وہ سب اپنے کیمرے میں ریکارڈ کر لیا۔ ان تینوں کے جسموں کے ہر بال سے جان نکالی گئی۔ وہ راکھ بن کر زمین پر گرے۔ سایہ آہستہ آہستہ وہاں سے غائب ہونے لگے۔ ایک سایہ نیچے اترا۔

حویلی کی لرزتی دیواروں کے بیچ، جہاں سائے انتقام کی آگ میں دہک رہے تھے، اچانک ایک تیز روشنی پھیلنے لگی۔ یہ روشنی ایسی تھی جو نہ اندھیرے میں گم ہو رہی تھی، نہ ہی آگ کی لپیٹ میں آ رہی تھی۔ جیسے جیسے یہ روشنی پھیلی، سایوں کی سرگوشیاں مدھم پڑنے لگیں، حویلی کی دراڑیں تھمنے لگیں، اور وقت جیسے چند لمحوں کے لیے رک سا گیا۔

اس کی چمک دار آنکھوں میں ایک عجیب سا سکون تھا، مگر اس کے چہرے کی سختی بتا رہی تھی کہ وہ اب معصوم نہیں رہی۔ اس نے اپنے نازک مگر طاقتور ہاتھوں کو اٹھایا، اور جیسے ہی اس نے قدم آگے بڑھایا، حویلی کے فانوس پھر سے جلنے لگے، دیواروں کے سائے تھرتھرانے لگے، اور ہواؤں میں گونجتی سرگوشیاں سسکیوں میں بدل گئیں۔

"میں لوٹ آئی ہوں... "اس کی آواز میں نہ درد تھا، نہ غصہ، بس ایک ایسی گونج تھی جو وقت کے پردے چاک کر سکتی تھی۔ "تم سب نے مجھے ختم کر دیا تھا، مگر حسن کی ملکہ کبھی فنا نہیں ہوتی!"

وہ آگے بڑھی، اور اس کے قدموں کے نیچے بچھے پرانے فرش پر گلابی روشنی پھیلتی گئی۔ سائے پیچھے ہٹنے لگے، جیسے کسی نامعلوم خوف نے انہیں جکڑ لیا ہو۔ وہ جو صدیوں سے صرف انتقام کے لیے زندہ تھے، آج خود لرزنے لگے تھے۔

یہ روشنی نہ صرف اس کی طاقت تھی، بلکہ اس کی حقیقت بھی۔ وہ پھر سے انسان بن چکی تھی، مگر اب وہ وہی بے بس عورت نہیں تھی جو کبھی سازشوں میں جکڑی گئی تھی——اب وہ اپنی تقدیر خود لکھنے آئی تھی۔

وہ واپس اسی روپ میں ریوان کے بالکل مقابل بیٹھ گئی جس روپ میں اس نے اسے پہلی بار دیکھا تھا ریوان نے سر اٹھا کے دیکھا۔ اس کے ہاتھوں میں اسی کی دی گئی چوڑیاں تھیں۔ آنکھوں میں کاجل وہ آج بھی ایسا ہی حسن رکھتی تھی اس نے اپنا ہاتھ اس کے چہرے پر پھیرا۔ ریم اور دشا بے یقینی سے یہ منظر دیکھ رہے تھے دشا کو ریوان سے مزید گھن آ رہی تھی۔ "بھائی یہ کیا عشق والا لو چل رہا ہے" کش نے عیسی کے کان میں سرگوشی کی عیسی نے جواباً اسے گھور کر دیکھا تو وہ چپ ہو گئی۔ روشنی کا ہاتھ اب ریوان کے

گلے کے پاس تھا۔روشنی کی نظر اس کے گلے میں موجود دشا کے نام کے لاکٹ پر پڑی اس نے اپنا ہاتھ پیچھے کر لیا۔"کنورسا چلئے میرے ساتھ" روشنی نے ہاتھ بڑھایا۔ریوان نے نفی میں سر ہلایا۔"آپ نے سب جھوٹ بولا سوائے اس کے آپ ہمیشہ اپنی بیوی سے پیار کرتے رہیں گے۔ کنورسا مگر میں نے تو صرف آپ سے پیار کیا ہے۔آپ نے ضرورت اور محبت میں اتنا فرق کیوں کیا کنورسا"ریوان نے کوئی ردعمل نہیں کیا۔" مجھے معاف کر دو بس مجھے معاف کر دو"وہ اس سے ہاتھ جوڑ کر معافی مانگ رہا تھا۔"کنورسا میرے پیار کا کیا"روشنی نے سوال کیا۔

"وہ تمہارا کبھی نہیں تھا اس پر ہمیشہ دشا کا حق رہے گا"دشا نے حقارت سے ریوان سے نظریں ہٹائی۔

حویلی کی دیواروں پر جلتے چراغ مدھم پڑنے لگے، جیسے وقت کے آخری پہر میں کوئی داستان دم توڑ رہی ہو۔ روشنی کے چہرے پر ایک عجیب سا سکون تھا، مگر آنکھوں میں ایک گہرا خلا۔ وہ خلا جو کسی ادھورے خواب، کسی ان کہی محبت، اور کسی نہ ملنے والے نصیب کا تھا۔

بدلہ پورا ہو چکا تھا۔ سایے تحلیل ہو چکے تھے، چیخیں خاموش ہو گئی تھیں، اور حویلی کی فضا میں وہ بوجھل سکوت چھا چکا تھا جو ہمیشہ کے لیے کسی کہانی کے ختم ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

مگر ایک سوال باقی تھا، ایک سچائی جو روشنی کی روح میں ہمیشہ چھپی رہی—— ریوان کبھی اس کا تھا ہی نہیں۔

وہ جسے اپنی تقدیر سمجھ بیٹھی تھی، وہ تو ہمیشہ سے کسی اور کہانی کا کردار تھا۔ روشنی نے اسے اپنی محبت کا مرکز سمجھا، مگر حقیقت میں وہ کبھی اس کی محبت کا حصہ ہی نہ تھا۔ وہ ہمیشہ دور تھا، ہمیشہ ایک ایسی سرحد کے پار جہاں روشنی کی روشنی کبھی نہیں پہنچ سکی۔

اور اب وقت آ گیا تھا...

روشنی نے آخری بار حویلی کی دہلیز پر کھڑے ہو کر پیچھے دیکھا۔ وہاں کچھ بھی نہ تھا، نہ سایے، نہ خوف، نہ انتقام —— بس ایک خالی حویلی، جو اس کے گزر جانے کے بعد اور بھی ویران ہو جانے والی تھی۔

اس کے قدم زمین سے اوپر اٹھنے لگے، جیسے ہوا میں تحلیل ہو رہی ہو۔ اس کے وجود سے روشنی کے ذرات بکھرنے لگے، جیسے کوئی ستارہ آسمان سے ٹوٹ کر واپس خلا میں جا رہا ہو۔

اور پھر...

ایک ہلکی سی چمک کے ساتھ روشنی اس دنیا سے چلی گئی۔ نہ کوئی ماتم، نہ کوئی وداع——بس خاموشی۔ جیسے وہ کبھی تھی ہی نہیں۔ ریوان نے آنکھیں کھولی تو وہ ان لوگوں کے بیچ کھڑا تنہا تھا۔ (ریوان اکیلا رہ گیا تھا۔ اور شاید ہمیشہ کے لیے...)

دشا نے اپنے آنسوں پونچھتے ہوئے ریم سے الگ ہوئی اور کھڑی ہوئی۔ اس کے ساتھ ہی ریوان اور ریم بھی کھڑے ہو گئے۔ ایک جدائی لازم تھی۔ کچھ زخم کبھی نہیں بھرتے، کچھ رشتے کبھی دوبارہ نہیں جُڑتے، اور کچھ دھوکے کبھی معاف نہیں کیے جا سکتے۔ ریوان کے لیے بھی یہ جدائی مقدر بن چکی تھی—ایک ایسی سزا جو وقت کے ساتھ اور گہری ہوتی جائے گی۔

"دھوکے کی معافی نہیں ہوتی، ریوان..." دشا کے الفاظ ہوا میں تیرنے لگے۔ "تم نے جو بویا، وہی کاٹو گے۔"

زندگی بھر کی جدائی—— یہی اس کا مقدر تھا۔ دشا نے اسے وہ درد دیا تھا جو وقت کے ساتھ کم نہیں ہونے والا تھا، بلکہ ہر گزرتے دن کے ساتھ مزید گہرا ہوتا جائے گا۔ اب اسے اسی درد کے ساتھ جینا تھا، اسی پچھتاوے کے ساتھ سانس لینا تھا۔

اور یہ جدائی... ہمیشہ کے لیے تھی۔

"دشا پلیز" ریوان نے دشا کے ہاتھ کو پکڑ کر روکا اگلے ہی پل وہ اس کے ہاتھ کو جھٹک چکی تھی۔ "گھبرائیے مت ریوان رانا اتنی کمزور نہیں ہوں کہ خود کو تکلیف دوں گی. اور اگلی بار سے اپنے گندے ہاتھوں سے مجھے چھونے

کی غلطی مت کیجئے گا" وہ غراتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔ دشااور ریوان کی محبت کی کتھا خاک ہو گئی۔

وہ محبت جو کبھی موسم کی پہلی بارش جیسی تھی، جو کبھی بہار کی نرم ہوا کی طرح محسوس ہوتی تھی، وہی محبت آج جل کر راکھ بن چکی تھی۔ وہ لمحے، وہ وعدے، وہ خواب —— سب کچھ بکھر چکا تھا، اور اب صرف ادھورے الفاظ کی راکھ باقی تھی۔

دشا نے آخری بار ریوان کو دیکھا تھا، مگر اس نظر میں محبت نہیں تھی، صرف خاموش فیصلہ تھا۔ وہ فیصلہ جو پلٹنے والا نہیں تھا۔ اس کی پلکوں پر ایک بھی آنسو نہیں تھا، جیسے اب کوئی جذبات ہی باقی نہ رہے ہوں۔

ریوان وہیں کھڑا رہا، جہاں کبھی اس نے دشا کا ہاتھ تھاما تھا، جہاں کبھی وہ دونوں ہنستے تھے، جہاں محبت نے اپنی جڑیں مضبوط کی تھیں۔ مگر آج وہاں صرف ویرانی تھی، صرف خاک اڑتی تھی۔

محبت کے وہ لمحات جو امر ہونے والے تھے، آج وقت کی راکھ میں دب گئے تھے۔

دشا چلی گئی، ہمیشہ کے لیے۔ اور ریوان وہیں کھڑا اس راکھ کو دیکھتا رہا— محبت کی راکھ، خوابوں کی راکھ، اپنی بربادی کی راکھ۔

اس کے ساتھ ریم بھی چلی گئی۔ "تو جا میں آتا ہوں" عیسی کشکوان دونوں کے ساتھ بھیج کر ریوان کے پاس آ کر بیٹھا۔ وہ رو رہا تھا وہ سسک رہا تھا۔ جو کبھی ریوان کا دشمن ہوا کرتا تھا، اب صرف وہی اس کا ساتھ تھا—— عیسیٰ امین۔

وقت کی ستم ظریفی دیکھو، جس شخص کو ریوان کبھی اپنی راہ کا کانٹا سمجھتا تھا، آج وہی اس کے زخموں پر مرہم رکھنے والا تھا۔ محبت کی کتھا خاک ہو چکی تھی، دشا جا چکی تھی، اور ریوان اپنی ہی ویرانی میں قید تھا۔ اس کی دنیا اجڑ چکی تھی، اور باقی سب اسے چھوڑ کر جا چکے تھے—— سوائے ایک کے...

عیسیٰ امین۔

ریوان نے سر اٹھایا۔اس کی آنکھوں میں بجھی ہوئی چنگاریاں تھیں،اور چہرے پر شکست کی پرچھائیاں۔ کبھی عیسیٰ کو دیکھ کر اس کی آنکھوں میں غروراور نفرت کی چمک ہوتی تھی، مگر آج کچھ بھی نہیں تھا——بس ایک خالی پن۔

"سب کچھ ختم ہو گیا، عیسیٰ..."ریوان کی آواز میں ایک ایسی تھکن تھی جو دل کے اندر تک محسوس کی جا سکتی تھی۔

"نہیں، سب کچھ ختم نہیں ہوتا۔ کچھ زخم ہمیشہ رہتے ہیں، مگر ان کے ساتھ جینا سیکھنا پڑتا ہے۔" عیسیٰ نے گہری سانس لی۔ وہ کبھی ریوان کا دشمن تھا، مگر آج اسے گرنے سے بچانے کے لیے وہی موجود تھا۔

ریوان نے نظریں جھکا لیں۔ شاید عیسیٰ ٹھیک کہہ رہا تھا، شاید زندگی واقعی چلتی رہتی ہے۔ مگر یہ زندگی اب وہ نہیں تھی جو ریوان نے سوچی تھی۔ وہ محبت، وہ خواب، وہ رشتے——سب کچھ راکھ میں بدل چکا تھا۔

اور اس راکھ کے درمیان، ایک پرانا دشمن اب واحد سہارا بن چکا تھا۔

"ریوان اب رونے سے کیا فائدہ"عیسی ریوان کے کاندھے پر ہاتھ رکھ کر نرم لہجے میں بولا۔

"رونے کے سوا اور کچھ نہیں کر سکتا میں" وہ اپنے آنسوں پونچھتے ہوئے عیسی سے بولا۔پرانی حویلی میں آج دفن نہیں تھے مستقبل یقین رشتہ دفن ہو چکا تھا۔

"کر سکتے ہو" ریوان نے چونک کر عیسی کو دیکھا۔

"کیا"

"کوشش۔ایک رشتہ گنوا دیا تم نے اب ایک رشتہ کا مان رکھنا۔ایک اچھے پتی نہیں بن پائے مگر اچھے باپ بننا"عیسی نے اسے دلاسا دیتے ہوئے کہا۔

"میں نہیں جی پاؤں گا دشا کے بنا"

"اور وہ تمہارے ساتھ جی نہیں پائے گی۔"

"میں مر جاؤں گا"

"اس کے لئے مر گئے ہو تم"

"تم جھوٹ دلاسا تک نہیں دے سکتے "اس کے مسلسل ریلیٹی چیک سے وہ تنگ آ کر بولا۔

"نہیں. میں جھوٹ نہیں بولتا اور تمہیں سچائی دکھانا میرا فرض ہے "عیسی نے اپنا لہجہ برقرار رکھا تلخ تھی مگر سچائی تھی جس سے ریوان منہ نہیں موڑ سکتا تھا۔

"اب یہ رونا بند کرو خود کو سمیٹو اپنے خدا سے معافی مانگو اور خود کو بہتر بناؤ یہی اصل پچھتاوا ہے "عیسی ہاتھ جھٹکتا ہوا کھڑا ہوا اور ریوان کو بھی اٹھنے کا اشارہ کیا۔ ریوان کھڑا ہو کر اسے غور سے دیکھنے لگا۔ "کیا اس سے ٹھیک ہو جائے گا "عیسی نے نفی میں سر ہلایا۔

"ٹھیک ہونے سال لگ جائیں گے تمہارے یہ سب کرنے سے بس مزید کچھ غلط نہیں ہو گا" وہ اتنا صحیح کیوں تھا وہ اتنا درست کیسے بول سکتا تھا ریوان کو اب خود پر شرم آ رہی تھی۔ "تم اتنے اچھے کیوں ہو؟" اس نے عیسی کے برابر چلتے ہوئے کہا۔ "ابھی میرا دوست سن لیتا تو تمہیں اسی حویلی میں دفن کر دیتا ہے بہت پوزیوس ہے" عیسی اس کی اداسی کم کرنا چاہ رہا تھا۔ مگر وہ اداسی تھوڑی تھی یہ تو گناہوں کی سزا تھی جو اسے عمر بھر بھگتنی تھی۔

کہانیاں ختم نہیں ہوتی بس کاغذ ختم ہو جاتے ہیں۔ روشنی نے ہمیشہ کے لئے ریوان کے اندر اندھیرا چھوڑ دیا تھا۔ وہ ہمیشہ اپنی غلطیوں کا خمیازہ بھگتنے والا تھا اب خوشیاں اس کے پاس سے بھی نہیں گزرنے والی تھی۔ جیت ہمیشہ امیدوں کی ہوتی ہے۔ خدا اپنے بندوں کو کسی شر کے آگے ہارنے نہیں

دیتا۔ برسوں سے شیطان نے اپنا دبدبہ مچایا ہے مگر فضا میں صرف نعرہ تکبیر کا نعرہ بلند ہوتا ہے۔ کتابیں بہت ہے دنیا میں مگر قرآن کی ایک آیت ان سب علموں پر غالب آتی ہے۔ فن کاروں نے بہت سے مجسمے بنائے عبادت کے لئے مگر بھی سر اندیکھے خدا پر جھکتا ہے۔سچ جب عیاں ہوتا ہے ہر مضبوط پردہ بھی غازہ بن جاتا ہے۔

6 مہینے بعد

کتاب زندگی میں عنوان خود کا ہوگا

سفر خود کا اور سامان خود کا ہوگا

سماج کے چلتے اپنے بچوں کے چلتے دشا نے ریوان کو طلاق نہیں دیا۔ وہ اسی حویلی میں الگ الگ کمروں میں ایک چھت کے نیچے اجنبی کی طرح رہ رہے تھے دشا نے اپنے سپنوں کو چنا اس نے وکیل بننے کا فیصلہ کیا۔ بچوں کو وہیں جیسلمیر میں پڑھا رہی تھی۔

وہ بے وفا ہے مگر میں نے تو سچی محبت کی ہے...

وہ خاموش تھی، لیکن اس کی خاموشی میں ایک طوفان چھپا تھا۔ اس کے حواس ختم ہو رہے تھے، ذہن بے قابو ہو چکا تھا، اور آنکھوں میں صرف دیوان کا چہرہ تھا—وہ چہرہ جس پر ہمیشہ محبت کی روشنی رہتی تھی، جواب ہمیشہ کے لیے بجھ چکا تھا۔

"دیوان... تم نے مجھے چھوڑ دیا؟"

ریشمی ننگے پاؤں زمین پر بیٹھی تھی، ہاتھوں میں مٹی، بال بکھرے ہوئے، اور آنکھوں سے بہتے آنسو زمین میں جذب ہو رہے تھے۔اس کی چیخیں سناٹے میں گونج رہی تھیں، مگر کوئی سننے والا نہ تھا۔

"یہ کیسی سزا ہے؟ محبت کی بھی کوئی قیمت ہوتی ہے؟ میں نے تو تم سے سچّا پیار کیا تھا، دیوان!"

ہوا تھم چکی تھی، رات خاموش تھی، اور ریشمی کا دماغ ایک بھٹکتی ہوئی آندھی کی مانند تھا۔ وہ کبھی دیوان کے نام کو دہراتی، کبھی اپنے ہاتھوں سے اپنی چادر کو نوچ ڈالتی، کبھی اپنی کلائیوں پر ناخن گاڑ کر خود کو زخمی کر لیتی۔

لوگ کہتے تھے، "ریشمی پاگل ہو گئی ہے!" مگر وہ نہیں جانتے تھے کہ وہ پاگل نہیں ہوئی، بلکہ سچے پیار کی سزا کاٹ رہی تھی——وہ سزا جو سب سے ظالم ہوتی ہے، جو انسان کو زندہ لاش بنا دیتی ہے۔

کہیں سے کوئی روشنی اندر آتی تو بھی اس میں اداسی گھلی ہوتی۔ ہوا میں باسی ادویات اور ادھورے خوابوں کی بُو بسی ہوئی تھی۔ چاروں طرف چیخوں، سرگوشیوں، اور کھوئے ہوئے ذہنوں کی آہیں گونج رہی تھیں۔

لیکن سب سے زیادہ بھیانک آواز اس بڑے سے سیل سے آرہی تھی جہاں ریشمی قید تھی۔

"دیوان...! دیوان...!"

وہ ہر لمحہ دیوان کا نام پکارتے ہوئے دیواروں سے سر ٹکرا رہی تھی۔اس کی پیشانی سے خون بہہ رہا تھا، مگر اسے کوئی پروا نہیں تھی۔ کبھی وہ زمین پر بیٹھ کر ہنستی، کبھی زور زور سے روتی، اور کبھی اپنے لمبے الجھے بال نوچنے لگتی۔

"وہ آئے گا! تم سب جھوٹے ہو! دیوان مجھے لینے آئے گا!" وہ ایک لمحے کو دروازے کی طرف بھاگتی اور پھر دیوار سے لپٹ کر ہچکیوں میں ڈوب جاتی۔

اس کے ہاتھوں پر زخموں کے نشان تھے، چہرہ آنسوؤں سے تر تھا، اور آنکھوں میں ایک بے قرار جنون تھا۔ وارڈن اور نرسیں کئی بار آ کر اسے سنبھالنے کی کوشش کر چکی تھیں، مگر وہ کسی کی قید میں نہیں تھی، نہ جسمانی طور پر، نہ ذہنی طور پر — وہ بس دیوان کی محبت میں قید تھی، اور یہی قید اس کا سب سے بڑا عذاب تھی۔

"دیوان... مجھے چھوڑ کر مت جاؤ...!"

وہ چیخی، اور اگلے ہی لمحے قہقہہ لگا کر زمین پر بیٹھ گئی۔ سفید چادر میں لپٹی، بکھرے بال، زخمی ہاتھ، اور خالی آنکھیں —— یہ پاگل نہیں تھی، یہ ایک ٹوٹی ہوئی محبت کی داستان تھی، جواب صرف دیوان کے نام پر زندہ تھی۔

میری ہار کا جشن

روشنیوں سے جگمگاتا ہال، کیمرے کی چکاچوند، تالیوں کی گونج، اور اسٹیج کے بیچوں بیچ کھڑا ریوان رانا —— "بیسٹ بزنس آف دی ایئر" کا خطاب اس کے ہاتھ میں تھا، مگر اس کے ذہن میں کچھ اور ہی چل رہا تھا۔

چہرے پر مسکراہٹ تھی، مگر اندر ایک طوفان مچا ہوا تھا۔ جیسے ہی اس نے ٹرافی تھامی، اس کے دماغ میں وہ سارے لمحے گونجنے لگے جب اسے ہار ملی تھی۔

اس کے ہاتھ نے ٹرافی کو سختی سے تھام لیا۔ یہ جیت صرف ایک ایوارڈ نہیں تھی، یہ اس کی ہار کا بدلہ تھی۔

تالیاں بجتی رہیں، مگر ریوان کی نظروں کے سامنے وہ چہرے گھوم رہے تھے جنہوں نے اسے نیچا دکھانے کی کوشش کی تھی۔ وہ اپنی نظریں آسمان

کی طرف اٹھاتا ہے، جیسے کسی ان دیکھی طاقت کو دیکھ رہا ہو، پھر آہستہ سے خود سے کہتا ہے:

"یہ میری ہار کا جشن ہے... کیونکہ اگر میں نہ ہارتا، تو آج یہاں کھڑا نہ ہوتا۔ کیا مجھ سا بھی کوئی ہارا ہو گا ان لوگوں میں ہزاروں ہاتھ اس کے لئے تالیاں بجا رہے تھے مگر وہ ایک چہرہ جو اس کی زندگی تھی اس سے منہ موڑ چکا تھا۔

حویلی کی بڑی اور بھاری بھرکم دروازے جیسے ہی کھلے، اندر کی خاموشی نے ریوان کو جکڑ لیا۔ ہر چیز اپنی جگہ پر تھی، مگر پھر بھی سب کچھ ویران لگ رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں پکڑا ایوارڈ چمک رہا تھا، مگر اس کی آنکھوں میں کوئی روشنی نہیں تھی۔

"میں جیت گیا..." اس نے آہستہ سے خود سے کہا، جیسے خود کو یقین دلانے کی کوشش کر رہا ہو۔

وہ آہستہ آہستہ چلتا ہوا اپنے کمرے میں پہنچا۔ دروازہ بند کیا، اور جیسے ہی اس کی نظر آئینے پر پڑی، وہ ٹھہر گیا۔

آئینے میں ایک کامیاب انسان کھڑا تھا، مہنگا سوٹ، ہاتھ میں چمکتا ہوا ایوارڈ، ایک کامیاب بزنس مین — لیکن جب اس نے گہری نظر ڈالی، تو اس نے دنیا کے سب سے غریب انسان کو دیکھا۔

"یہ میں ہوں؟"

آئینے میں اس کی آنکھیں خالی تھیں، چہرہ تھکا ہوا تھا، اور وجود بوجھل۔

جیت کے بعد بھی، وہ تنہا تھا۔

"کیا یہی کامیابی تھی؟ کیا میں نے اسی کے لیے سب کھو دیا تھا؟"

اچانک، اسے وہ دن یاد آیا جب اس کے پاس کچھ نہیں تھا، مگر ایک ماں کی مسکراہٹ تھی، ایک بھائی کا ساتھ تھا، ایک گھر تھا جہاں محبت تھی۔ آج اس کے پاس سب کچھ تھا، مگر وہ لوگ نہیں تھے۔

ایوارڈ اس کے ہاتھ سے پھسل کر زمین پر گرا، مگر اسے پرواہ نہیں تھی۔ وہ آئینے کو دیکھتا رہا، اور آہستہ سے بولا:

"میں جیت کر بھی ہار گیا..."

ایک فیصلہ تمام راز دفن

عدالت کی خاموش فضا میں جج کا ہتھوڑا میز پر پڑا، اور سب کی نظریں کشش اور عیسیٰ پر جم گئیں۔

"آپ دونوں کو آخری موقع دیا جا رہا ہے۔ کیا آپ واقعی یہ کیس بند کرنا چاہتے ہیں؟" جج کی گونجتی ہوئی آواز نے کمرہ عدالت میں سناٹے کو مزید گہرا کر دیا۔

کش نے ایک نظر عیسیٰ کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھوں میں وہ ہزاروں کہانیاں تھیں جو عدالت کے کاغذات پر نہیں لکھی جا سکتی تھیں۔ درد، دھوکہ، حقائق، اور وہ تمام یادیں جو اس کیس کے ساتھ جڑی تھیں——سب ان لمحوں میں سمٹی ہوئی تھیں۔

عیسیٰ نے گہری سانس لی، پھر مضبوط لہجے میں کہا، "جی، ہم کیس بند کر رہے ہیں۔"

کش نے آہستہ سے سر ہلایا، جیسے کسی اندرونی جنگ سے آزاد ہو گئی ہو۔

"ٹھیک ہے، عدالت یہ کیس ہمیشہ کے لیے بند کرتی ہے!" جج نے فیصلہ سنایااور ایک آخری بار ان دونوں کو دیکھا، جیسے ان کی آنکھوں میں کسی اَن کہی کہانی کو پڑھنے کی کوشش کر رہا ہو۔

عیسیٰ اور کش کمرہ عدالت سے نکلے۔ باہر زندگی چلتی رہی، لوگ اپنی دنیا میں مگن تھے، مگر ان دونوں کے لیے آج ایک باب ہمیشہ کے لیے ختم ہو چکا تھا۔

یہ جیت نہیں تھی، یہ بس ایک خاموشی تھی، جو ہر چیز کو ہمیشہ کے لیے دفنا گئی تھی۔

مردوں کو دفنانے کا وقت آگیا.....

سورج سوا نیزے پر تھا، مگر وہ گھر اندھیروں میں ڈوبا ہوا تھا۔

ریوان بھاری قدموں سے آگے بڑھا، اس کے وجود میں ایک انجانی سردی سرایت کر رہی تھی۔ یہ وہی جگہ تھی جہاں اس نے اپنے گناہوں کو دفن کیا تھا، لیکن آج وہ پھر ان کے سامنے کھڑا تھا۔

"دروازہ کھولو!" اس نے مزدوروں کو حکم دیا، اور اگلے ہی لمحے زنگ آلود دروازہ چرچراتے ہوئے کھل گیا۔

ایک بھاری ہوا کا جھونکا باہر آیا، جیسے اندر قید سسکیاں اور آہیں موقع پاتے ہی آزاد ہو گئی ہوں۔ ریوان نے ایک لمبی سانس لی، مگر اس ہوا میں بس خون کی بو تھی، مٹی میں سڑتی ہوئی زندگیوں کی کہانی تھی۔

اندر، وہی سات جسم پڑے تھے — بے جان، مگر ابھی بھی تازہ نظر آ رہے تھے۔

آنکھیں کھلی ہوئی، جیسے مرنے کے بعد بھی وہ اسے دیکھ رہے ہوں۔

ریوان کا دل زور سے دھڑکا۔ ماضی کے وہ لمحے، وہ چیخیں، وہ دعائیں جو کبھی نہیں سنی گئیں — سب کچھ اس لمحے میں قید تھا۔

"یہ سب ختم ہو چکا ہے..." اس نے خود سے کہا، مگر اندر کہیں وہ جانتا تھا کہ گناہ مٹی میں دفن ہو سکتے ہیں، لیکن وہ کبھی ختم نہیں ہوتے۔

ایک نئی شروعات نئی یادیں.......

بلڈوزر کا زوردار دھماکہ ہوا، اور صدیوں پرانا وہ خستہ دروازہ ہمیشہ کے لیے گر گیا۔

ریوان نے خاموشی سے اس لمحے کو دیکھا، جیسے ماضی کے بوجھ کو خود اپنی آنکھوں کے سامنے ملبے میں تبدیل ہوتا دیکھ رہا ہو۔ وہ گھر، جو خوف، حیوانیت، اور گناہوں کی علامت تھا، آج زمین بوس ہو چکا تھا۔

"اب یہاں زندگی بنے گی، خوف نہیں!" ریوان نے عزم سے کہا۔

دن ہفتوں میں بدلے، اور وہ زمین جو کبھی ایک بھیانک راز چھپائے ہوئے تھی، اب رنگ برنگے جھولوں اور قہقہوں کی گواہ بن گئی تھی۔

جہاں کبھی درد کی چیخیں گونجتی تھیں، اب وہاں معصوم بچوں کی ہنسی گونج رہی تھی۔ نرم گھاس پر بھاگتے ہوئے ننھے قدم، رنگین پتنگیں، اور آسمان میں اڑتی امید۔

ریوان ایک بینچ پر بیٹھ کر بچوں کو کھیلتے دیکھ رہا تھا۔ اس نے اپنی آنکھیں بند کیں، ایک لمبی سانس لی، اور دل میں ایک سکون محسوس کیا۔

وہ جانتا تھا، وہ اپنے گناہ نہیں مٹا سکتا، لیکن شاید وہ اپنی توبہ کو سچ کر سکتا تھا۔

کبھی یہاں روشنی کی چوڑیوں کی کھنک گونجتی تھی، صبور کی ہنسی ہر کونے میں بکھرتی تھی، اور سمیرا کا غصہ سب کو چپ کروا دیتا تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتوں پر خوشی کی لڑائیاں ہوتیں، اور پھر اگلے ہی لمحے سب ہنستے ہوئے ایک دوسرے کو منا لیتے

وہ ہر چیز پر قادر ہے.....

دعائیں رد نہیں ہوتیں۔ کچھ دیر لگ سکتی ہے، کچھ آزمائشیں آسکتی ہیں، مگر جو دل سے مانگا جائے، وہ کبھی رائیگاں نہیں جاتا۔ ریم کی ماں بننے کی دعا بھی قبول ہو چکی تھی۔

جس لمحے اس نے پہلی بار اپنے بچے کی دھڑکن سنی، اس کی آنکھوں سے آنسو بہہ نکلے۔ یہ وہ آنسو تھے جن میں برسوں کی دعائیں، راتوں کی سجدے، اور ہر اس پل کی شدت تھی جب اس نے اللہ سے بس ایک ہی چیز مانگی تھی——ماں بننے کا احساس۔

ریم نے اپنے ہاتھ پیٹ پر رکھا، ایک مسکراہٹ اس کے لبوں پر آگئی۔ وہ خالی پن، وہ ادھورا پن جو اسے اندر سے کھوکھلا کر چکا تھا، آج پورا ہو چکا تھا۔

ہر وہ دن جب اس نے دوسروں کے بچوں کو گود میں لے کر اپنے نصیب پر افسوس کیا تھا، ہر وہ رات جب اس نے آنکھیں بند کر کے رب سے سوال کیا تھا—آج سب کا جواب مل گیا تھا۔

"میری دعا سنی گئی..." وہ خود سے بولی، اس کے دل میں ایک سکون سا اتر آیا تھا۔

یہی یقین ہوتا ہے دعا کا، یہی طاقت ہوتی ہے سجدے کی۔ دیر ہو سکتی ہے، مگر دعائیں کبھی رد نہیں ہوتیں۔

عیسی کام کے سلسلہ میں باہر رہتا تو وہ زیادہ تر وقت روی اور کشن کے ساتھ گزارتی۔روی اور کشن نے اسے ماں ہونے کا احساس دلایا تھا وقت کے ساتھ ساتھ دشا اور ریم کی دوستی گہری ہو گئی تھی۔

تم میری دوست ,رہبر اور مرحم ہو......

رات کا پچھلا پہر تھا۔چاندنی کمرے کی کھڑکی سے اندر آرہی تھی اور ہلکی ٹھنڈی ہوا پردوں کو آہستہ آہستہ ہلا رہی تھی۔ریم فرش پر بیٹھی ہوئی تھی، اس کے ہاتھ میں ایک کافی کا مگ تھا،اور اس کی نظریں دشا پر جمی تھیں، جو بیڈ پر لیٹی چھت کو گھور رہی تھی۔

"کیا سوچ رہی ہو؟" ریم نے دھیمی آواز میں پوچھا۔

دشانے ایک گہرا سانس لیا اور مسکرا دی، "بس زندگی کے بارے میں۔ کچھ چیزیں ویسی نہیں ہوتیں جیسی ہم سوچتے ہیں، نا؟"

ریم نے ایک لمحے کے لیے سوچا اور پھر سر ہلایا، "ہاں، مگر کچھ چیزیں ہمارے اختیار میں بھی نہیں ہوتیں۔ ہر چیز کا وقت مقرر ہے۔"

دشانے کروٹ لی اور ریم کی طرف دیکھ کر بولی، "جانتی ہو، اگر تم نہ ہوتیں، تو شاید میں کب کی ہار مان چکی ہوتی۔"

ریم نے نرمی سے مسکرا کر دشا کا ہاتھ تھام لیا، "اور اگر تم نہ ہوتیں، تو میں کبھی خود پر یقین نہ کر پاتی۔"

دونوں کے بیچ خاموشی چھا گئی، مگر وہ خاموشی بے معنی نہیں تھی۔ اس میں ایک مضبوط رشتہ تھا، ایسا رشتہ جو الفاظ کا محتاج نہیں تھا۔ دشا نے آہستہ سے اپنی آنکھیں موندلیں اور ریم نے اس کے بالوں میں ہاتھ پھیرتے ہوئے آہستہ سے کہا، "سب کچھ ٹھیک ہو جائے گا، ہم دونوں ایک دوسرے کے ساتھ ہیں نا۔"

یہ وہ دوستی تھی جس میں دکھ بانٹے جاتے تھے، ہنسی تقسیم کی جاتی تھی، اور سب سے بڑھ کر، ایک دوسرے کو سنبھالا دیا جاتا تھا۔

ایک تیرا غم ایک میرا راستہ.....

دشا اور ریم ایک ایسی رات کو کبھی نہیں بھول سکتیں جب ایک بے سہارا عورت بارش میں بھیگتی ہوئی ان کے دروازے پر آئی تھی۔ اس کی آنکھوں میں خوف، تھکن، اور ایک امید کی چمک تھی—جیسے شاید یہی وہ جگہ ہو جہاں سے اسے کوئی آسرا مل سکے۔

اسی رات، دونوں نے فیصلہ کیا کہ وہ کچھ ایسا کریں گی جو نہ صرف ایک عورت کی زندگی بدل سکے بلکہ ہزاروں عورتوں کے لیے روشنی بن جائے۔

انہوں نے مل کر ایک چیریٹی ٹرسٹ قائم کیا، جس کا مقصد بیوہ اور طلاق یافتہ عورتوں کی مدد کرنا تھا۔

یہ سفر آسان نہیں تھا۔ پہلے پہل، لوگوں نے انہیں سنجیدگی سے نہیں لیا۔ کچھ نے کہا، "یہ تو بس ایک جذبہ ہے، زیادہ دن نہیں چلے گا۔" مگر دشا اور ریم جانتی تھیں کہ یہ کوئی وقتی خیال نہیں، بلکہ ان کے دل کی آواز تھی۔

"دشا اینڈ ریم ویلفیئر ٹرسٹ" کے نام سے ان کا ادارہ وجود میں آیا۔ یہاں بیوہ اور طلاق یافتہ عورتوں کو نہ صرف مالی مدد دی جاتی بلکہ انہیں خود مختار بنانے کے لیے مختلف ہنر سکھائے جاتے۔ کوئی کپڑے سلائی کرنا سیکھتی، تو

کوئی کھانے پکانے کا کاروبار شروع کرتی۔ کچھ عورتیں تعلیم مکمل کر کے نوکریاں حاصل کر لیں، اور کچھ نے اپنا چھوٹا کاروبار شروع کر دیا۔

ایک دن، ایک خاتون جو سخت مایوسی میں تھی، ٹرسٹ میں آ کر ریم سے ملی۔ اس کی آنکھوں میں آنسو تھے، "میں کیا کر سکتی ہوں؟ میرا کوئی سہارا نہیں ہے۔"

ریم نے اس کا ہاتھ تھاما اور مسکرا کر کہا، "تم خود اپنا سہارا بن سکتی ہو۔ ہم تمہارے ساتھ ہیں۔"

دشا نے اس کے سر پر شفقت سے ہاتھ رکھا، "بس ایک قدم آگے بڑھاؤ، باقی سفر میں ہم تمہارے ساتھ چلیں گے۔"

وہ عورت کچھ ہی مہینوں میں ایک ہنر مند بن گئی، اور جب اس نے پہلی بار اپنی کمائی سے کچھ خریدا، تو اس کی آنکھوں میں خود اعتمادی اور شکر گزاری کی چمک تھی۔

یہی وہ لمحے تھے جو دشا اور ریم کے لیے سب سے قیمتی تھے۔ وہ جانتی تھیں کہ انہوں نے جو خواب دیکھا تھا، وہ حقیقت بن چکا ہے۔ اب یہ ادارہ صرف ایک ٹرسٹ نہیں تھا، بلکہ ہزاروں عورتوں کے لیے امید کی کرن بن چکا تھا۔

جو خواب اب حقیقت تھا......

کش کے لیے سینئر آفیسر کے طور پر ترقی ملنا اس کے لیے صرف ایک عہدہ نہیں تھا، بلکہ برسوں کی محنت کا صلہ تھا۔

صبح کی نرم روشنی میں جب وہ اپنی نئی پوسٹنگ کے دفتر پہنچا، تو دیواروں پر لگی فائلیں اور میز پر رکھی رپورٹیں اسے ایک ذمہ داری کا احساس دلا رہی تھیں۔ یہاں کے لوگ، ان کے مسائل، اور اس تاریخی شہر کی شان——سب کچھ نیا تھا، مگر وہ تیار تھا۔

پہلا دن مصروف گزرا، فائلوں کا جائزہ لینا، ماتحت عملے سے ملاقات کرنا، اور علاقے کے بارے میں جاننا۔ شام کو جب وہ اپنی جیپ میں صحرا کے ایک علاقے کا دورہ کرنے نکلا، تو جیسلمیر کی سنہری ریت پر ڈھلتے سورج کی روشنی نے اسے چند لمحوں کے لیے رک جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے گہری سانس لی اور خود سے کہا، "یہ میرا نیا سفر ہے، اور مجھے اسے بہترین بنانا ہے۔"

کشِ کے لیے یہ صرف نوکری نہیں تھی، بلکہ ایک فرض تھا—شہر کی خدمت، لوگوں کی فلاح، اور اپنے اندر مزید مضبوطی پیدا کرنے کا۔ جیسلمیر کی ہواؤں میں ایک کہانی بسی تھی، اور اب وہ بھی اس کہانی کا حصہ تھا۔

جیسلمیر میں ترقی پانے کی خوشی اپنی جگہ، مگر کش کی اصل خوشی کچھ اور تھی——وہ اپنے سب سے اچھے دوست عیسیٰ کے ساتھ تھا!

جب وہ جیسلمیر پہنچا اور پہلی بار دفتر کے اندر قدم رکھا، تو سامنے عیسیٰ کو دیکھ کر ایک لمحے کے لیے حیران رہ گیا۔ عیسیٰ نے مسکرا کر کہا، "آخرکار، تُو بھی یہاں پہنچ گیا!"

کش نے قہقہہ لگایا، "یار، میں سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ ہمیں ایک ساتھ کام کرنے کا موقع ملے گا!"

یہ لمحہ ان دونوں کے لیے کسی خواب کی تکمیل جیسا تھا۔ سالوں پہلے جب وہ یونیورسٹی میں ایک ساتھ پڑھتے تھے، تب اکثر بیٹھ کر یہی بات کرتے کہ ایک دن مل کر کسی بڑی ذمہ داری کا حصہ بنیں گے، ایک ساتھ کام کریں گے، اور دوسروں کے لیے کچھ اچھا کریں گے۔

اب وہ دن آ چکا تھا۔

رات کا وقت، جیسلمیر کی کھلی چھت، اور چائے کے مگ ہاتھ میں لیے دونوں دوست بیٹھے تھے۔

"تو، کیسا لگ رہا ہے سینئر آفیسر صاحب؟" عیسیٰ نے ہلکی مسکراہٹ کے ساتھ پوچھا۔

کش ؔنے آسمان کی طرف دیکھا، جہاں ستارے چمک رہے تھے، اور پھر ایک گہری سانس لے کر کہا، "زندگی بہترین لگ رہی ہے، کیونکہ اب میں وہاں ہوں جہاں میرا دل تھا—اپنے بھائی کے ساتھ۔"

عیسیٰ نے مسکرا کر چائے کا گھونٹ لیا۔ یہ دوستی تھی—وقت کے ساتھ مضبوط ہونے والی، خوابوں کو حقیقت میں بدلنے والی۔

دنیا میں میرا اکیلا ساتھی....

شام کا وقت تھا۔ سورج اپنی آخری کرنیں بکھیر رہا تھا، اور آسمان گلابی اور سنہری رنگوں میں رنگا ہوا تھا۔ دریائے جیسلمیر کے کنارے، جہاں پانی کی نرم لہریں کنارے سے ٹکرا کر ایک مدھم موسیقی بکھیر رہی تھیں، عیسیٰ اور ریوان اپنے پسندیدہ مقام پر بیٹھے تھے۔

یہ وہ جگہ تھی جہاں وہ اکثر ملا کرتے، جہاں کوئی ہنگامہ نہیں تھا، بس پانی کی سرگوشیاں، ہلکی ٹھنڈی ہوا، اور دل کی باتیں۔

عیسی اور ریوان اپنی فیوریٹ دریا کے پاس بیٹھے مونگ پھلی کھا رہے تھے۔

عیسی نے اسے معاف نہیں کیا تھا مگر وہ اسے سزا بھی نہیں دینا چاہتا تھا وہ جانتا تھا کہ ریوان کتنا اکیلا ہے وہ اسے تنہاہ چھوڑ کر شیطان کو ایک اور موقع

نہیں دینا چاہتا تھا۔ سورج کے اعطراف پھیلی گلابی روشنی ان کے اوپر پڑ رہی تھی۔

"تمہیں ہمیشہ سے یہ کیوں لگتا تھا کہ مجھے تم سے کچھ کہنا ہے" اس کے سوال پر عیسی ہلکا سا مسکرایا۔

"کچھ بہت کچھ کہنا چاہتے تھے تم" وہ اس کی بات کی تصیح کرتے ہوئے بولا۔ "جس کی آنکھیں جتنی خاموش ہوتی ہیں ان کے دل اتنے ہی الفاظوں سے بھرے ہوتے ہیں جب میں نے پہلی بار تمہیں دیکھا تمہارے آنکھوں کے گرد کے حلقے تمہارے دل کا حال بتا رہے تھے تمہارا نظریں نہ ملانا تمہارے کسی گناہ کو چھپانے کی طرف اشارہ کر رہا تھا۔" وہ بول کر رکا۔ دریا کا پانی مطمئن سا بہ رہا تھا۔ "پولیس والوں کی ناک ہی نہیں دماغ بھی تیز ہوتا

ہے کنور سا" وہ اس کے الجھے چہرے کو دیکھ کر بولا۔ "رانا سا کہو" ریوان نے تصیح فرمائی۔

"اوکے راجا صاحب جو آپ کا حکم" ریوان ہنس پڑا 6 مہینے بعد وہ مسکرایا تھا۔ آخر کار عیسی کی کوشش کامیاب ہوئی۔ وہ اس کو مسکراتا ہوا دیکھ کر بے حد پر سکون ہوا۔ اس مدھم روشنی میں اس کی ہنسی کسی قوس قزح کی مانند تھی۔ ہستے ہوئے اس کی آنکھیں نم ہو رہی تھی۔

"کیا فیل کر رہے ہو" ریوان نے گہری سانس لی۔

"خالی..... "ریوان نے خود کو کہتے سنا عیسی نے کوئی ردو عمل نہیں کیا۔ وہ ریوان کا لسنر بن چکا تھا۔ اس کا کمفورٹنگ زون اس کا ڈی ایس پی جو اسے جج نہیں کرتا.

"وہ سامنے ہوتی ہے اس کا احساس ہر پل میرے ساتھ رہتا ہے مگر بدنصیب میں اسے محسوس نہیں کر سکتا۔"

)ڈائننگ ٹیبل پر کھانے کی خوشبو تھی، مگر ماحول میں خاموشی کی تلخی۔ دشا اور ریوان آمنے سامنے بیٹھے تھے، مگر اتنے دور جیسے میلوں کا فاصلہ ہو۔

چمچ پلیٹ سے ٹکرانے کی ہلکی آواز، دور دیوار پر چلتی گھڑی کی ٹک ٹک—— یہ سب کچھ اس خاموشی کو مزید بوجھل بنا رہا تھا۔

دشا نے پانی کا گلاس اٹھایا، ایک گھونٹ پیا اور نظریں نیچی رکھیں۔ ریوان نے چپ چاپ اپنی پلیٹ میں کھانے کو گھورا، جیسے الفاظ ڈھونڈ رہا ہو، مگر وہ کہیں کھو گئے تھے۔ بیچ میں وہ بچوں سے بات کرتی انہیں اپنی سناتی۔ مگر وہ اسے ایک نظر نہ دیکھتی۔)

"وہ آج بھی میری دل کی دھڑکنوں کو بے ترتیب کر دیتی ہے۔ جب بھی وہ
بازو سے گزرتی ہے تو میں سانس لینا بھول جاتا ہوں"

(عدالت کے باہر ہلکی سردی تھی۔ لوگ اپنی دنیا میں مگن تھے، کوئی اپنی
فائلیں سنبھال رہا تھا، تو کوئی جلدی میں کہیں جانے کی کوشش کر رہا تھا۔
لیکن ریوان کی دنیا ایک لمحے کے لیے رک گئی جب اس نے دشا کو دیکھا۔

وہ سیاہ کوٹ میں کھڑی تھی، شان سے، وقار سے، جیسے کوئی ایسی جنگ
جیت چکی ہو جس نے اسے مکمل بدل دیا ہو۔ اس کے لمبے بال ہوا میں ہلکے
ہل رہے تھے، اور اس کی آنکھوں میں وہ چمک تھی جو ایک مضبوط عورت
کی پہچان ہوتی ہے۔

"کیا یہ وہی دشا ہے؟" ریوان نے خود سے سوال کیا۔ وہ حیران تھا، مبہوت تھا، اور... بے بس تھا۔

وہ آگے بڑھنا چاہتا تھا، کچھ کہنا چاہتا تھا، لیکن حقیقت نے اسے روک دیا—اب اس کا کوئی حق نہیں تھا۔

دشا اس کے قریب سے گزری، جیسے وہ وہاں تھا ہی نہیں۔ نہ کوئی نظر، نہ کوئی لمحے بھر کی جھجک—مکمل طور پر اجنبیوں کی طرح۔

ریوان نے گہری سانس لی، نظریں نیچی کیں، اور ایک تلخ مسکراہٹ اس کے ہونٹوں پر آ گئی۔ "شاید یہی سزا ہے، شاید یہی مقدر ہے۔"۔ وہ واپس اپنی دنیا میں چلی گئی تھی جہاں ریوان کا نام و نشان نہیں تھا۔)

"اس نے میرے پسند کے کپڑے پہننا چھوڑ دیے ہے" وہ زخمی ہنسا۔

(وہ پرانی لڑکی نہیں رہی تھی جو دوسروں کی پسند کے مطابق خود کو ڈھالتی تھی۔ اس نے اپنے دل پر لگے زخموں کو اپنی طاقت بنا لیا تھا۔

اب وہ ہر بھارتی لباس پہنتی تھی —— کرتی، شلوار سوٹ، انار کلی، حتیٰ کہ لہنگا بھی —— لیکن ساڑی نہیں۔

ساڑی... وہ لباس جس میں ریوان اسے ہمیشہ دیکھنا پسند کرتا تھا۔ وہ جانتی تھی کہ جب بھی وہ ساڑی پہنتی تھی، ریوان کی نظروں میں ایک الگ چمک آجاتی تھی، جیسے وہ دنیا کی سب سے حسین عورت ہو۔ مگر اب، وہ اپنے لیے جینا چاہتی تھی، نہ کہ کسی کی پسند کے مطابق۔

اس کی الماری میں کئی رنگ تھے، مگر ساڑی کا ایک بھی جوڑا نہیں تھا۔

یہ اس کی خود سے کی گئی ایک خاموش بغاوت تھی —— اپنی پہچان، اپنی خوشی، اور اپنے وقار کے لیے۔)

"مجھے چوٹ لگتی ہے اسے فرق نہیں پڑتا" عیسی اس کے درد کو محسوس کر پا رہا تھا۔

(کمرے میں بس برتنوں کی ہلکی کھنک اور ہلکی ہوا کی سرگوشیاں تھیں۔

ریوان نے بے دھیانی میں کانٹے (fork) سے کھانے کا نوالہ لینا چاہا، مگر غلطی سے اس کی انگلی زخمی ہو گئی۔

خون کی ہلکی سی لکیر اس کی انگلی پر نمایاں ہو گئی۔ درد کی ایک ہلکی لہر اس کے ہاتھ سے گزری، مگر اس سے زیادہ دردناک وہ لمحہ تھا جب دشا نے ایک نظر بھی اس پر نہ ڈالی۔

وہ بالکل خاموشی سے کھاتی رہی، جیسے کچھ ہوا ہی نہ ہو۔

ریوان نے چند لمحے اس کی طرف دیکھا، شاید امید تھی کہ وہ کم از کم ایک پل کے لیے چونک کر دیکھے گی، جیسے پہلے کبھی کیا کرتی تھی۔ مگر اب وہ وہی دشا نہیں تھی۔

یہ بے نیازی، یہ لاتعلقی، یہ اجنبیت——یہی وہ چیز تھی جو ریوان کے زخم سے زیادہ تکلیف دہ تھی۔)

"سب ختم ہو کر بھی ختم نہیں ہوتا عیسی۔ میں نے کہا وہ الگ ہو جائے تو کہتی ہے بچوں کی نظر میں وہ مجھے برا نہیں دکھانا چاہتی تھی اور وہ انہیں ٹراما نہیں

دینا چاہتی وہ اب سندور نہیں لگاتی بس منگل سوتر پہنتی ہے امید کا ایک دھاگا

اب بھی اس کے پاس میرے لیے موجود ہے"

(دشا کی خاموشی، اس کا مانگل سوترا—ایک ان کہی کہانی

دشا نے خود کو مکمل طور پر بدل لیا تھا۔ وہ اب ویسی نہیں تھی جیسے پہلے تھی۔

وہ ریوان کے لیے اپنے جذبات چھپا چکی تھی، اپنی محبت، اپنی نرمی، یہاں

تک کہ اپنا دھیان دینا بھی چھوڑ چکی تھی۔ اب وہ ایک مضبوط عورت بن

چکی تھی، جو اپنی عزت اور خودداری کے ساتھ جینا سیکھ چکی تھی۔

لیکن...

اس نے کبھی اپنا مانگل سوترا نہیں اتارا۔

وہ جو ہر چیز چھوڑ چکی تھی، جو ریوان کو مکمل طور پر نظرانداز کر چکی تھی، وہ مانگل سوترا آج بھی اس کی گردن میں موجود تھا۔ایک خاموش نشان، ایک ان کہی کہانی، ایک ایسا بندھن جسے وہ توڑ تو نہیں رہی تھی، مگر قبول بھی نہیں کر رہی تھی۔

ریوان نے کئی بار غور کیا، یہ تضاد اسے پاگل کر دیتا تھا۔

"اگر تمہیں میری پرواہ نہیں، تو پھر یہ کیوں پہنا ہے؟" اس نے ایک بار ہمت کر کے پوچھا۔

دشا نے ایک پل کے لیے نظر اٹھائی، مگر اس کی آنکھوں میں کوئی واضح جواب نہیں تھا۔ بس خاموشی، گہری، الجھی ہوئی خاموشی۔

کبھی کبھی کچھ رشتے توڑنے سے نہیں، بلکہ اسی طرح زندہ رہنے سے زیادہ تکلیف دیتے ہیں۔

"تم نے یہ کیوں نہیں نکالا دشا" ریم نے اس سے پوچھا۔ "تاکہ مجھے یاد رہے کہ محبت کیا ہے۔ اس کی سزا کیا ہے میں کتنی بے وقوف تھی۔ دھوکہ یاد رہتا ہے اس سے " دشا ٹوٹ چکی تھی وہ بس ڈٹے رہنے کا دکھاوا کر رہی تھی۔ " ماں جی اور نے مجھے طلاق لینے کے لئے کہا مگر میں انہیں کیسے

سمجھاؤں کہ میری ڈور ہمیشہ ریوان سے جڑی رہے گی مجھے اپنے بچوں کی خاطر اس دور کو تھامے رکھنا ہو گا مگر باوقار عورت ہونے کے ناطے میں انہیں معاف نہیں کر پاؤں گی ہمارے درمیان اب کچھ بھی باقی نہیں ہے")

"میں نے اپنے ہاتھوں سے اپنے محل میں آگ لگائی ہے۔اور لگتا ہے سات جنم تک یہ آگ جلتی رہے گی۔"

(بھگوان کے سامنے روز دیا جلاتے وقت وہ خود کو ایک بار ہارا ہوا دیکھتی۔" دیوی ماں یہ دیا ہے میری امید کا میں نفرت کرتی ہوں ان سے لیکن اس

شخص کے لئے یہ دل مردہ نہیں ہو رہا۔ اسے میرے لئے بے معنی کر دے

"دشا کی دعا— محبت سے نفرت تک کا سفر

ہر رات جب ساری دنیا سونے کی تیاری کر رہی ہوتی، دشا خاموشی سے اپنی

چادر ٹھیک کرتی، ہاتھ جوڑتی اور آنکھیں بند کر کے دعا کرتی۔

"یا خدا، مجھے ریوان کو بھولنے کی طاقت دے دو۔ مجھے اس سے نفرت

کرنے کی ہمت دے دو۔"

اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے، مگر وہ انہیں بہنے نہ دیتی۔ محبت آسان

تھی، مگر نفرت... وہ تو بس دعا میں مانگنی پڑ رہی تھی۔

وہ خود کو لاکھ سمجھاتی کہ ریوان کے لیے اب اس کے دل میں کچھ نہیں بچا، مگر ہر رات یہی دعا مانگنا اس کی سب سے بڑی شکست تھی۔

اگر وہ واقعی اسے بھول چکی ہوتی، تو پھر خدا سے یہ مانگنے کی ضرورت ہی نہ پڑتی...)

میں آج بھی اسے دعاؤں میں مانگتا ہوں۔ معافی مانگتا ہوں۔ اس سے کبھی نہ ختم ہونے والا پیار کرتا ہوں عیسی میں جوگی بن گیا ہوں" عیسی نے اس کے کاندھے پر ہاتھ رکھا اسے مسکرانے کے لیے کہا۔ وہ اس کا دوست تھا۔ اسے اداس دیکھنا اس کے لئے عذاب کی مانند تھا۔ وہ اسے جھوٹی امیدیں

نہیں دلانا چاہتا تھا کیوں ان کی اب جگہ نہیں تھی۔ دھوکے کی معافی نہیں ہوتی۔ اور عورت سے دھوکے کی تو عمر قید کی سزا لازمی ہے۔ اس نے بس اس سے اتنا کہا کہ......

"مسکراتے رہو کہ وہ سامنے ہے۔ تم اسے دیکھ سکتے ہو۔ تم اس کی پہلی اور آخری محبت تھے۔ تمہارے بعد کوئی نہیں آیا اور نہ آئے گا۔ تم اب بھی اس سے جڑے ہو۔

محبت زندہ رہے گی ہمیشہ ان دفن قبروں میں۔"......

THE END